



# اسلام میں فلاحی ریاست کا تصور

یہ تحقیقی مقالہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی  
سنی دینیات کی ڈگری کیلئے پیش کیا گیا

زیر نگرانی

ڈاکٹر قاری محمد عنوان اللہ پی۔ ایچ۔ ڈی (علیگ)  
ڈی لٹ (جہاں لائبر) صدر شعبہ دینیات سنی

از

نسیم منصور ایم۔ اے، ایم۔ فی۔ ایچ (علیگ)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۹۷۶ء



T1584

T 1584



## " فہرست مضامین "

<u>صفحہ</u>	<u>باب اول -</u>
۱	۱ - مقدمہ -
۱۲	۲ - ریاست کی تعریف
۱۴	۳ - ریاست کے اجزاء ترکیبی
۱۵	۴ - ریاست کی نوعیت
۱۶	۵ - ریاست کا مقصد
۱۷	۶ - ریاست کا قیدی <sup>تدریجی</sup> ارتقاء
	<u>باب دوم -</u>

	۱ - انحضرت کی بعثت سے قبل عرب کی حالت
۲۶	سیاسی حالت
۲۸	تمدنی حالت
۲۹	معاشی حالت
۲۹	مذہبی حالت
۳۰	اخلاقی حالت
۳۳	۲ - سیاسی تنظیم عہد رسالت میں
۳۶	۳ - فلاحی ریاست اور اس کا اساسی اسلامی تصور
۳۸	۴ - فلاحی ریاست کی تشکیل قرآن کی روشنی میں

## باب سوم -

	۱ - خلافت راشدہ
۶۵	خلافت کی ابتدا اور مفہوم
۷۴	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۸۳	حضرت عمر فاروق " " "
۸۹	حضرت عثمان " " "

۹۲	حضرت علی رضی اللہ عنہ
	۲ - حقوق العباد -
۹۹۵	وادیں کے حقوق
۱۰۹	اولاد کے حقوق
۱۱۶	پڑوسیوں کے حقوق
۱۲۰	یتیموں کے حقوق
۱۲۴	بیواؤں کے حقوق
۱۲۷	حاجتمندوں کے حقوق
	<u>باب چہارم -</u>
۱۳۰	۱ - اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات
۱۳۵	۱ - اسلامی قانون
۱۳۷	۲ - حکومت کی تقسیم کار
۱۳۷	مقننہ
۱۳۸	منتظمہ
۱۴۰	عدلیہ
۱۴۲	جہاد و دفاع
۱۴۵	۳ - مجلس شوریٰ کا تاریخی پہلو اور شوریٰ کا امتیاز
۱۵۴	۴ - زمانہ حال کی پارلیمنٹ
	<u>باب پنجم -</u>
۱۵۷	۱ - اسلام کے معاشی نظام میں فلاحیت کا تصور
۱۶۷	نظریہ ملکیت
۱۶۸	زمین کی شخصی ملکیت قرآن کی نظر میں
۱۷۰	زراعت
۱۷۲	زمینداری اور جاگیرداری
۱۷۷	تقسیم میراث



## باب ششم -

### ۱۔ اسلام کا ملکی اور اقتصادی نظام -

۱۸۲	بیت المال
۱۸۳	بیت المال کے ذریعہ آمدنی (آمدنی کی مدین)
۱۸۳	زکوہ
۱۸۹	جذیہ
۱۹۵	خراج
۱۹۹	عشر
۲۰۲	خمس
۲۰۵	فی
۲۱۰	رکاز
۲۱۱	لقطہ
۲۱۳	لا وارث تو کے
۲۱۴	اخراج کی مدین
۲۱۵	تعلیم
۲۱۶	صحت
۲۱۶	لا وارث بچوں کی پرورش
۲۱۷	مہر
۲۱۹	نقہ
۲۲۱	بے روزگاری
۲۲۳	یتیموں اور بیواؤں کے وظائف
۲۳۱	مستدرون اور مسکینوں کی امداد
۲۳۷	اسلام میں زمینوں کے حقوق

## باب ہفتم -

### ۱۔ اسلام کا و اخلاقی نظام جس نے فلاحی

۲۴۸	ریاست کا تصور دیا -
۲۴۹	انسانی مساوات
۲۵۲	انسداد غلامی

۲۶۵	اسلام میں عورت کی حیثیت
۲۷۳	زنا اور اس کی حد
۲۸۲	لواطت
۲۸۵	شراب نوشی
۲۹۵	جوری
۳۰۴	رجم
۳۰۷	ایفائے عہد
	۲۔ فلاحی ریاست کا دیگر نظاموں سے موازنہ اور
۳۱۶	اسلامی نظام کا امتیاز۔
۳۱۷	سرمایہ دارانہ نظام
۳۱۸	اشتراکیت
۳۲۲	اشتمالیت
۳۲۳	جمہوریت
۳۲۴	موازنہ

## مقدمہ

دنیا کے فلسفیوں اور مدبروں نے مملکت کے ایسے خاکے مرتب کئے ہیں جن میں فرد و جماعت کے لئے حق و انصاف کے حصول اور زیادہ سے زیادہ تہذیبی ترقی کے مواقع فراہم کئے گئے ہوں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم یونان کی شہری مملکت تھی جس کا خاکہ سقراط اور افلاطون نے مرتب کیا تھا لیکن خود ان کا بھی یہ خیال تھا کہ یہ قابل عمل نہیں اگرچہ افلاطون نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہم ناممکن چیزوں کے متعلق گفتگو نہیں کرتے۔ یہ چیزیں اگرچہ دشوار ہیں مگر ناممکن نہیں اس کے خیال میں اگر سلطان فلسفی ہوتے تو واقعیت کا رنگ اختیار کر لیتیں"۔ مملکت کے سلسلہ میں جب وہ فلسفی سلطان کا ذکر کرتا ہے تو اس کے تصور میں ایک ایسا انسان کامل ہے جو اپنے نصب العین کو حقیقت کا رنگ دے سکتا ہے۔ اس کا مطلب مطلق انسان حکمران سے نہیں بلکہ اعتدال پسند حکمران سے ہے جو خود مختار ہونے کے باوجود انصاف کے نصب العین سے صرف نظر نہیں کرتے۔ یہ حکمران بدرجہ اتم ذہین، سرگرم عمل اور بے داغ کردار کے حامل ہوتے ہیں۔

قدیم ہندو سلطنت اور تہذیب دینی حکومت تھی جس میں پیشواؤں کا مذہب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ جماعت سمجھتی تھی کہ ان کو غیر مرئی قوتوں پر تصرف حاصل ہے۔ زندگی کے ہر فعل کی توثیق برہمنی پیشوائیت سے ضروری تھی۔ برہمن قانون اور رسم و رواج کے نہ صرف نگراں تھے بلکہ محافظ بھی تھے۔ حکمران اپنے اختیارات انہیں سے حاصل کرتے تھے۔ تمام سیاسی فیصلوں میں برہمن کی آواز سب سے زیادہ وزن رکھتی تھی

آئین و ضوابط ، اخلاقیات اور رسوم کا انصباط شاستر کی روشنی میں ہوتا تھا ان شاستروں میں اخلاقیات، الہیات اور قانون کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی تھی — ہندو مذہب بحیثیت روحانی و اخلاقی اصول کے کبھی کامیابی کے ساتھ ادنیٰ اور وحشیانہ طریقوں کو مسترد نہ کرسکا اس کا سبب ذات کا نظریہ تھا — ان کے یہاں مساوات یا انسانی برادری کا کوئی تصور نہ تھا — برہمن ذات سے خارج افراد کے لئے کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تھے جس کے نتیجہ میں یہ ” ادنیٰ درجہ کے انسان ” مصائب و آلام کی زندگی بسر کرتے تھے ان کی روحانی ترقی کی سعی گناہ سمجھی جاتی تھی —

مادی ترقی اور صنعتی انقلاب کے بعد جو طرز حکمرانی وجود میں آیا اور جس نے شہنشاہیت کی جگہ لی وہ دنیوی حکومت تھی کسی مملکت کا جمہوری کہلانا ترقی یافتہ اور مثالی ہونے کی علامت بن گیا ایسی حکومت جو تمام باشندوں میں مقبولیت حاصل کرنا چاہے مذہب کو اپنا اساس نہیں بنا سکتی — لیکن ” جمہوریت ” مملکتوں کی تاریخ کی روشنی میں ایک مہم تصور بن گیا ہے — ہٹلر کی حکومت جو حقیقت میں نازی حکومت تھی جمہوریت کی دعویٰ دار تھی اور دنیا کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ ہٹلر کا انتخاب آزادانہ جمہوری طریقہ پر رائے شماری کے ذریعہ ہوا ہے — اور وہ قوم کی نمائندگی کرتا ہے —

فاشستی بھی ایک قسم کی جمہوریت کے دعویدار ہے — یہ جمہوریت مامون اور آسودہ حال قوموں کی عیش پسندی ہے اور غیر محفوظ اور نادار قومیں اسے اختیار نہیں کرسکتیں — روسی اشتعالیت موجودہ دور میں سب سے زیادہ جمہوری ہونے کی دعویٰ دار ہے — یہ انگریزی اور امریکی جمہوریتوں کو دولت مندوں کی حکومت کہتی ہے — روسی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ اگرچہ بظاہر عوام ہیں لیکن حقیقت میں کمیونسٹ پارٹی کے اکابر عنان حکومت بری مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں — اس نظام میں فرد کی انفرادیت ریاست میں گم ہوکر رہ گئی — ریاست اپنے باشندوں کے روٹی کپڑے، مکان، اور زندگی کی بہت اہم ضروریات

کی کفیل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مزدور جو زاید محنت کرتا ہے اور اس سے ریاست کو جو فائدہ ہوتا ہے اس میں وہ شریک نہیں۔ مذہبی آزادی کا یہ مفہوم نہیں کہ ہر فرد ریاست اپنے مذہب کی پیروی کے لئے آزاد ہے اور اس کے مذہبی مہاملات میں اس کے مذہب کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائیگا بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب ہی نہیں اور اس کے باشندوں پر مذہب کے عطا کردہ اخلاق کی کوئی پابندی نہیں۔ روس میں ریاستی سرمایہ داری اور یک جماعتی تسلط فرد کو اپنے بنیادی حقوق سے محروم رکھتا ہے۔

پارلیمانی طرز حکومت میں اگرچہ راکین ریاست کا انتخاب عوام کی رائے سے ہوتا ہے اور اس بناء پر وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی آواز، ان کا اقدام اور ان وضع کئے ہوئے قوانین عوام کی آواز، عوام کے اقدام اور عوام کے وضع کردہ قوانین ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر حکمران جماعت یا پارٹی کا تسلط ہوتا ہے۔ اور اقتدار اعلیٰ حکمران پارٹی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف مسلم مملکت چند واضح اور مستحکم اصولوں پر قائم کی گئی ہے۔ اسلامی مملکت کو رسول اسلام نے قائم فرمایا اور خلفائے راشدین نے اسکو مزید ترقی دی۔ اس مملکت کے چند اساسی اصول ہیں۔

دوسرے مذاہب کی پیروی کرنے والوں کی طرح مسلمانوں کو بھی مذہبی آزادی سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے اگر ان کو اس آزادی کو برقرار رکھنے اور زندگی اور ناموس کی حفاظت کے لئے مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو ان کو صبر کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہئے اگر مصائب ناقابل برداشت ہو جائیں اور ان میں صبر و تحمل کی قوت باقی نہ رہے تو دارالحرب سے ہجرت کرنی چاہئے اور خدا کی وسیع زمین میں اس جگہ پناہ لینی چاہئے جہاں ان کی ناموس اور ان کا مذہب محفوظ ہو۔ اس حکم کی تعمیل میں اول حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کو دور اول کے مسلمانوں نے ہجرت کی۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اور دوسروں کے لئے امن و امان کی فضا پیدا کرنے

کے لئے غیر مسلموں سے معاہدے کریں ۔

مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ایسے معاہدوں کی بھی پابندی کرے جو بظاہر

اسکو باعزت معاہدے نظر نہ آتے ہوں ۔ اسلام کے احکام کے مطابق عہد ناموں کی يك طرفہ

خلاف ورزی ممنوع ہے اگر فریق مخالف کی عہد شکنی حد یقین کو پہنچ جائے تو معاہدہ

سے دست برداری اختیار کرنے کے لئے فریق ثانی ایک مدت مقرر کرکے مطلع کرے ۔

جب مسلمانوں کو سکون کی زندگی میسر ہو جائے ، فرائض مذہبی کی علانیہ ادائیگی میں

کوئی رکاوٹ نہ ہو اجتماعی زندگی کا نظام مرتب ہو چکا ہو تو ظالموں کے خلاف قوت کے استعمال

کی اس حد تک اجازت ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے ضوابط سے انحراف نہ کرتے ہوئے ظالم

کے ”کلیتہ“ مغلوب ہونے تک لڑے ۔

اگر غیر مسلم اسلامی مملکت میں امن و وفاداری کے ساتھ رہیں تو ان کو اپنے مذہبی

رسوم ادا کرنے کی آزادی دی جائے اور ایک قلیل ٹیکس انکی حفاظت ہی کے لئے ان سے

وصول کیا جائے اور ان سے سماج میں مساویانہ سلوک کیا جائے ۔ یہ ٹیکس معذور ، بوڑھوں ،

بچوں اور ان لوگوں سے نہ لیا جائے جو کما نہیں سکتے ۔ اسلامی ریاست کا ایک غیر مسلم

باشندہ اپنے حقوق کی حفاظت کیلئے خلیفہ وقت کے خلاف بھی قاضی سے رجوع کرسکتا ہے

چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ باوجود خلیفہ وقت ہونے کے ایک غیر مسلم کے دعویٰ کی

جواب دہی کیلئے قاضی کی عدالت میں بحیثیت مدعا لہ کے پیش ہوئے ہیں ۔

اسلامی حکومت اپنا اقتدار خدا سے حاصل کرتی ہے خدا عالم گیر اجتماعی عدل کی

ایک علامت ہوگا ۔ اسلام میں شہنشاہیت اور موروثی جانشینی کی کوئی گنجائش نہیں ۔

اسلامی حکومت تمام رعایا کو بلا امتیاز مذہب و ملت مساوی شہری حقوق کی ضمانت

دیگی ۔ غیر مسلموں کو یہ حق حاصل رہیگا کہ وہ اپنے مقدمات کا فیصلہ اپنے شخصی قوانین

کے مطابق کریں بشرطیکہ ان سے حقوق انسانیت کی خلاف ورزی نہ ہو ۔

دستور کے ماتحت مرد و عورت دیکسان بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ عورت املاک و جائیداد کی مالک ہوسکیگی نکاح ایک معاہدہ ہوگا جس کے شرائط خلاف اخلاقی اور خلاف آئین نہ ہوں۔

معاشرہ کی معاشیات اس طرح منضبط کی جائیگی کہ صرف سرمایہ کے سود پر ہر زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

وراثت کا حقدار صرف برا بیٹا نہ ہوگا بلکہ ترکہ کی تقسیم قانون الہی کے ماتحت ہوگی۔ سرمایہ پر محصول کی وصولیابی لازمی ہوگی تاکہ دولت کسی ایک گروہ میں <sup>محصور</sup> موجود نہ ہوسکے۔ مسلمان کے مال سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔ اس سے مصیبت زدوں اور ناداروں کی امداد کی جائیگی اور اس طرح معاشرہ کو بتدریج ایک سطح پر لانے کی سعی کی جائیگی۔ تمام باشندوں کی فلاح و بہبود مملکت اسلامی کا اصل مقصد ہے یہ صرف انتظامی مملکت نہ ہوگی " اسلامی حکومت دراصل فلاح و بہبود عامہ کی حکومت ہے "۔

کسی مسلم یا غیر مسلم باشندے سے اسکی استطاعت سے زیادہ وصول نہ کیا جائیگا جو روزی کمانے کے قابل نہ ہوں گے وہ نہ صرف ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے بلکہ بیت المال سے ان کی مدد کی جائیگی۔

تجارت کی آزادی ہوگی لیکن نفع خوری اور ماں تجارت کو مزید نفع حاصل کرنے کے حیاں سے جمع کرنے کی اجازت نہ دی جائیگی۔

مشترک خاندانی نظام میں جائداد کو غیر منقسم رکھنا خلاف قانون ہوگا۔

سربراہ مملکت ( خلیفہ ) کے انتخاب کے لئے کوئی واضح ضابطہ مقرر نہیں ہے جب چند مجوزہ ناموں میں سے سربراہ مملکت ( خلیفہ ) کے انتخاب کی سفارش کی جاسکتی ہے لیکن قوم کی توثیق کے بغیر کسی جانشین کو نامزد کرنے کی اجازت نہیں ہر شخص کو امیدوار بننے اور رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ ہر باشندہ سربراہ مملکت ( خلیفہ وقت ) کے

کسی فعل کی باز پرس کرسکتا ہے اور اس کا یہ فرر ہوگا کہ اپنے فعل کا جواز پیش کرے۔  
حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی سے مال غنیمت کی چادروں کے متعلق ایہ اعرابی نے مسجد نبوی  
میں جب وہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو سواں کیا اور خلیفہ وقت نے خندہ پیشانی  
سے تسلی بخش جواب دیا ۔

اسلام کو رو سے اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کو حاصل ہے نہ کسی بادشاہ کو نہ کسی  
جماعت کو ۔ قانون سازی کے بنیادی اصول بھی اسی کے عطا کردہ ہیں ، حالات کی تبدیلی  
کی صورت میں فقہاء اتفاق رائے سے جدید قانونی تاویلات کوسکتے ہیں ۔ مسلمان وقت کے  
تقاضوں کے پیش نظر قانون ساز میں آزاد ہوں گے لیکن قانون اساسی دستور کے منافی نہ  
ہوگا اور صرف وہ علماء اور فقہاء اس کام کو انجام دینگے جو اسلام کی روح اور معاشری  
عدل کے اصول کو پوری طرح سمجھتے ہیں ۔ اور قانون پر نظر ثانی اور تشریح قوانین کا یہ  
عمل وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جاری رہیگا ۔

بین الاقوامی صلح و امن کے لئے اسلامی حکومت پوری سعی کریگی قرآن حکیم کا یہ  
واضح حکم ہے کہ اگر دو جماعتوں میں سخت تنازعہ ہو تو ہر مسلمان کا فرر ہے کہ صلح  
کرائے اور اگر کوشش کامیاب نہ ہو تو مسلمان کے لئے یہ حکم ہے کہ مظلوم کی حمایت کرے  
اور اپنی متحدہ قوت سے ظالم کو مغلوب کرلے ۔

اسلام معاہدوں اور ایفائے عہد پر بہت زور دیتا ہے ۔ قرآن حکیم کا ارشاد گرامی  
ہے کہ **والموفون بعہدہم اذا بحد** " مسلمان وہ ہیں جو اپنے معاہدات کی پابندی  
کرتے ہوں " ( بقرہ ۱۷۷ ) **یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود** " اے ایمان والو اپنے عہد  
کو پورا کرو " ( مائدہ ) جب تک فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں  
کی جاتی اور علانیہ یا پوشیدہ عہد شکنی کرکے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ اقدامات کی  
تیاری نہیں کی جاتی مسلمان کا فرر ہے کہ اپنے عہد کو پورا کرے اس سے بھی زیادہ



واضح حکم ایفاءے عہد کے متعلق یہ ہے

الَّذِينَ عَاهَدُوا لَكُمْ مِيثَاقًا فَلَمَّا تَوَفَّوْا عَنْكُمْ  
أَحَدٌ فَأَنفَرُوا إِلَيْكُمْ عَاهَدٌ عَلَيْهِمْ  
”وہ مشرکین جو تم سے معاہدہ کرچکے ہیں اور جنہوں نے کسی  
طرح اسکی خلاف ورزی اور تمہارے مقابلہ میں کسی کی اعانت نہیں  
کی ہے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ ایفاءے عہد کرو“  
(توبہ)

اسلامی فلاحی حکومت کو دوران جنگ بھی اخلاقیات کے بنیادی اصولوں کی بے باکانہ  
خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہے۔ انتہا یہ ہے کہ فلاحی ریاست کو اس کا حکم ہے کہ  
وہ معائدین کے ساتھ بھی انسانیت کے بنیادی اوصاف کی پابندی کریں۔ خیانت اور  
عہد شکنی کی کسی حالت میں بھی اجازت نہیں ہے۔

مملکت اسلامی کی خارجہ پالیسی کے متعلق ہدایہ کا یہ اقتباس کافی ہے

”جب کبھی کوئی مسلمان کسی غیر مسلم مملکت میں داخل ہوتا ہے تو اس  
پر لازم ہے کہ وہ اس کے باشندوں کی جان و مال کا احترام کرے کیونکہ  
اس نے بن کہے اس امر کا عہد کیا ہے کہ وہ ایسا ہی کریگا۔“

اسلامی فلاحی مملکت کے خط و حال کا ایک خاکہ مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے

ان اساسی تصورات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ خدا کا تصور ہی وہ مرکزی نظم ہے جس سے اعمال و افکار کی تمام شاخیں پھوٹتی  
ہیں، خدا کا تصور بیک وقت انسان کے آغاز، انجام، اور تقدیر کا بھی تصور ہے  
اور یہی تصور اس کے مرتبہ، مثبت اور کائنات سے اس کے تعلق کو متعین کرتا ہے۔

۲۔ سارا ملک و اقتدار خدا کا ہے ”قل اللهم مالك الملك تو تى الملك من نساء“

”کہو خدا یا ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے۔“

۳۔ انسان کی حیثیت زمین پر خدا کے خلیفہ کی ہے جسے ایک مکمل قانون دیکر دنیا  
میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اس قانون کو خود اپنی زندگی اور اس کے معاملات

کے لئے رہنما بنائے اور دوسروں کو بھی اس قانون پر چلنے کی تلقین کرے اسی لئے کائنات خارجی اور اسکی لاتعداد قوتوں کو انسان کا خادم بنایا ہے وہ جس طرح چاہے انکو کام میں لائے ۔ انسان کا شرف یہ ہے کہ وہ ان قوتوں پر اپنے ارادے کو موثر کرے اور خدا کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسکی ذات و صفات سے قدرت پیدا کرے تاکہ اس کی ذات ، ذات الہی کا پر تو بن جائے ۔

۴۔ معاشرہ کا ظلم اکثر مملکت اور قانون کے ظلم سے کہیں زیادہ شدید ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسانی زندگی کے اس حصہ کو جہاں تک قانون کی دست رس نہین کسی اخلاقی ضابطہ کا تابع کیا جائے اور معاشرتی زندگی کو اس اخلاقی نظام کے ذریعہ بے قیدی اور بے عنانی سے محفوظ رکھے ۔

۵۔ جس سماج یا مملکت کی بنیاد الہامی ہدایات اور الہامی قوانین پر استوار نہ ہو اس کے افراد صحیح اخلاقی تربیت سے محروم رہینگے اور اس کا اخلاقی اور قانونی نظام وہ ماحول پیدا نہ کرسکیگا جو افراد کی تکمیل ذات اور تسخیر نفس کے لئے ضروری ہے ۔

۶۔ اسلامی مملکت کا قیام اس لئے ضروری ہوا کہ اس سے قبل افراد معاشرہ اپنے ارادوں ، جذبات و خواہشات میں بے قید تھے انکی اخلاقی تربیت کے لئے مملکت کا قیام ضروری ہوا ۔

۷۔ اسلام کا مملکتی اور تمدنی نظام ، نظام الہی کی اساس پر قائم ہے اور اسی لئے بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک صحیح اساس ہے ۔

۸۔ فلاحی مملکت کا مقصد اسلامی نقطہ نظر سے افراد کی تکمیل ذات اور انسان کی اجتماعی خودی کی نشوونما ہے ۔

اس اجمال کی تفصیل اس مقالہ میں اس طرح کی گئی ہے کہ

۱۔ ریاست کی تعریف و مفہوم بیان کرکے ، ریاست کے اجزائے ، ریاست کی نوعیت اور اس کے مقصد پر بحث کی گئی ہے ۔

۲۔ ریاست کا تصور کا تاریخی ارتقا یونان ، روم ، مصر ، ہند و چین کی ریاستوں ہئیت ترکیبی کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ۔

- ۳۔ مندرجہ بالا پس منظر پر تفصیلی گفتگو کرکے اسلامی ریاست میں فلاحیت کے تصور پر بحث کی گئی ہے۔
- ۴۔ اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کو واضح کرنے کے لئے سرورکائنات سے پہلے عربی سماج، سیاسی، مذہبی، معاشی اور اخلاقی تنظیم کو پیش کیا گیا ہے۔
- ۵۔ اس پس منظر میں عہد رسالت میں فلاحی ریاست کی اساس، اسکا اسلامی تصور، معاشی اور اخلاقی تنظیم پر بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ فلاحی ریاست کا جو عملی نمونہ حضرت رسالت مآب نے پیش فرمایا تھا اس کو خلفائے راشدین نے برقرار رکھا۔
- ۶۔ اسلامی فلاحی ریاست کی خصوصیات - نیابت آدم، حقوق اللہ، حقوق العباد، نظام حکومت کی جمہوری بنیادیں جو اقتدار اعلیٰ (خدا) کی بنیادوں پر استوار ہے۔ مجلس شوریٰ اور زمانہ حال کی پارلیمنٹ اور شوریٰ کا موازنہ، شوریٰ کا امتیاز کی مفصل بحث، اسلامی قانون کی روشنی میں حکومت کی تقسیم کار - عاملہ، مقننہ، عدلیہ اور دفاع۔
- ۷۔ اسی ضمن میں فرمانِ رواے اعلیٰ کی خصوصیات، اس کے حقوق اور اختیارات پر تنقیدی نظر،
- ۸۔ اسلامی فلاحی حکومت میں اقتدار اعلیٰ کے تصور کی روشنی میں اس کا معاشی نظام اور اسکی فلاحیت کی بحث اور اسی سلسلہ میں نظریہ معیشت کی اصولی بنیادوں کا تنقیدی جائزہ۔
- ۹۔ اسلام کا نظریہ ملکیت - شخصی ملکیت از روئے قرآن حکیم و حدیث نبوی اور اسکی روشنی میں زرعی نظام جس کے تحت زمینداری، جاگیرداری اور تقسیم میراث آتے ہیں ان کا تجزیہ۔
- ۱۰۔ اسلام کے مالی اور اقتصادی نظام پر مفصل بحث - آمدنی کی مددات - (۱) زکوٰۃ، (۲) جزیہ (۳) خراج (۴) عشر (۵) خمس (۶) فی (۷) لقطہ (۸) رکاز (۹) لاوارث کا ترکہ ان مددات آمدنی کے لئے بیت المال کا قیام۔

اخراجات بیت المال کی تفصیل - (۱) تعلیم (۲) معذوریوں کی امداد ،  
 (۳) یتیموں اور بیواؤں کے وظائف (۴) بے روزگاری کے وظائف (۵) ذمی  
 کے حقوق (۶) ناداروں کی شادی کا انتظام (۷) ادائیگی مہر  
 (۸) نفقہ (۹) لاوارث بچوں کی پرورش -

۱۱۔ اسلام میں فلاحی ریاست تصور اخلاقی نظام کی بنیادوں پر استوار ہے -  
 اخلاقی نظام کا تانا بانا - انسانی مساوات ، غلامی کا انسداد ، عورت  
 کی سماج میں حیثیت ، اخلاقی جرایم ، زنا ، لواطت رجم ، شراب نوشی ،  
 چوری ، عہد شکنی کی عبرت سزائیں جو ان جرایم کا مکمل سدباب کردین -  
 ۱۲۔ اسلامی فلاحی سیاست کی امتیازی خصوصیات بیان کرنے کے بعد جدید  
 ریاستوں سے موازنہ -

(۱) وہ حکومتیں جہاں پارلیمانی حکومتیں جمہوریت کے نام پر قائم ہیں -  
 انگلستان ، پاکستان ، ہندوستان ( ) صدارتی حکومتیں امریکہ (۲) وہ  
 ریاستیں جن کے نظام حکومت کی بنیادین کمیونزم ، سوشلزم کے نظریہ پر  
 استوار ہیں - اسکے بعد ان سب کا موازنہ اسلامی فلاحی ریاست سے  
 کیا گیا ہے پھر اسلامی ریاست کا امتیاز بتایا گیا -

اس مقالہ کا کام ۱۹۷۰ء میں پروفیسر مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی سابق  
 صدر شعبہ سنی دینیات کی نگرانی اور رہنمائی میں شروع ہوا مگر میری بدقسمتی سے  
 حضرت مولانا اکبرآبادی کچھ ہی عرصہ کے بعد یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے  
 اور اس کے بعد رہنمائی اور نگرانی کا کام استاد محترم <sup>د</sup>رضوان اللہ صاحب فاضل ازہر اور  
 موجودہ صدر شعبہ سنی دینیات کے سپرد ہوا اور اسکی تکمیل انہیں کے ہاتھوں ہوئی -  
 بڑی نا سپاس گزاری ہوگی اگر میں حضرت مولانا اکبرآبادی کی مشفقانہ رہبری کھل صمیم قلب  
 سے شکریہ نہ ادا کروں اس لئے کہ منزل کی نشان دہی اگر مولانا نہ فرماتے تو میری کیفیت  
 ایک گم کردہ راہ مسافر کی سی ہوتی -

ڈاکٹر رضوان اللہ صاحب زید مجدکم نے میرے کام میں جس طرح قدم قدم پر میری

رہنمائی فرمائی اور آخر منزل تک پہنچایا ۔

مقالہ کی تیاری اور مواد کی فراہمی کے لئے ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق میں

نے مندرجہ ذیل اداروں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے ان اداروں کے صدور کا شکریہ

ادا کرنا بھی میرا ک خوشگوار فرس ہے ۔

(۱) ندوۃ العلماء لکھنؤ (۲) مدرستہ العلوم دیوبند (۳) دارالمصنفین اعظم کڑھ اور

(۴) ادارہ تحقیقات اسلامی، بریلی ۔

میں شعبہ دینیات کے ان تمام اساتذہ کرام کی بھی ممنون ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً

میری مدد فرمائی ہے ۔

### ”ریاست کی تحریف“

انسان کی مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اسے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور باہمی مفاد کو پورا کرنے کے لئے سماج کی تنظیم کی جاتی ہے اور ضروریات کے مختلف النوع ہونے کی بناء پر مختلف اداروں کا قیام عمل میں آتا ہے ان میں ریاست کا ادارہ سب سے زیادہ اہم اور بنیادی ہے جو متمدن زندگی کی مکمل تصویر ہے۔ مولانا مودودی نے اسکی بری جامع تحریف کی ہے۔ ”ریاست و بیت سیاسی ہے جسکے ذریعہ ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اسے قوت قاهر اور قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں“<sup>۱</sup>

پروفیسر ہارون خان شیروانی نے مملکت کی تحریف ان الفاظ میں فرمائی ہے

”مملکت انسانوں کی منظم سیاسی بیت کا نام ہے اور حکومت اس کل کا نام ہے جسکے ذریعہ سے مملکت کے کاروبار انجام کو پہنچتے ہیں۔ گویا مملکت ایک ادارہ ہے اور ادارہ کا آلہ کار ہے۔“<sup>۲</sup>

حکومت اس کل کا نظم ہے جسکے ذریعہ سے مملکت کا کاروبار انجام کو پہنچتے ہیں۔ گویا مملکت ایک ادارہ ہے اور ادارہ کا آلہ کار ہے۔“<sup>۲</sup>

۱۔ اسلامی ریاست مقدمہ ص ۸، سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء

۲۔ مبادی سیاسیات ص ۲۱، دوسرا ایڈیشن۔ پروفیسر ہارون خان شیروانی۔

ارسطو حکومت و سلطنت کو قوموں اور ملکوں کی مکمل اور خود کفیل زندگی کا مجموعہ بتاتا ہے<sup>۱</sup>۔

مندرجہ بالا نظریات سے معلوم ہوا کہ ہر خیال فکر کے علماء سلطنت کو سماجی زندگی کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں لیکن سماج کی یہ تنظیم کب اور کس طرح ہوئی؟ اسکا فیصلہ قطعی طور پر کرنا مشکل ہے اسلئے اس مسئلہ پر بھی اختلاف ہے۔ بعض فلاسفہ کی رائے ہے کہ خاندان اولین معاشرہ ہے جو دنیا میں پیدا ہوا اور خاندان کی ارتقائی صورت کا تصور سب سے پہلے افلاطون اور ارسطو نے پیش کیا۔<sup>۲</sup> بعض کا خیال ہے کہ خوف و دہشت کے جذبہ سے متاثر ہوکر اپنے تحفظ کے لئے مختلف افراد نے ریاست کے قیام کو ضروری سمجھا اور یہ بھی غلط نہیں ہے کہ ریاست افراد انسانی میں ایک "اجتماعی معاہدہ" کا نام ہے۔<sup>۳</sup>

مندرجہ بالا آراء سے اندازہ ہوتا ہے کہ ریاست کا تصور ارتقاء کی منزلیں طے کرتا رہا جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے اندازہ ہوگا۔

"ہمارا تاریخی علم جس زمانے تک پہنچتا ہے اس سے بہت پہلے ابتدائی سلطنتوں کا قیام ہوچکا تھا۔ تاریخ کا احساس اس وقت تک زندہ نہیں ہوا تھا جب تک کہ زمین پر بہت سی سلطنتیں قائم نہیں ہوچکیں"<sup>۴</sup>

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سماجی تنظیم اور اس تنظیم کو قانون کا پابند کرنے، اور قانون کو نافذ کرنے والے آمر کا تصور ہی نہیں بلکہ اس پر عمل بہت قدیم ہے۔ اس گفتگو کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ ریاست کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور تعمیر ریاست میں ان کی اہمیت کیا ہے۔

۱۔ نظریہ سلطنت ص ۳۶ تا ۴۰ بلنچلی۔ مطبوعہ حیدرآباد۔

۲۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۵۰ شاہد حسین رزاقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۷ء

۳۔ اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاح عالم۔ مولانا محمد اسحاق سندیلوی، مکتبہ نشات ثانیہ حیدرآباد دکن

۴۔ نظریہ سلطنت، ص ۲۶۹، بلنچلی، مطبوعہ حیدرآباد۔

## ریاست کے اجزائے ترکیبی

(۱) آبادی۔ ریاست کے قیام کے لئے شرط اولین یہ ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ کسی ایک جگہ مستقل طور پر مقیم ہو اور اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ کسی کھلے جنگل یا غیر آباد جگہ میں ریاست قائم نہیں ہو سکتی اور اسی طرح چڑیوں اور جانوروں کے اجتماع کو ریاست کا نام نہیں دیا جاسکتا۔<sup>۱</sup>

آبادی کے لئے کوئی قید نہیں کہ وہ بڑی ہی ہو چھوٹی آبادی میں بھی ایک ریاست کی بنا ڈالی جاسکتی ہے اگر چند آدمی ایک جگہ جمع ہو کر باہمی مفاد کے لئے اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہوں تو انکی بھی اپنی ایک چھوٹی سی ریاست بن سکتی ہے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ ایک مثالی ریاست کا حدود و اریغ کتنا ہوگا کیونکہ کچھ ریاستیں چھوٹے رقبے میں محدود ہیں مثلاً "اسرائیل ریاست" دوسری طرف ایسی ریاستیں بھی ہیں جو بہت وسیع رقبہ کی مالک ہیں مثلاً "سویت یونین اور چین و ہند وغیرہ۔"<sup>۲</sup>

(۲) علاقہ۔ جس طرح ریاست کے لئے آبادی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ انسانوں کا یہ گروہ جس خطہ زمین پر اجتماعی زندگی بسر کر رہا ہو وہ اس گروہ کی ملکیت ہو۔ کیونکہ اس گروہ کی ملکیت ہی سے وطنیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اسی بنا پر ریاست دوسری انجمنوں سے ممتاز خیال کی جاتی ہے کیونکہ دوسری انجمنوں کا اپنا کوئی علاقہ نہیں ہوتا جسکو وہ وطن کہہ سکیں۔ بلکہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں اگر وہ کسی ایک جگہ ٹھہر کر وہیں مستقلاً قیام کر لیں تو اس صورت میں وہ اپنی ریاست تعمیر کر سکتے ہیں۔

(۲) حکومت۔ کوئی اجتماعی عمل بغیر تنظیم کے کامیاب نہیں ہو سکتا اور سچائی



سیاسی تنظیم کو حکومت کہا جاتا ہے۔ حکومت ریاست کو ایک عملی شکل ہے۔  
 عملی طور پر حکومت کے بغیر ریاست کا تصور ممکن نہیں۔ حکومت ایک ایسا آلہ کار ہے جو  
 ریاست کو خواہشوں کو اپنے عملی شکل دیتا ہے اسلئے بعض فلاسفہ نے حکومت کو ریاست  
 کی روح کا نام دیا ہے۔ حکومت جیسی ریاست کے لئے قانون نافذ کرتی ہے۔ ملک میں  
 امن و امان قائم کرتی ہے۔ عدل و مساوات پر زور دیتی ہے۔ مجرمین کو سزا دیتی  
 ہے۔ حکومت ریاست کی قوت مستحکم ہوتی ہے۔<sup>۱</sup>

حکومت ایک وقتی ادارہ ہے جو سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ برعکس  
 اسکے مملکت ایک دائمی ادارہ ہے جو سیاست کی آندھیوں میں بھی قائم رہتا ہے۔ اگر  
 ریاست ایک مشین ہے تو حکومت اسکا پرزہ۔<sup>۲</sup>

(۴) اقتدار اعلیٰ۔ ریاست کے عناصر میں اقتدار اعلیٰ کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے  
 کیونکہ صرف آبادی۔ علاقہ۔ حکومت سے ریاست کی منتظم مکمل نہیں ہوتی۔ اقتدار اعلیٰ  
 سے مراد وہ قوانین و ضوابط اور انکو نافذ کرنے کے اختیارات ہیں جو ریاست کو منظم و  
 مرتب رکھتے ہیں۔ اور افراد ریاست پر اقتدار اعلیٰ کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔  
 نافرمانی کی صورت میں اقتدار اعلیٰ کو سزا دینے کا حق حاصل ہوتا ہے اسکے ساتھ  
 ساتھ اقتدار اعلیٰ کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ ریاست میں بسنے والوں کی  
 ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ دار ہو۔ اقتدار اعلیٰ حکومت دیتا ہے حکومت قبول نہیں کرتا  
 ریاست کی نوعیت۔ ریاست کی نوعیت کو سمجھنا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس ادارہ کی  
 اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ ریاست انسانوں کی ایک تنظیم ہے جسکے بغیر خوشگوار اجتماعی  
 زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ کیونکہ ریاست انسان کے اخلاقی اور فطری تقاضوں کو پورا کرکے  
 مختلف خواہشات کی تکمیل کرتی ہے۔ ریاست ایک ایسی منظم جماعت ہے جسکے ذریعہ

۱۔ مبادی سیاسیات ص ۳۷، محمد ہاشم قدوائی

۲۔ ایضاً ص ۴۱

سے معاشرہ کی برائیوں کا قلع قمع کیا جاتا ہے اور اعلیٰ اقدار کا بول بالا ہوتا ہے ۔  
 ریاست انسان کو وفاداری کا سبق دیتی ہے اور یہی جذبہ انکو اپنے ہم وطنوں سے  
 محبت ، ملک کی حفاظت کے لئے جان دینا ، مملکت کے دوسرے باشندوں کے ساتھ  
 ہمدردی اور مدد پر آمادہ کرتی ہے ۔ ایسی ریاست جو انسان کی فلاح و خیر پر  
 نظر رکھتی ہے اور معاشی زندگی کی خوشحالی کے لئے انکے واسطے روزگار مہیا کرتی ہے  
 وہی فلاحی ریاست ہے اور فلاحی ریاست کی ترقی کا راز ساکنان ریاست کی خوشحالی  
 اور آسودگی میں مضمر ہے لیکن فلاحی ریاست کا بین تصور مغربی ہے اسلامی نہیں ۔  
ریاست کا مقصد ۔ ریلستئم ریاست کے مقصد کے سلسلے میں بلنچلی کی رائے ہے کہ  
 ریاست کا فوری اور ضروری مقصد قومی طاقت کو منظم کرنا اور آخری  
 انتہائی مقصد انسانیت کی تکمیل ہے<sup>۱</sup>۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوا کہ ریاست کا مقصد یہ ہے کہ سماجی زندگی میں خوشحالی  
 ہو ۔ تعلیم کا مناسب انتظام ہو ۔ غریب بچوں کے لئے مفت تعلیم حاصل کرنے کے  
 مواقع فراہم کرے ۔ ایسے قوانین نافذ کرے جس کے ذریعہ عوام کی فلاح و بہبود ممکن ہو  
 اسکے علاوہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں امن و امان برقرار رکھے ۔ اسکے لئے  
 پولیس اور فوج کا انتظام ضروری ہے ۔ یہ فوج نہ صرف اندرونی معاملات طے کرتی ہے  
 بلکہ ملک کو بیرونی حملوں سے بھی بچاتی ہے ۔ اسی سے مروجہ اخلاقی اقدار اور سماجی  
 اصولوں کی حفاظت ہوتی ہے ۔ ” ریاست کا قیام تکمیل ذات اور تسخیر فطرت دونوں  
 کے لئے ضروری ہے ”<sup>۲</sup>۔

ایک طرف تو وہ اجتماعی نظم قائم کرکے باہمی خونریزی اور فتنہ و فساد کا سدباب  
 کرتی ہے اور اس طرح اجتماعی امن و سکون عطا کرکے انسان کی فطری قوتوں کے ارتقاء<sup>۳</sup>

۱۔ نظریہ سلطنت ص ۳۰، جے ۔ کے بلنچلی

۲۔ ہیگن مارکس اور نظام اسلام ص ۲۱۲ مولوی محمد مظہر الدین ، مکتبہ جماعت اسلامی پنجاب

۳۔ ایضاً ” ص ۲۰۲

کے لئے ماحول مہیا کرتی ہے۔ دوسری طرف اپنے قانونی نظام سے افراد کے ارادوں کی تربیت کرتی، اس طرح سے وہ انسانی شخصیت کی تکمیل کرتی ہے۔

ریاست کا تدریجی ارتقاء<sup>۱</sup>۔ تاریخ انسانی کا پہلا دور قدیم ہجری دور کہلاتا ہے

اس میں انسان کو کوئی ترقی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ اُس وقت صرف انسان شکار کرنا

جانتا تھا ان کی زندگی کا مقصد برقرار رکھنا تھا اسکے بعد جدید ہجری دور شروع ہوا

جو تقریباً "پانچ ہزار سال کی مدت محیط ہے۔" اس دور میں انسان ارتقاء کی منزلیں

طے کرنے لگا اور گلہ بانی، کاشتکاری اور ہتھیار سازی سیکھ لی پھر کپڑے اور برتن بنانے

لگا اور مکانون میں رہنا سیکھ گیا اور اس طرح انسانی تہذیب کی بنیاد رکھی گئی۔<sup>۲</sup>

اس زمانے میں کوئی سیاسی تنظیم نہ تھی۔<sup>۳</sup>

انسانی ترقی کے بے شمار منزلیں طے کرنے کے بعد ایک منظم مملکت کا آغاز خاندان کی

تشکیل سے ہوا۔ خاندان کی نوعیت ابوی تھی یعنی باپ خاندان کا سردار ہوتا تھا

اس کا حکم قانون تھا گھرانے کی ضروریات کا ضامن اور اس چھوٹے سے سماج کی فلاح کا

ذمہ دار ہوتا تھا۔ پھر وہ دور آیا کہ سلطنت اس کی ہے جو قاهر و جابر ہو کیونکہ

اس زمانے میں جسکی لاشی اسکی بھینس پر عمل کیا جاتا تھا یعنی جو طاقتور ہوتا

اسکی حکومت ہوتی۔ بااقتدار قبیلہ اپنی من مانی کرتا اس طرح غریب طبقہ کے استہصال

۱۔ تاریخ جمہوریت ص ۴۹، شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان۔ ۱۹۵۷ء

۲۔ ایضاً ص ۴۹، ۳۔ ایضاً ص ۵۰

۴۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۷۲، مولانا حامد الانصاری غازی ۱۹۴۳ء رفیق ندوت المصنفین دہلی

۵۔ ایضاً ص ۵۰۔ ۶۔ ایضاً ص ۷۳

۷۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۷۳، مولانا حامد الانصاری غازی۔ رفیق ندوت المصنفین دہلی

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

کا دور شروع ہوا اب ہر شخص ان کی خودسری کو کوارا کرتا تھا اس لئے کہ اس کی پیشانی کی گرہ اوراق حکومت پر شکن بن جاتی تھی ۔

اسی عہد میں غلامی کا آغاز ہوا ۔ جنگ کے بعد جو علاقہ جسکے قبضہ میں چلا جاتا اسکے افراد کو غلام بنالیا جاتا پھر ان سے محنت و مشقت کے کام لئے جاتے جسکا ان کو کوئی معاوضہ نہ ملتا ۔ اس طرح آقاؤں کو غلامی کا طریقہ بہت مفید اور کارآمد معلوم ہوا اور غلامی روز بروز ترقی کرتی گئی ۔

ریاست کے اس تدریجی ارتقاء کے بعد بھی یہ بتانا مشکل ہے کہ کون سی قوم نے سب سے پہلے حکومت قائم کی اور سلطنت کی تنظیم کا فرض انجام دیا ۔ برعکس اسکے انسانی علم الہامی قانون کی مدد سے صرف ایک دعویٰ کرسکتا ہے اور وہ یہ کہ سب سے پہلی سلطنت کا ظہور ” بیبلنی ریافتی تنظیم “ کی صورت میں ہوا ۔ خدا کی ہستی سب سے برتر و بالا ہے اس کے خلفاء کے ذریعہ سے سیاسی تنظیم کا آغاز ہوا ۔ تاریخی زمانوں سے قبل ربانی سلطنتیں قائم ہوچکی تھیں ۔ بلنچلی نے بھی اس صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ۔

” ہمارا تالیخی علم جس زمانے تک پہنچتا ہے اس سے بہت پہلے ابتدائی سلطنتوں کا قیام ہوچکا تھا تاریخ کا احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا جب تک زمین پر بہت سی سلطنتیں قائم نہ ہوچکیں ۔“<sup>۲</sup>

کچھ عرصہ بعد قدیم مصر، بابل، فارس، چین، ہند اور عجم میں عظیم الشان ریاستیں قائم ہوئیں انکی زیادہ تر آبادی کا پیشہ زراعت تھا ۔ مصر میں سب سے پہلے منتشر آبادیوں اور قبیلوں نے سلطنت کی شک اختیار کی اور ” ۴۰۰ ق م میں وادی نیل پر ایک موروثی بادشاہ کی حکومت قائم ہوگئی “<sup>۳</sup> ۔ اسکے حکمران خدائی کے دعویدار تھے

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۷۴، مولانا حامد الانصاری غازی ۔ رفیق ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۱ء

۲۔ نظریہ سلطنت ص ۳۰۸، جے۔ کے بلنچلی

۳۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۶۲ شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامین ۱۹۵۷ء

اس مملکت پر عرصہ تک مختلف خاندان حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ ۳۰ ق م میں رومیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ انسانی تہذیب کا دوسرا گہوارہ دجلہ اور بحر روم کا درمیانی علاقہ تھا۔ جہاں سمیریوں نے ۵۰۰۰ اور ۴۰۰۰ ق م کے درمیان اپنے شہر آباد کئے جو بعد میں طاقتور سلطنت بن گئے<sup>۱</sup>۔ ان سلطنتوں کو شام و فلسطین میں اپنے رہنے والے سامی حملہ آوروں نے فتح کر لیا۔

" بابل کے حکمران حمورابی نے ایک عظیم آمرانہ حکومت قائم کف جو شام اور اناطولیہ تک پھیلی ہوئی تھی"<sup>۲</sup> اس شہنشاہ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک قوانین کے مجموعہ مدون کیا جسکی وجہ سے عدل و انصاف کے اجراء نے منظم شک اختیار کر لی۔

" ۵۵۰ ق م میں ایرانی سلطنت ایک وسیع شہنشاہیت بن گئی اسکے فرمانرواؤں کو دنیوی اور مذہبی دونوں قسم کے اقتدار حاصل تھے"<sup>۴</sup>

اسی زمانے میں قدیم ہندو سیاسی فکر کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ انکے یہاں سیاسی فلسفہ کو؟ کافی اہمیت حاصل تھی۔ یہ ایک علیحدہ علم سمجھا جاتا تھا۔ ہندو سیاسی مفکرین کا خیال تھا کہ انسان فطرتاً خود غرض واقع ہوا ہے جو اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کا نقصان چاہتا ہے اور ہر طاقتور کمزور کو دبانے کف فکر میں رہتا ہے جسکی بدولت ایک قسم کف بے چینی پھیلی ہوئی تھی اسکو دور کرنے کے لئے ایسی طاقت کی ضرورت محسوس ہوئی جسکے ذریعہ اس بے چینی پر قابو پایا جاسکے۔ اسلئے مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے انسانی خود غرضی کا حاتمہ کیا۔ ہندو مفکرین کا خیال ہے کہ سارا سیاسی اقتدار حکمران کے ہاتھ میں ہوتا ہے حکمران کا یہ کام تھا کہ وہ اپنے معاملات میں عقلمند لوگوں سے مشورہ کرے تاکہ کسی قسم کف زیادتی نہ ہونے پائے۔

۱۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۲ شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامین ۱۹۵۷ء

۲۔ ایضاً ص ۱۲

۳۔ اسلام کا نظام امن ص ۳۰، محمد ظفر الدین مفتاحی ص ۶۴، مفتاح العلوم اعظم گڑھ ۱۳۸۵ھ /

۱۹۶۶ء

۴۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۶۳، شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامین ۱۹۵۷ء

ہندو سیاسی نظریہ مطلق العنان حکومت کے خلاف تھا اور دستوی بادشاہت کے

نظریہ کا حامی تھا۔ بہت سے مفکرین نے جمہوری نظام کو بھی سراہا ہے تاکہ شہری آزادی کی زندگی بسر کرسکیں۔ ان کا خیال تھا کہ عوام اسی وقت بہتر زندگی گزار سکتے ہیں جبکہ انکے حقوق و فرائض کا خیال کیا جائے۔

قدیم چینی سیاسی مفکروں کے خیالات ہندو سیاسی فکر سے قریب ہیں اس زمانے میں چین دوسرے ممالک سے بالکل الگ تھلک رہا سارے ملک نے کبھی بھی کسی کا تسلط قبول نہیں کیا۔ اس وجہ سے وہاں کے لوگوں کو ذہنی آزادی اور مقامی خود اختیاری ہمیشہ حاصل رہی قدیم چین کے مالکوں کو دیوتا کی پرستش کا بہت خیال تھا۔ ان کا خاص مذہب اجداد کی فرمانبرداری کرنا تھا۔ ان کے نزدیک انسان خود غور واقع ہوا ہے اس کی بے راہ روی کو روکنے کیلئے قانون کی بندش ضروری سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے مساوات پر بھی زور دیا ہے۔ اور کہا ہے قاہرانہ حکومت کے بائے جمہوری حکومت قائم ہو۔ عوام کے حق کی حفاظت کرسکے اچھے اور نیت شہریوں کا فرض ہے کہ وہ جابر اور ظالم بادشاہ کی بجائے عادل شخص کو حکمرانی پر آمادہ کرے اس طرح سے چینی مفکر دستوری بادشاہت کے حامی تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ بادشاہ اگر مطلق ہو بلکہ عوام کی بھلائی کو ہر چیز سے مقدم سمجھے ان کے سیاسی فلسفہ میں بادشاہ کے ظلم و ستم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ عرب مشرق کے دور عروج یہ تمام سلطنتیں مطلق العنان تھیں جن کے فرمانرواؤں نے پورے اختیارات اپنی ذات میں مرکوز کرلئے تھے ان میں ہند و چین کی سلطنتوں میں کچھ عناصر عوام کی بھلائی کیلئے کارفرما نظر آتے ہیں اسوجہ سے ان کو مطلق العنان کے بجائے جمہوری دور حکومت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد قدیم یونان کی چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم ہوئیں جنہوں نے

جمہوری نظام حکومت اور جمہوری تفکر کی ترقی میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔ یونانی

مملکتیں یونان، اطالیہ، شمالی افریقہ، سسلی اور ایشیائے کوچک میں پھیلی ہوئی تھیں۔

ان کی تعداد سینکڑوں کے قریب تھی سیاسی اعتبار سے یہ خود مختار تھیں۔

یونان میں بڑے بڑے سیاسی مفکر پیدا ہوئے جنہوں نے ان کا فکری نظریہ یہ تھا کہ

انسان اچھی زندگی اسی وقت بسر کرسکتا ہے جب وہ منظم سماج میں رہے۔ ان کا یہ

کہنا تھا کہ سلطنت چونکہ این اخلاقی نظام ہے اس لئے اس کے ذریعہ حکومت انسان کی

تعمیر ہوتی ہے اور اخلاقی قدریں استوار ہوتی ہیں۔ افلاطون نے جو یونان قدیم کا

بڑا سیاسی مفکر گزرا ہے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

” سب سے بہتر سلطنت وہ ہے جو اپنی عضو بندی میں سب سے زیادہ

انسانی حالت کے قریب پہنچ سکے جسم کے اگر ایٹ حصہ پر کوئی

آفت آتی ہے تو تمام جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور سارا جسم

اس تکلیف رسیدہ عضو سے ہمدردی کرتا ہے۔“<sup>۱</sup>

ارسطو کا خیال ہے۔

” لہذا انسان فطرتاً این سیاسی حیوان ہے اور سلطنت فطرت انسانی کی

پیدا ہوئی چیز ہے سلطنت محرم بقائے زندگی کے لئے وجود میں آئی

ہے مگر اس کا قیام یا استمرار بہتر زندگی کیلئے ہوتا ہے۔“<sup>۲</sup>

بلنچلی کے الفاظ یہ ہیں

” قدیم زمانے کا تمام سلطنتوں کی طرح یونانی سلطنت بھی ہمہ گیر

طاقت میں نفع سمجھی جاتی تھی اسلئے اسے فی الواقع زائد از

ضرورت طاقت حاصل تھی سلطنت ہی سب کچھ تھی کسی شہری کی

کوئی ہستی نہ تھی بجز اس کے کہ وہ سلطنت کا ایڈ رکن تھا اس

کی ہستی بتمام سلطنت پر موقوف اور اس کی تابع تھی۔“<sup>۳</sup>

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۷۵، مولانا حامد الانصاری غازی، رفیق ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء

۲۔ جمہوریت، ص ۲۵، افلاطون۔ ۳۔ ریاست یا تحقیق عدل ص ۷۰، مترجم ڈاکٹر ذاکر حسین دیہی

۴۔ نظریہ سلطنت ص ۳۸، جے۔ کے بلنچلی۔

یونانی سلطنتوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صحیح معنوں میں سلطنت کی تخلیق یونان میں ہوئی<sup>۱</sup>۔ یونانیوں نے کوئی بڑی ریاست قائم نہیں کی بلکہ منتشر سیاسی اداروں کی حیثیت سے اپنا کام کیا<sup>۲</sup>۔

یونان قدیم میں پہلا دور ملوکیت کا تھا اور بادشاہت کی ابتدا ابوی اقتدار سے ہوئی۔ یہ بادشاہت پھر مطلق العنان اور موروثی ہوگئی۔ ملوکیت عروج پر پہنچنے کے بعد زوال پذیر ہوگئی اس کی اعیانیت نے لے لی اس میں امراء کو فروغ ہونے لگا یہ بادشاہت کے زمانہ میں بھی طاقتور تھے اس کے بعد اس کی جگہ عدیدیت نے لے لی۔ یہ اعیانیت کی بگڑی ہوئی شکل تھی اس نظام میں صرف چند مقتدر امراء حکومت کرتے تھے اور ان کی حکومت مفاد عامہ کے بجائے ذاتی مفاد پر زور دیتی تھی اس حکومت میں غریبوں پر برا ظلم و تشدد ہوتا تھا جس سے تنگ آکر وہ ترک وطن تک آمادہ ہو جاتے اس زمانے میں معاشی اور سیاسی حالت بہت نازک ہوگئی تھی ان حالات پر قابو پانے کیلئے کچھ رہنما حکومت پر قبضہ کرکے مطلق العنان حکمران بن گئے یہ لوگ جابر کہے جانے لگے کیونکہ ان کی حکومت جبر و تشدد پر مبنی تھی۔

بادشاہ اور امراء کے علاوہ یونانی قدیم کا ایک اہم جزو عوام تھے جن کا اقتدار میں کوئی حصہ نہ تھا بادشاہت کے بعد مجسٹریٹ برسر اقتدار لائے گئے اس کے بعد یونانی ریاستوں کا دور شروع ہوا جو جمہوری تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر شہری کو اس بات کی آزادی حاصل ہونا چاہئے کہ وہ حکومت کے ہر عہدہ پر تقرر کا حق رکھتا ہو ہر شخص خواہ وہ امیر ہو یا غریب حقوق کے اعتبار سے مساوی ہے۔ اس گفتگو سے کہ یونان میں ریاست کے تصور نے ارتقاء کے بہت سے مدارج طے کئے۔ اس کے بعد

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۷۵، مولانا حامد الانصاری، غازی، ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء

۲۔ ایضاً

۳۔ ملوکیت المیانیت، ابدیت، جابریت، جمہوریت کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اسلام کا جمہوری نظام ص ۷۱ - ۶۶، شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان، ۱۹۵۷ء -



روم میں اس کا ارتقا کس طرح ہوا اس پر بھی ایک اجمالی نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ تاریخی تسلسل قائم رہ سکے۔

یونان کے زوال کے بعد روما کو عروج حاصل ہوا۔ تاریخ کا دعویٰ ہے کہ رومیوں کی سلطنت ابتدا ہی سے ایک عام قانونی تنظیم تھی اور وہ بنی بنائی حکومتوں کی توسیع تھی۔ جس کا مقصد عالمگیر سلطنت کا نظام قائم کرنا تھا۔<sup>۱</sup>

رومیوں کو حکومت کا غیر معمولی سلیقہ تھا۔ اور انہوں نے اپنے نظام کو بڑی ترقی

دی۔ ان کے یہاں سیاسی مساوات سے زیادہ قانونی مساوات پر زور دیا جاتا تھا۔

اسی وجہ سے انہوں نے قانون کی تدوین کی اور یہ ان کا بہت برا کارنامہ خیال کیا

جاتا ہے اسی زمانے میں عیسائیت کا ظہور ہوا جس نے محبت و اخوت کی تعلیم دی۔<sup>۲</sup>

لیکن اس کا مقصد روحانی نجات تک محدود تھا۔ حکومت کے سارے کام حکمران کے سپرد

کودھے۔ حکومت کی اخلاقی بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے بہت جلد زوال کی نظر ہو گئی۔

چھٹی صدی میں اسلام نے ایک نظریہ<sup>۳</sup> حکمرانی پیش کی جو تمام نقائص جو ان

ریاستوں کا طرہ<sup>۴</sup> امتیاز تھے، سے پاک تھا۔ نہ یہاں انتہا پسند جمہوریت تھی نہ

مطلق العنان شہنشاہیت۔ اسلامی تصور نے انسان کا انسان پر اقتدار ختم کر کے معاشرے

کو حریت و مساوات کے سانچے میں ڈھالا اور ایک اسکی تنظیم کو ایک دستور اساسی کا

پابند کر دیا۔ نظام حکومت دستوری اور جمہوری قرار پایا۔ شہریوں کے حقوق و فرائض

متعین کئے گئے۔ ان کی فلاح پر زور دیا۔ قدیم ریاستوں میں فلاح کا کوئی تصور

نہ تھا جو بڑے بڑے حکمرانوں تھے وہ اپنے مفاد کے لئے غریبوں کا نقصان کر کے چلے

آ رہے تھے خواہ وہ مصر ہو یا ایران۔ چین ہو ہندوستان۔ یونان یا روم ہر جگہ

مطلق العنان حکومت قائم تھی۔ جس میں عوامی فلاح کا کوئی تصور نہ تھا۔ ہند اور چین

۱۔ اسلام کا نظام حکومت۔ ص ۷۶، مولانا حامد اللہ انصاری، غازی، رفیق ندوت المصنفین دہلی،

۲۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۳۶، شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء  
پاکستان ۱۹۵۷ء۔

حکومتوں نے جمہوریت کے آثار پائے جاتے تھے۔ لیکن وہ بھ نقائص سے پاک نہ تھے۔ لیکن اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ اس نے شہریوں کی فلاح پر زور دیا ایسا قانون نافذ کیا جس میں ہر شہری کو مساوی حقوق حاصل ہوں اور کسی کو کسی پر برتری حاصل نہ ہو۔ اسلامی حکومت ایک اعلیٰ خدائی تنظیم تھی اسکو عہد قدیم کی حکومتوں پر اس طرح فوقیت حاصل ہے جس طرح ”سونے کو لوہے پر، سورج کو ستاروں پر اور خدا کو اپنی دنیا پر“۔

ریاست کو قدیم ترین شکل آبائی معاشرہ سے شروع ہوتی ہے جسکا سردار باپ ہوتا تھا لیکن اسلام کی رو سے حضرت آدم اور ابراہیم اپنے زمانہ کی سیاسی تنظیمات کے سردار بھی تھے اور باپ بھی۔<sup>۲</sup>

اس کے بعد مصر، چین، شام، ہندوستان، فارس، یونان، روم وغیرہ میں سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ”مصر قدیم میں حکومت کے تین طبقے ہوئے۔ چین میں مذہبی پیشوا قوہی نے ۳۵۰۰ ق م میں پہلی حکومت قائم کی۔ ہندوستان میں مختلف حکومتیں قائم ہوئیں۔ فارس میں مطلق العنان شہنشاہیت کے چار طبقے پیدا ہوئے۔ یونان دنیائے قدیم کا سیاسی منبع رہا۔ یہیں سے علم سیاسیات کی ابتداء ہوئی“<sup>۳</sup>

تمام مفکرین نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنایا۔ رومی حکومت کو بھی کافی اہمیت حاصل تھی۔ موجودہ زمانے کے ماہرین سیاسیات اپنی حکومتوں کا سلسلہ روم سے ملاتے ہیں۔

اس کے برخلاف اسلام کی حکومت قانون الہی کی پابند ہے اس نے ظالم و جابر شہنشاہیت کا خاتمہ کرکے حکومت راشدہ کا نمونہ پیش کیا۔ یونانی حکومت نسلوں کی تقسیم سے مرکب ہے لیکن اسلام نسلو امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسکو ارتقائے انسانی کے

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۵۵۲، مولانا حامد الانصاری غازی۔ رفیق ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء

۲۔ ایضاً ص ۵۵۲۔

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے اسلام کا نظام حکومت ص ۵۵۳ سے ص ۵۶۲ تک۔ مولانا حامد الانصاری غازی۔ ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء

لئے سدرہ تصور کرتا ہے ۔ اسلامی حکومت ایک صاف ستھرے آئینہ کی مانند ہے جس میں  
انسانی سماج کے وہ خط و خال جو اخلاقی بنیادوں پر قانون الہی کی روشنی میں  
مزین کئے گئے ہیں نظر آتے ہیں ۔

آنحضرت کی بعثت سے قبل عرب کی سیاسی، معاشی، تمدنی، مذہبی

### اور اخلاقی حالت

بعثت نبوی سے پہلے دنیا ظلم و ضلالت میں غرق تھی۔ روئے زمین پر انسانوں کی بستی آباد تھی لیکن نوع انسان، نوع انسان کا شکاری تھا۔ انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ عصمت اور عزت نفس کا کوئی تصور نہ تھا۔ پیغمبروں کی شریعتوں کو بالکل بھلا دیا گیا تھا۔ انسانوں نے اللہ الٰہ ٹولیاں بنالی تھیں اور ان ٹولیوں کا الٰہ الٰہ خدا ہوتا۔

### عرب کی سیاسی حالت

سیاسی اعتبار سے اگر عرب کی حالت کا جائزہ لیا جائے تو عرب میں کوئی ایسی تنظیم حکومت نہ تھی جیسی آجکل ہوتی ہے۔<sup>۱</sup> عرب مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے جن کا اطلاق افراد انسانی کے اس مجموعہ پر ہوتا ہے تھا جو ایک خاص خطہ میں سکونت پذیر ہوں اور وہ ایک ایسا نظام حکومت رکھتا ہو جس پر شیخ القبیلہ<sup>۲</sup> ہو۔ قبیلہ کے تمام افراد مفاد عام کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ لیکن چونکہ وہاں نہ کوئی عدالت تھی جو مقدمات کا فیصلہ کرسکے نہ پولیس کا انتظام تھا جسکی وجہ سے قبیلہ میں امن و امان قائم رکھا جاسکے نہ فوجی انتظام تھا جو بیرونی حملوں کا مقابلہ کرسکے ان پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جاسکتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی حقیقی حکومت کا وجود ہی نہ تھا، کوئی ایسی قوت ہی نہ تھی جو سماجی نظم و نسق کو برقرار رکھ سکتی۔ لوگ آزادانہ ایک دوسرے کا مال لوٹ لیا کرتے تھے وہاں صرف طاقت کی کارفرمائی تھی۔ طاقتور کمزور کے مال پر قبضہ کرلیا کرتا تھا۔ مختلف النوع جرائم کی اسقدر کثرت

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۱۸۸ مولوی محمد علیم اللہ صدیقی ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۷۸ھ/

۲۔ سیاست شرعیہ ص ۴۰، مولانا رئیس احمد جعفری ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۸ء

تھی کہ لوگ اس سے عاجز تھے۔ آزادانہ اپنے دوسرے کو قتل کرتے اور کوئی باز پرس

نہ ہوتی تھی۔ بلکہ مظلوم اپنا انتقام خود لے لیا کرتا تھا اور قبیلہ اسکی پشت

پنہائی کرتا تھا۔ لیکن کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار سے خاندانی دشمنی کے باعث

انتقام لیتا تھا تو ایسی صورت میں قبیلہ کے سردار کو دخل اندازی کرنے کا حق نہ تھا

قبیلہ کی حکومت جمہوری تھی ہر قبیلہ کا سردار حکومت کے فرائض انجام دیتا تھا

نیز قبائلی اور اس قبیلہ کے عام اجتماع میں طے پاتے تھے۔ اہل قبیلہ کو موثر اقتدار

حاصل تھا قبیلہ کے آزاد افراد سردار کو منتخب کرتے تھے انکی رضامندی کے بغیر کوئی

معاملہ طے نہیں کیا جاتا تھا بلکہ انکی رائے اور مشورہ ہی سے معاملات طے کئے جاتے

تھے۔ مثلاً "قبیلہ کا انتظام کرنے یا لوگوں سے مصالحت کرنے یا لین دین کے معاملات میں

گفتگو کرنے کیلئے ان لوگوں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی یہ آپس کی گفتگو ایک "پارلیمنٹ"<sup>۱</sup>

کی حیثیت رکھتی تھی جسکو "مجلس شیخ القبیلہ"<sup>۲</sup> کہا جاتا تھا۔ اس میں انہیں مسائل

کے بارے میں گفتگو کی جاتی جس کا تعلق قبیلہ کے نظام سے ہوتا تھا۔ قبیلہ کا قانون

مرتب شکل میں نہ تھا جسکی روشنی میں مختلف قسم کے مسائل کا فیصلہ کیا جاتا بلکہ

اس حکومت کی "بنیادی موروثی روایات پر مبنی تھی" مثلاً "عدا" قاتل کا قتل، جو مرجائے

اس کو جائداد کی تقسیم وغیرہ<sup>۳</sup>

موجودہ نظام مملکت اور عربی نظام مملکت میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے آجکل

مملکت کی بنیاد کسی نہ کسی دستور حکومت پر ہوتی ہے جبکہ عرب کے نظام مملکت کی بنیاد

کسی مرتب دستور پر نہ تھی بلکہ قبیلوں کے سردار اپنے اصول و ضوابط خود کرتے تھے

اور تمام دوسرے اہل قبیلہ اس کی پابندی کیا کرتے تھے۔

۱۔ اسلام کا جمہوری نظام، ص ۵۴، شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامین پاکستان ۱۹۵۷ء

۲۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۱۸۸ مولوی محمد علیم اللہ صدیقی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

۳۔ سیاست شرعیہ ص ۴۰، رئیس احمد جعفری ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان ۱۹۵۸ء

۴۔ ایضاً ص ۴۱

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیاسی اعتبار سے عرب<sup>۱</sup>

قبل از اسلام کی حالت نہایت ابتر تھی ۔

تمدنی حالت ۔

پورے جزیرہ العرب میں تمدنی حالت یکساں نہ تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ پورا خطہ عرب تمدن نہ تھا صرف یمن کا علاقہ تمدن کے اعتبار سے ترقی یافتہ تھا اور اسکی تمدنی برتری دیکھتے ہوئے ہی عرب کے ایک مشہور خاندانی " قحطانی " نے اسکو سکونت کے لئے پسند کیا ۔ اور اس ترقی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ " ازمہ متوسطہ میں یونان و روم کے تمدن کا علم عربوں ہی کے ذریعہ سے پھیلا تھا " <sup>۲</sup>

زمانہ قدیم میں بہت سی اقوام نے دنیا پر حکومت کی لیکن ابتداء زمانہ کی نذر ہو گئیں برخلاف اسکے عربوں نے اپنے زمانے میں حکومت کی اور اس کے ختم ہونے کے باوجود " ان کا تمدن ، انکی ترقی کا بڑا حصہ ، انکی زبان ، ان کی صنعت و حرفت اب تک زندہ و سلامت ہے " <sup>۳</sup> اس کے بعد جزیرہ العرب کو بہت سی اقوام نے فتح کیا لیکن تمدن وہی رہا جس کو عربوں نے قائم کیا تھا ۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم و ترمیم نہ رہی ہوئی ۔ سب نے انکی زبان ، ان کا مذہب اور ان کی صنعت و حرفت کو اپنایا ۔

" عرب اپنی صنعت و حرفت کی وجہ سے دوسرے علاقوں سے <sup>۴</sup> ہمیشہ ممتاز رہے اس وجہ سے یہاں کئی سلطنتیں قائم ہوئیں <sup>۵</sup> مثلاً " مہینی ، سبائی ، حضرموتی و فتباتی ؛ نابتی اور کئی خاندانوں نے حکومت کی ۔ سطور بالا میں مشہور خاندان قحطان کا ذکر کیا جا چکا ہے ایران اور شام ترقی کی راہوں پر گامزن تھے لیکن عرب کی معاشی حالت ابتر تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ عرب کی زمین خشک تھی اور بارش کف می چشموں اور نہروں کے فقدان کی وجہ سے زمین زرخیز نہ تھی اسی لئے یہاں کے باشندے خانہ بدوش کی زندگی بسر کرتے تھے ان کی غذا جانوروں کا گوشت اور دودھ تھا ۔ لہذا بھی جانوروں کف کھال سے تیار

۱۔ تاریخ ادبیات عربی ، ص ۱۴ ، سید ابوالفضل ، سبیس کتاب گھر ، حیدرآباد ۱۹۴۵ء

۲۔ تمدن عرب مقدمہ ص ۸۹ مترجم سید علی بلگرامی ، مطبع مقبول اکیڈمی لاہور ۱۳۱۵ھ

۳۔ اضا " ص ۹۰

کرتے تھے۔ چراگاہوں کی تلاش میں سرکردان رہتے تھے جہاں نخلستان دیکھتے وہیں اپنے خیمے نصب کر دیتے اور جب تک انکے جانوروں کو چارہ ملتا اس وقت تک وہ لوگ وہیں قیام کرتے اور اس کے بعد کسی اور جگہ کا رخ کرتے۔ غرضکہ عظیم الشان قلعہ حون اور عمارتوں کے آثار جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا۔

#### معاشی حالت۔

عرب کی معاشی حالت بہت ابتر تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ عرب ایک صحرائے اعظم<sup>۲</sup> تھا۔ بیرونجات کے لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ باشندگان عرب کو اگر کوئی ضرورت ہوتی تو باہر جاتے تھے اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی خاص سامان تجارت بھی نہ تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ خانہ بدوش کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہی ان کی معاشی بد حالی کا سبب تھا۔ کھجور کے علاوہ کوئی اور غذائی پیداوار نہ تھی۔ پھر کبھی کبھی ایسا ہوجاتا کہ بارش کو کمی سے قحط کا سامنا کرنا پڑتا اور یہ عربوں کے لئے سب سے پریشانی کا باعث ہوتا۔ ایسی حالت میں عرب رہزنی پر آمادہ ہوجاتے اور موقع ملتے ہی ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے گویا رہزنی بھی ان کا ایک ذریعہ معاش تھا۔

#### مذہبی حالت۔

عربوں کا مذہب بت پرستی تھا اس کے علاوہ بعض قبائل میں آفتاب اور ستاروں کی پرستش کا بھی عام رواج تھا۔ وہ متعدد خداؤں کو مانتے تھے اور ان کے نام کے بت بنالیتے تھے۔ اگرچہ متعدد دیوتاؤں کی پرستش عام تھی لیکن ایک معبود کا تصور بھی موجود تھا۔ عرب کے باشندے تقریباً "ساڑھے تین سو سال" بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے وہ بتوں کو خدا نہیں بلکہ خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ

۱۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۳۱ لکٹر محمد حمید اللہ، سالم کمپنی دیوبند ۱۹۶۳ء

۲۔ سیرت النبی جلد اول، ص ۱۱۵، سید سلیمان ندوی، معارف اعظم گڑھ ۱۳۳۲ھ

۳۔ تمدن عرب ص ۷۵ مترجم سید علی بلگرامی، ملٹ مقبول اکیڈمی لاہور ۱۳۱۵ھ

۴۔ اسلام کے معاشی نظریے، جلد اول ص ۲۹ محمد یوسف الدین مطبع ابراہیمہ دکن ۱۳۶۹ھ

۱

سمجھتے تھے۔ کعبہ جو عرب کا دینی مرکز تھا اور جس کی تعمیر حضرت ابراہیم نے کی تھی تمام عرب کو نظروں میں متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ اس میں کم از کم تین سو ساٹھ بت موجود تھے جن میں مشہور لات، منات، سیل، عزی اور ہبل تھے<sup>۲</sup> ناس کے علاوہ حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ اور بی بی مریم کی تصاویر بھی خانہ کعبہ کی دیواروں پر منقش تھیں<sup>۳</sup> عرب کے تمام قبائل کعبہ کی تزئین و آرائش کے لئے ہر وقت آمادہ رہتی تھیں یہودیوں کے نزدیک بھی یہ مقام بہت متبرک تھا کعبہ کی حفاظت قبیلہ قریش کے سپرد تھی اور اسی وجہ سے اس قبیلہ کا وقار بہت بلند تھا۔<sup>۴</sup>

ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے بت اسی وقت خوش ہوسکتے ہیں جب زر و جواہر ان کی نذر کئے جائیں۔ چنانچہ جب کوئی بری تقریب ہوتی تو بڑے بڑے دیوتاؤں پر اپنا قیمتی اثاثہ مثلاً "اپنے جانور اور زر و مال بطور نذر چڑھا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب اسلام کا ظہور ہوا اور ان بتوں کو توڑا گیا تو کروڑوں روپیہ کی مالیت کا سلمان ان میں سے برآمد ہوا "خود کعبہ کا مشہور کوان جو آج بھی "زمزم" کے نام سے مشہور ہے اس میں سے دو سونے کے ہرن برآمد ہوئے"<sup>۵</sup> جن پر موتی اور جواہرات آویزان تھے۔

بت پرستی کے علاوہ ہر سال ایک مذہبی تہوار وہ حج مناتے تھے (جس کو حج کہا کرتے تھے) سے لوگ تمام جزیرہ العرب سے لوگ آتے اور طرح طرح کی رسمیں ادا کرتے ناچ گانا ہوتا آگ جلاتے اور اسکی پوجا کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدیم عرب کا مذہب توہم پرستی کے سوا کچھ نہ تھا ظاہر ہے کہ ان عقاید کی اخلاقی اساس ہونے کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔

#### اخلاقی حالت۔

اگر قدیم عرب کی اخلاقی حالت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے

۱۔ تمدن عرب ص ۷۵ مترجم سید علی بلگرامی۔ مالک مقبول اکیڈمی لاہور ۱۳۵۵ھ

۲۔ رسوں اکرم کی سیاسی زندگی ص ۳۲ داکٹر محمد حمید اللہ سالم کمپنی دیوبند ۱۹۶۴ء

۳۔ تمدن عرب ص ۷۵ سید علی بلگرامی، مالک مقبول اکیڈمی ۱۳۱۵ھ

۴۔ ایضاً ص ۱۷۵

۵۔ اسلام کے معاشی نظریے، جلد اول ص ۲۹، محمد مصطفی الدین، ابراہیم دکن، ۱۳۶۹ھ



کہ وہ پستی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ شراب خوری اور قمار بازی عام تھی، سود خوری معیوب نہ تھی جو لوگ دولت مند ہوتے وہ ضرورت مند لوگوں کو سود پر روپیہ دیدیا کرتے اور وقت پر ادا نہ ہونے کی وجہ سے رقم میں اضافہ ہوتا رہتا۔ جس کی وجہ سے غریب طبقہ کی معاشی حالت نہایت ابتر تھی۔ رشوت کا بازار گرم تھا اور فیصلہ اسی کے حق میں ہوتا تھا جو رشوت دیتا۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ازدواجی رشتہ کی قید نہ تھی، بدکاری حد سے زیادہ تجاوز کرچکی تھی۔ کئی کئی شادیا کرنے کا رواج عام تھا بے شرمی و بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ لوگ سرراہ برہنہ ہوکر نہاتے تھے بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ حج کے موقعہ پر لاکھوں آدمیوں کے سامنے قریش کے مرد اور عورت برہنہ ہوکر طواف کرتے تھے<sup>۱</sup> اور بہ آواز بلند کہتے تھے کہ اے خدا ہم تیرے سامنے اسی طرح حاضر ہیں جیسے تونے ہمیں پیدا کیا تھا۔ تکبر کردار کا جزو تھا۔ انتقام کی آگ ہر وقت انکے سینوں میں بھرتی رہتی تھی۔ دختر کشی کی روایت نے ایہ محکم رسم کی شکی اختیار کرلی تھی۔ لڑکی کا ہونا باعث نک و عار سمجھا جا<sup>۲</sup> تھا۔ یہ برا فعل انجام دیتے۔ لیکن اس مکروہ رسم کا مرتکب پورا عرب نہ تھا بلکہ کچھ قبیلے ایسے تھے جن کے یہاں یہ رسم جارے تھی مثلاً "بنو تمیم اور بنو اسد" کا قبیلہ<sup>۳</sup> اخلاقی اعتبار سے پورا عرب اس بحران میں مبتلا تھا ایسی بحرانی حالت میں خدا تعالیٰ نے اپنے ای نیک بندے کو انکو رہنمائی کے لئے مبعوث کیا یہ آفتاب عرب کے مرکزی شہر مکہ میں طلوع ہوا اور اس کی روشنی نے سر زمین عرب کو اپنے نور سے منور و معمور کر دیا۔ اسلام نے عربوں کے مختلف طبقوں اور مختلف فرقوں کے افراد میں مساوات پیدا کی۔ اسلام نے آقا و علام، امیر و عریب، شاہ و گدا کے امتیازات باطل اور عربوں کی منتشر قوت کو ایک ایسی "مستحکم عمارت کی شکل میں مجتمع کر دیا جو اینٹوں کے باہمی سہارے پر

۱۔ تاریخ اخلاقی اسلامی حصہ اول ص ۱۳ عبدالسلام ندوی، معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۳ء

۲۔ اسلام کے معاشی نظریے جلد اول ص ۶۱ محمد یوسف الدین۔ تباہیمہ حیدرآباد دکن

۱۹۵۰ء/۱۳۶۹ھ

۳۔ تاریخ ادبیات عربی ص ۶، سید ابوالفضل، سب رس کتاب گھر حیدرآباد دکن ۱۹۶۵ء

قائم ہوتی ہے ۔

الانسان

عربوں کی شیرازہ بندی میں اسلامی مساوات، جمہوری تصور نے بُرا سہارا دیا ۔  
جمہوریت نے قبائل امتیازات کو کلیتہً ختم کر دیا ۔ قرآن حکیم میں اس طرف واضح  
اشارہ مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے ۔

يا ايها الناس انا خلقكم من ذكر و انثى و جعلنكم شعوبا و قبائل  
لعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقكم ۔

( ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا خاندان اور  
قبیلے محض امتیاز کے لئے بنادیئے ورنہ خدا کے نزدیک سب سے  
زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہے )

آپ کو بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت،  
نیا ایمان، نیا اتفاق، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا ۔ آپ کی بعثت نے زندگی کے نئے  
باب کا آغاز کیا ۔

وہ انسانی قوانین جو ساری دنیا میں نافذ تھے اور جنکی بدولت انسان ایک دوسرے سے  
برسرکار چلے جاتے تھے اسلامی قوانین الہی کے سامنے سرنگون ہو گئے  
اسلام نے تمام آسمانی صحیفوں اور تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی دعوت دی ۔  
انسان جو اپنی حقیقت کو بھلا بیٹھا تھا خیر و شر کا امتیاز باقی نہ تھا ،  
خود تراشیدہ معبودوں کی پرستش کر رہا تھا وہ اس حد تک پستی کے غار میں گر چکا تھا  
کہ کیڑے مکوڑے پتھر اور بے جان چیونٹوں کے آگے سر جھکانا قابل فخر سمجھتا تھا ۔ اسلام  
نے اس کو للکارا اور اسکا بھولا ہوا مقام یاد دلایا ۔ اور اے دنیوی زندگی کے لئے  
قانون الہی کی شمع روشن کی جس سے صراط مستقیم بھٹکی ہوئی انسانیت کو واضح طور

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۱۸۹ مولوی محمد علیم اللہ صدیقی نفع المصنفین دہلی ۱۳۷۸ھ

۱۹۵۸ء

۲۔ سورہ حجرات ع ۲

۳۔ اسلام کا نظام امن ص ۳۶ محمد ظہیر الدین مفتاحی، مفتاحی العلوم اعظم گڑھ ۱۳۸۵ھ

۱۹۶۶ء

پر نظر آنے لگی ۔

سیاسی تنظیم عہد رسالت میں ۔

رسول اکرم کد حیات اقدس پر جتنا غور و خور کیا جائے آپکی مقدس شخصیت کے تمام تابناک پہلو سامنے آتے ہیں ۔ قدیم زمانے میں مختلف حکومتوں پر مختلف بادشاہوں نے بڑی ثلث و شوکت سے حکومت کی لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسانی سوسائٹی ان حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی تھی اے ایسے وقت " حضور رسول اللہ اور خلفہ اللہ کے پاکیزہ خطابات سے سرفراز ہوکر نازل ہوئے " آپ کے ظہور کے بعد دنیا کھلی تاریکی سے روشنی میں تبدیل ہوگئی ۔ زندگی میں انصاف اور سچائی نام کی کوئی قدر نہ تھی انسانوں کے دس خوف خدا کے تصور سے خالی تھے اس وقت خدا کے قانون کا مجموعہ ، سیاست و حکومت کا بے نظیر دستور قرآنی شکل میں برباد انسانیت کے لئے نازل ہوا ۔ اور جتنے بھی پرانے نظام تھے وہ باطل ہوگئے اور اسلام کا نظام قائم ہوا ، اور اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی ۔

حضور کی مبارک زندگی پر نظر دالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ " آپ کی پیغمبرانہ زندگی میں عالمگیر حکومت، ذمہ داری اور قوموں کی امامت کا احساس جوہر کی طرح موجود تھا آپ نے سب سے پہلے رب العالمین پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودان باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاغوت ( خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے ) کی نافرمانی کی ۔ آپ نے ایک مثالی حکومت کے حصول کی کامیاب کوشش فرمائی<sup>۳</sup> آپ کے پیش نظر پوری انسانیت تھی جس میں ایک ذات واحد بصورت کثرت جلوہ گر تھی ۔<sup>۴</sup> آپ کا خطاب ، آپ کا پیغام ، آپ کا مقصد پوری نسل انسانی کے لئے شمع ہدایت تھا ۔

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۱۸۸ مولانا حامد الانصاری غازی، رفیق ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ

۲۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۱۰۱، سید ابوالحسن علی ندوی ندوہ

العلماء لکھنؤ

۳۔ اسلام کا نظریہ حیات ص ۲۸۹، داکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۴۔ ایضاً ص ۲۹۰

آپ نے جب اپنے مقصد کو عملی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا تو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان رکاوٹوں کی بناء پر اسکی ابتداء<sup>۱</sup> "اید خفیہ انجمن" کی شکل میں ہوئی۔ ابتداء گھر سے شروع ہوئی پھر یہ آواز شہر میں گونجی اسکے بعد عرب اور عرب کے بعد ساری دنیا پیغام محمدؐ سے گونج اٹھی۔

آپ نے دس سال کے تھوڑے عرصہ میں جزیرہ نمائے عرب کے مزاج میں جہان خود سر، خانہ بدوش قبائل خانہ جنگی میں مصروف رہتے اور بعض دفعہ یہ جنگیں کئی پشتوں تک جاری رہتیں ایک بڑی مستحکم اور بیدار مملکت قائم کردی<sup>۲</sup> اور اسکو جمہوریت کی بقا عطا فرما کر عوام کے دلوں میں نہ صرف خود اعتمادی پیدا کردی بلکہ ایک نظام کو نافذ کرنے کی صلاحیت پیدا کردی۔ اس عرصہ میں آپ نے عراق، ایران، فلسطین، شام، مصر، طرابلس، تونس، ترکستان اور آرمینیا کو اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔<sup>۳</sup>

آپ نے انتظامی حلقے قائم کئے اور مدینہ کو دارالسلطنت قرار یا<sup>۴</sup> اس کے لئے جو حاکم مقرر کئے جاتے ان کو یہ ہدایت دی جاتی کہ وہ مفاد عامہ کے لئے کام کریں اور انکی فلاح و بہبود پر نظر رکھیں۔ حکومت کے کام شوری سے طے کئے جائیں اسی وجہ سے آپ نے شوری کو مصالح ملکی کی روح قرار دیا۔

معاشیات کے میدان میں بھی آپ کے کارنامے قابل تعریف ہیں۔ تقسیم ترکہ ترکہ، تجدید وصیت، سود کی ممانعت، زکوٰۃ کا نظام اس کا صرف یہ ایسے اصول تھے جو آپ کی ذات اقدس کے زرین کارنامے ہیں جن سے انسانیت رہتی دنیا تک مستفید ہوتی رہیگی۔ آپ نے مالداروں کی دولت پر ٹیکس عائد کئے انکی دولت حاصل کر کے غریبوں پر خرچ کی ٹیکس عائد کرنے کا اصول یہ تھا کہ دولت امیر طبقہ میں محصور ہو کر نہ رہ جائے بلکہ

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۱۹۴ مولانا حامد الانصاری غازی رفیق ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ/

۲۔ رسول کریم کی سیاسی زندگی ص ۱۲ داکٹر محمد حمید اللہ، سالم کمپنی دیوبند ۱۹۶۳ء

۳۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۱۹۸ مولانا حامد الانصاری غازی، رفیق ندوہ المصنفین دہلی

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء

۵۔ شوری سے مراد ایسی حکومت جس میں عوام کے مشورہ کو اہمیت حاصل تھی

غریب طبقہ بھی اس میں شریک ہو۔ ا۔ کام کے لئے افسر مقرر کئے تاکہ وہ ٹیکس حاصل کر کے حضور بیت المال میں جمع کریں اور ضرورت کے وقت رقم کو ریاست کے شہریوں کی فلاح کے لئے صرف کی جائے۔

سماجی اور اخلاقی حیثیت سے آپ ایسے منفرد معلم الاخلاق تھے جس کا عملی نمونہ خود پیش فرماتے اگر دوسرے کو اس بات کی تعلیم دیتے کہ مساوات قائم رکھو، عورتوں کی عزت کرو، ماں باپ کے حقوق پہچانو، مزدور کو اجرت پسینہ خشت ہونے سے پہلے ادا کر دو، علاموں کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، رشتہ دار، پڑوسی کا حق پہچانو اس پر پہلے خود عمل فرماتے۔

عربوں کی مذہبی حالت اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی ہے آپ نے نہ صرف عرب کو توحید کا پیغام پہنچایا بلکہ دوسرے والیان ریاست کو فرمان لکھے اور ایلا خدا کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔

مختصر یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے لئے آپ نے قانون الہی نہ پیش فرمایا ہو۔ ہجرت کے بعد جب سکون کے ساتھ مقصد تخلیق انسانی کا موقع ملا تو آپ نے "اجتماعی ہیت" پیدا کی اور قانون الہی کی بنیاد پر حکومت قائم ہوئی۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جو جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ عالم میں ابد تک درخشان رہینگے۔

جو انسانیت قصور و لذت میں سست رہی تھی اسکی دکھتی ہوئی رگ کو حضور نے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو ایک نئی زندگی بخشی اور ایلا بہترین فلاحی سوسائٹی منظم کی۔ اور آج بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ "اسلامی حکومت کی بنیاد عہد نبوت میں پڑچکی تھی"۔

۱۔ اسلام کا نظام حکمت، ص ۱۹۹ مولانا حامد الانصاری عازی، رفیق ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ/

۱۹۴۳ء

۲۔ ایضاً " ص ۲۰۰

۳۔ ایضاً " ص ۲۰۰

انسان ایک معاشری اور سیاسی وجود ہے اسکی فلاح و بہبود معاشرہ کی فلاح و بہبود سے وابستہ ہے معاشرہ کی اعلیٰ ترین تنظیم ریاست ہے اسلام کو ایک ریاست قائم کرنی تھی اور علیٰ شکل میں مملکت کے اعلیٰ نوعیت دنیا کے سامنے پیش کئے تھے اسلام نے اپنے نظام فکر کی بنیاد پر ایک مملکت کی بنا ڈالی اور اسکو ایک مثالی مملکت فلاح و خیر کی صورت دی ( ۱ )

اس مملکت کا پورا نظام " الہی اساس " پر قائم ہے ( ۲ )

جسکا مقصد منشاء الہی کے مطابق معاشرہ کی اصلاح احکام الہی کی تعبیل اور قانون الہی کا نفاذ ہے ( ۳ ) اسلامی حکومت کا بنیادی فرض ہے کہ وہ ان مقاصد کی تکمیل کرے جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بندوں کو دئے ہیں - کیونکہ اسلامی مملکت ایک خدا پرست فلاحی مملکت ہے ( ۴ ) اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ انسان کی فلاح و بہبود اور ترقی و نجات پر نظر رکھے اور احکام الہی کے مطابق معاشرہ کی اصلاح اور تنظیم کرے۔

یہ مسلم ریاست جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہم

تک پہنچی اور جو خلفائے راشدین کے ہاتھوں مستحکم ہوئی اس کے چند اساسی اصول ہیں جن پر اس ریاست کی عبارت قائم ہے -

اسلام کی رو سے اقتدار اعلیٰ کسی بادشاہ یا جماعت کو حاصل نہیں اقتدار اعلیٰ خدا کو حاصل ہے - یہ وہ اقتدار ہے جسکے اوپر کوئی اقتدار نہیں

( ۱ ) اسلام کا نظریہ حیات ص ۲۰۸ ڈاکٹر عبدالحمید - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء

( ۲ ) ہیگل مارکس اور نظام اسلام ص ۲۳۵ مولوی محمد مظہر الدین ترجمان القرآن پشہان کوٹ پنجاب

( ۳ ) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۴۳ شاہد حسین رزاق - ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۷ء

( ۴ ) ایضاً - ص ۱۴۴

یہ وہ بالادست طاقت ہے جس سے بالاکوئی طاقت نہیں۔ (۱) یہ وہ اعلیٰ طاقت ہے جس نے مملکت کے بنیادی اصولوں کا حکم دیا اور "قانون سازی کے بنیادی اصول بھی اسی کے عطا کردہ ہیں" (۲)

اگر کسی ریاست میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی جسکا مفہوم فرائض کی انفرادی آزادی تک محدود نہیں ہے بلکہ اخلاقی قدروں کی بالادستی بھی ہے حاصل نہ ہو تو اس صورت میں خدا کی وسیع و عریض زمین میں ہجرت کوئی چاہئے۔ جس طرح سابقہ اسلام کو حبشہ اور بعد ازاں مدینہ اور دیگر مقامات کو ہجرت کا حکم دیا گیا (۳)

مسلمان کا فرض ہے امن و امان قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں سے معاہدات کریں۔ اپنی جان کی حفاظت اور اپنے جائز حقوق کے تحفظ اگر کوئی صورت باقی نہ رہے تو تلوار اٹھانے کی بھی اجازت دی۔ قانون کی نظر میں ہر شخص کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ عورت کے حقوق کی پامالی نہیں کی جائے اور اسکو اپنی جائداد پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں۔

سرمایہ اندوزی کے خلاف آواز اٹھانی جائے۔ سرمایہ پر ٹیکس عائد کئے

جائیں تاکہ دولت ایک وظیفہ میں محصور نہ ہو جائے اور مصیبت زدوں کی امداد کی جاسکے۔ تمام باشندگان ریاست کی فلاح و بہبود اور اعمال کی بنیاد اخلاقی اقدار پر رکھنا مملکت کے اصل مقصد ہے اسلئے اسلامی ریاست ایک خلافت ریاست ہے۔

اس کے علاوہ ان پر جو ٹیکس عائد کیا جائیگا وہ انکی آمدنی پر منحصر ہوگا

انکی استطاعت سے زیادہ عاید نہ کیا جائیگا بلکہ انکے لئے اتنی آسانی ہوگی کہ جو روزی کمانے کے قابل نہ ہونگے ٹیکس سے نہ صرف مستثنیٰ ہوں گے بلکہ انکی مدد "بیت المال"

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۶۶ مولانا ابوالانصاری غازی - رفیق ندوۃ المصنفین دہلی -

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۲) اسلام کا نظریہ حیات ص ۳۱۲ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - ادارہ ثقافت اسلامیہ - پاکستان

۱۹۵۷ء

(۳) ایضاً - ص ۳۱۰

سے کی جائیگی -

تجارت میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہوگی لیکن سودی لین دین جائز

نہ ہوگا - جائیداد کی تقسیم مٹائی قانون وراثت کے مطابق ہوگی -

قانون ساڑی کے لئے مسلمان آزاد ہیں وہ وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے

احکام اسلامی کے مطابق قانون ہڈوں کرسکتے ہیں - اور صرف وہی اشخاص احکام الہی کی

روشنی میں قانون مرتب کرسکتے ہیں جو قانون ساڑی کی ان حدود سے واقف ہیں جو اللہ

تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں -

قرآن میں صاف و صریح الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر دو جماعتوں میں

کھجور پیدا ہو جائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کو ختم کر کے آپس میں صلح و

صفائی کر دے اگر وہ اس پر تیار نہ ہوں تو ایسی صورت میں مظلوم کی حمایت اور ظالم

کو مظلوم کرین - اسلام ظلم و تشدد کو روا نہیں رکھتا وہ امن کا علم بردار ہے اس کا مقصد

ہی یہ ہے کہ ظلم و ستم کا خاتمہ کر دیا جائے اور معاشرہ میں امن و امان برقرار رکھا

جائے اسلامی ریاست کے کچھ بنیادی اصول ہیں جن پر قائم رہ کر اسلامی ریاست یہ دعویٰ

کرسکتی ہے کہ اس کی بنیاد احکام الہی پر قائم ہے -

"فلاحی ریاست کی تشکیل قرآن کی روشنی میں"۔

قرآن لسانی زندگی کی حقیقی اساس ہے - یہ حکومت کا سرچشمہ سلطنت

کا ضابطہ اور اخلاق و تمدن کا اساسی آئین ہے (۱)

(۲)

قرآن کی نظر میں حکومت ریاست کی "روح" ہے اور حکومت کی روح "حکومت"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست اور حکومت میں فرق ہے - ریاست ایک نظام ہے جو اپنے

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۲۴ مولانا حامد الانصاری غازی - رفیق تدوین المصنفین

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

ایضاً

ص ۲۲۵

ایضاً

(۲)



حدود پر حاوی ہے اور حکومت اسکی جان ہے - (۱)

قرآن مجید کے سیاسی نظریات میں اہم ترین نظریہ اقتدار اعلیٰ کا ہے اسلامی زندگی کا ہر ایک پہلو اس محور پر گردش کرتا ہے - اسلام کی خداپرستی اسکی سیاسی نظریات پر حاوی ہے - خدا کا تصور ہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے اعمال و افکار کی تمام شاخیں پہنچتی ہیں (۲) چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے سارا اقتدار خدا کا ہے بھی ذات عقائد و اعمال تدبیر و سیاست دستور و قانون کا سرچشمہ ہے - (۳) نبی حکیمانہ انصاف اور حاکمانہ تشکیلات کا موجد اول ہے (۴)

بھی وہ بالادست ہستی ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا کائنات کی طرح حکومت بھی اللہ کی پیدا کردہ ہیبت ہے - حکومت اسکی فعل کا نام ہے اور حکم اسکی قانون کا جوہر ہے (۵) یہ ایک ایسی حقیقی وحدت ہے جسکی تمام ملکوں کی تقسیمیں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں - اور اسی کے زیر اقتدار تمام چیزیں آجاتی ہیں چنانچہ قرآن مجید نے اسکی لئے نہایت جامع لفظ "ملکومت" استعمال کیا (۶)

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۴۵ مولانا حامد الانصاری غازی - رفیق تدوین المصنفین دہلی

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۲) ہیگ مارکس اور نظام اسلام ص ۲۰۴ مولوی محمد مظہر الدین ترجمان القرآن

(۳) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۱ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

پشمان کوٹ ۱۹۶۱ء

(۴) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۵۴ مولانا حامد الانصاری غازی - رفیق تدوین المصنفین دہلی

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۵) ایضاً ص ۲۵۴

(۶) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۲ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ - ۱۹۶۱ء

جسکا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اللہ ہی کے اقتدار میں ہیں اور وہی ان کا مالک و مختار ہے۔ قرآن مجید میں اقتدارِ اعلیٰ کی اہمیت پر بڑا زور دیا گیا ہے متعدد جگہ اسکا ذکر ملتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات سے اقتدارِ اعلیٰ کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

قُلْ لِّمَنَ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ سَقُولُونَ لِلّٰہِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَرْبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَقُولُونَ لِلّٰہِ قُلْ أَتَلْتَقُونَ قُلْ مَن يَدْعُو بِطٰوْتٍ شَيْءٍ وَّ هُوَ يَهْرُ وَلَا يَجَارِعُ بِهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ - ( ۱ )

ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کسکا ہے۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو وہ کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہو پھر تم غور نہیں کرتے ان سے پوچھو ساتون آسمانوں کا رب اور عرش زمین کا رب کون ہے وہ کہیں گے اللہ کہو پھر تم اس سے ڈرتے۔ ان سے پوچھو وہ کون ہے۔ جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے مگر کوئی اسکے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو۔ ( اس میں لفظ "طٰوْت" استعمال ہوا ہے جس میں طٰو ( بادشاہی ) اور طٰو ( مالکیت دونوں مفہوم شامل ہیں ) ( ۲ )

اِنَّا اَنۡا مَدَرُوۡمًا مِّنۡ اِلٰہِ الْاِلَآہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا الْمَزۡكُورِ الْغَفَّارِ - ( ۳ )

اس پوری آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسکو پورے اختیارات <sup>حاصل ہیں</sup> میں ہیں اس ایک مقبہ کرنے والا ہوں کوئی الہ نہیں ہے بجز اس ایک اللہ کے جو سب پر غالب ہے جو رب ہے آسمان اور زمین کا اور ہر اس چیز کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہے زبردست اور دوگزر کرنے والا ہے۔

( ۱ ) تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۲۹۶ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

ذالک اللہ ربکم لا الہ الا وہ خالق کل شیء فاعصروہ وہو علی کل شیء وکیل -

وہی ایک اللہ تمہارا رب ہے اسکے سوا کوئی الہ نہیں ہر چیز کا خالق

لہذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے - ( ۱ )

حکومت اور اقتدار صرف اللہ کی ذات سے وابستہ ہے -

ان الحکم الا للہ اوالاً تعبدوا الا ایاہ ذالک دین القیم - ولکن اکثر الناس لا یعلمون ہ

حکم سوائے اللہ کے کسی کا اور انہیں اسکا فرمان ہے کہ اسکے سوا کسی

اور کسی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں - ( ۲ )

تمام اختیارات خدا تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں -

یقولون هلثنا من الہ من شیء قل ان الہ کلہ للہ

وہ پوچھتے ہیں اختیارات میں بھی ہمارا کچھ حصہ ہے کہو اختیارات

تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں - ( ۳ )

اللہ تعالیٰ کو مقتدر اعلیٰ قرار دینے کے ساتھ ساتھ قرآن مجیدؐ یہ بھی

ناہت کر دیا کہ اسکی ذات مطلق اور کامل ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں -

ولم یکن لہ شریک فی الطک لا شرک فی کمہ احوا ( ۴ )

سلطنت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں -

الا تعبدوا للہ ولا تشرک بہ شیئاً ولا یخز بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ ( ۵ )

اللہ کے سوا کسی کی ہم بندگی نہ کریں اور خدائی میں کسی کو شریک نہ قرار دیں اور

ہم میں سے کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنالے -

﴿﴾

( ۱ ) سورہ انعام - ۶۲ ع ( ۲ ) یوسف ۲ ع

( ۳ ) آل عمران ۱۶ ع ( ۴ ) الفرقان ۲ ع

( ۵ ) آل عمران ۶ ع

مندرجہ بالا آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کو تمام چیزوں

پر اقتدار حاصل ہے۔ حکم دینے اور قانون نافذ کرنے کا حق خدا کو ہی حاصل ہے  
 "کوئی انسان خواہ وہ نیس ہی کون نہ ہذا خود حکم دینے اور مع کرنے کا حقدار  
 نہیں (۱) چنانچہ حکم اعلیٰ صرف خدا ہے اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے  
 ہیں۔ (۲)

قرآن کی رو سے اقتدار اعلیٰ کی چند خصوصیات یہ ہیں۔ وحدت اقتدار (۳)

حیات ابدی۔ قدرت کا طہ۔ (۴) جلالت (اعلیٰ منزلت عام) یعنی سب سے زیادہ  
 بلند ہوتا (۵)

اسلامی حکومت کا اقتدار اعلیٰ اپنے اقتدار میں قطعی وحدت کا مالک ہے۔ یعنی

اسکی ذات واحد ہے وہ بکتا و بگناہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قصہ اقتدار اعلیٰ کی ہستی غیر

فانی ہے یعنی اسکی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا وہ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

"ایک زندہ اجتماعی نظام کے لئے زندہ اقتدار کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی تکمیل اسلامی

نظام حکومت کا اقتدار اعلیٰ کرتا ہے (۶)

اسکی ایک اور خصوصیت قدرت کا طہ ہے یعنی اسکی مملکت کی کوئی حد نہیں

زمین آسمان چاند تارے یعنی پوری مخلوق پر اسی کا سکے چلتا ہے۔ - قرآن مجید نے اسکا

(۱) اسلامی ریاست ص ۳۵ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ - ۱۹۶۲ء

(۲) ایضاً ص ۳۶

(۳) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۶۸ مولانا حامد الانصاری غازی - رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۴) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۲ پروفیسر رشید احمد ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

(۵) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۶۸ مولانا حامد الانصاری غازی - رفیق ندوۃ المصنفین

دہلی - ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۶) ایضاً ص ۲۴۲

ذکر اسطوح کیا ہے ۔

لہٰذا ملک السموات والارض وال اللہ ترجع الامور ( آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اس

کی ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں ) ( ۱ )

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض والشمس والقمر والنجوم مشخراً ۔

.. ہواللہ الحق والا و ( ۲ ) ( یقیناً تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا

ہے آسمانوں اور زمین کو اور سورج اور چاند تاروں کو سب اسی کے حکم کے تابع ہیں

خبردار خلق بھی اسی کی ہے اور حکومت بھی اسی کی ) ۔

جلالت بھی قرآنی اقتدار اعلیٰ کی ایک نمایان خصوصیت ہے قرآن کی رو سے اللہ

تعالیٰ کی بالادستی مسلم ہے وہ اپنے بندوں پر اپنا پورا پورا غلبہ رکھتا ہے وہ اپنے

بندوں پر غالب ہے ۔ ( ۳ )

ہوالقاهر فوق عباده عالم الغیب واشعاده الکبر المتعال ( پوشیدہ اور ظاہر

سب چیزوں کا جاننے والا بزرگ اور بالاتر رہنے والا ) ( ۴ ) عزت و شہرت عطا کرے

والی بھی بالادست ہستی ہے اگر کسی قوم کو عزت دے تو کوئی ذلیل کرنے والا نہیں

اگر ذلت دے تو کوئی عزت دینے والا نہیں دنیا کا کوئی نظام ایسا نہیں جہاں پر اس

ذات واحد کا حکم نہ چلتا ہو ۔

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کی تخلیق کی اسکی تخلیق میں کسی اور کی مرضی

شامل نہیں ۔ زمین و آسمان پیدا کئے اور " اس زمین کو حضرت انسان کے لئے قیام گاہ

قرار دیا ہے تاکہ وہ ایک قررہ وقت تک اسکی چیزوں سے تنعم حاصل کوسکے ( ۵ ) انسان

( ۱ ) الحديد ۵ ع ( ۲ ) اعراف ۶ ع

( ۳ ) سورة انعام ۴ ع ( ۴ ) الرعد ۹ ع

( ۵ ) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۴ پروفیسر رشید احمد ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔

کی حیثیت زمین پر اس کے خلیفہ کی ہے جس کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی نہ خود کے بلکہ دوسروں کو بھی اس قانون کے مطابق چلانے کی کوشش کرے۔ " اس کام کے لئے اسے کچھ تھوڑے بہت اختیارات بھی تفویض کئے گئے اور اسی مقصد کے حصول کی خاطر کائنات خارجی اور اس کی لاتعداد قوتوں کو انسان کا خادم بنادیا گیا کہ وہ انہیں جس طرح چاہے کام میں لائے۔ اس کا شرف و امتیاز یہ ہے کہ وہ خارج اور اس کی قوتوں پر اپنے ارادے کو موثر کرے اور جس کا نائب زمین پر بنکر آتا ہے اس کی ذات سے تربیت پیدا کرے تاکہ اس کی ذات " ذات الہی " کا ہر توبہ جائے (۱) کے لئے ہوئے احکام کی پیروی کرے خدا کا قانون انسانوں تک اس کے رسولوں کے ذریعہ پہنچا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں انبیاءؑ مہیوت فرمائے تاکہ وہ اللہ کے احکامات کو بندوں تک صحیح صحیح پہنچا دیں اس سلسلے کی چند آیتیں یہ ہیں جن سے مزید روشنی پڑتی ہے۔

ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدا للہ واجتنبوا الطاغوت ( ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو ) (۲)

لقد ارسلنا رسلنا بالبینۃ انزلنا مصمہم الکتب والمیزان ليقوم الناس بالقسط وانزلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ (۳)

اس میں پیغمبروں کے مشن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "لانا ہدوی نے "لوہر" سے مواد سیاسی اور جنگی طاقت سے لی ہے (۴) اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی کثیر تعداد

(۱) ہیگل مارکس اور نظام اسلام ص ۱۰۵ مولوی محمد ظہیر الدین مکتبہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۵۷ء

(۲) الفل ۵ ع (۳) سواہ حدید ۲ ع

(۴) تفہیم القرآن جلا (۵) مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی - ۶۷-۱۹۵۸ء

کو اسلئے مبعوث کیا کہ وہ عدل کو برقرار رکھیں نہ صرف برقرار رکھیں بلکہ اس پر خود بھی عمل پیرا ہوں تاکہ دوسرے بھی اس سے سبق حاصل کریں یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اسلئے قائم کی تاکہ انسان کو آزمائش میں ڈالا جائے اور جتنا انسان اس آزمائش میں پورا پورا اترتا جاتا ہے اتنی ہی انسانیت کی تکمیل ہوتی جاتی ہے -

وما ارسلنا من رسول الا بطاع باذن اللہ .

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسلئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بناء پر اسکی اطاعت کی جائے ( ۱ )

خدا کی طرف سے رسول آتا ہے وہ ایسا قانون لے کر آتا ہے جسکی پیروی کرنا ہر انسان پر فرض ہے - اگر کسی نے خدا کے حکم کی پابندی نہیں کی اور رسول کی رسالت پر ایمان لے آیا تو یہ چیز کوئی معنی نہیں رکھتی ( ۲ )

اولئك الذين ابتنهم الكتب والحكم والنبوة -

وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی - ( ۳ )

مندرجہ ذیل آیات میں مٹا مٹاواں نظام زندگی کی طرف رہنمائی فرماتی ہے کہ اس کے مطابق اجتماعی عدل قائم کریں ( ۴ )

الَّذِينَ ان مَّتَّعْهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاتُوا الزَّكَاةَ وَارْجَوْا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے - زکوٰۃ دین گئے معروف کا حکم دین گئے اور منکر سے منع کریں گے - ( ۵ )

( ۱ ) سورہ نسا ۹ ع ( ۲ ) تفہیم القرآن جلد ( ۱ ) مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۵۸ء

( ۳ ) الانعام ۹ ع ( ۴ ) اسلامی ریاست ص ۲۲ - ۲۵ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک

پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء

( ۵ ) الحج ۵ ع

مولانا محمد تقی امینی نے "معروف و منکر" کی وضاحت فرمائی ہے "قرآنی

اصطلاح کے مطابق "مصرف" میں صرف نماز روزہ قسم کی عبادات ہی نہیں داخل ہیں بلکہ یہ لفظ فرد و اجتماع کی جملہ ضرورتوں اور فائدہ پہنچانے والی تمام چیزوں پر حاوی ہے اس طرح "منکر" میں صرف مشہور قسم کے بڑے کام داخل نہیں ہیں بلکہ اسمیں ہر ضرور سان چیز اور انسانی ضرورتوں سے گریز و فرار کی راہ بھی داخل ہے - (۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے جو رسول بھجوتے ہیں کہ ان کی اطاعت کرو انکی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اسکی وضاحت قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتی ہے -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ فَذَلِكُمْ خَيْرٌ مِنْ أَمْرٍ

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھرو دوا کر تم واقعی روز آخر پر لکھا ایمان رکھتے ہو بھی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے - (۲)

یہ آیت اسلام کے پورے مذہبی سیاسی نظام کی بنیاد اور اسلامی ریاست کے دستور کی اولین دفعہ ہے (۳) مذکورہ بالا آیت میں چند باتوں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے - اول یہ کہ "اسلامی نظام میں اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے دوسری بنیاد

(۱) احکام و شریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت ص ۶۲ مولانا محمد تقی امینی - سندھماگر

لکھنؤ اکاڈمی لاہور ۱۹۶۹ء

(۲) سورہ ن ۸ ع

(۳) تفہیم القرآن جلد (۲) مکتبہ اسلامی دہلی - ۱۹۵۸ء



رسول کی اطاعت ہے تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے  
 "اولی الامر" کی اطاعت ہے چوتھی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام میں خدا کا حکم اور  
 رسول کا حکم اور رسول کا طریقہ بنیادی قانون اور آخری سند کی حیثیت رکھتا ہے" (۱)

جتنے بھی پیغمبر دنیا میں آئے ان کا پیغام بھی تھا کہ ذات واحد کو  
 مانہن اسکی کتابوں پر عمل کریں نفوذ آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی  
 پیغام تھا کہ حکومت خدا کی قانون خدا کا ملک خدا کا زمین خدا کی تمام افراد نسل  
 انسانی اسکے بندے ہیں - (۲)

قرآن ملک میں نظریہ خلافت کو بھی اہمیت حاصل ہے متعدد آیات  
 میں اسکی تصریح ملتی ہے - خلافت کا مطلب ہے "نہایت الہی یعنی دستور ربانی  
 کے مطابق زمین پر حکمرانی (۳) مولانا حامد الانصاری غازی نے خلافت کو سیاسی نہایت  
 کا نام دیا ہے - حکومت خدا کی ہے انسان خدا کی طرف سے کارخانہ حکومت کا نمائندہ  
 نائب اور ذمہ دار ہے (۴) خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کی ملک میں اسکے  
 تفویض کردہ اختیارات اسکے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے - اللہ تعالیٰ انسان کو  
 دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے جو اس آیت سے واضح ہے -

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَسْتَخْلِفُهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ

مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيَسْخَرَنَّ لَهُمُ الَّذِينَ ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيًّا لَّنْهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفَهُمْ أَمْنًا

اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور  
 نیک عمل کریں کہ وہ انکو اسی طرح زمین پر خلیفہ بنائیں گے جس طرح ان سے پہلے کرے  
 ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اور ان کے لئے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے اسلامی ریاست ص ۸۵ تا ۹۰ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک  
 پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء

(۲) احکام سلطانیہ - مودودی - مترجم انتظام اللہ شہابی ص ۱۴ تاجران کتب کراچی

(۳) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۲۹ - ۱۵۰ شاہد حسین رزاقی - ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان

(۴) اسلام کا نظام حکومت ص ۳۱۵ مولانا حامد الانصاری نمازی - رفیق تدوین المصنفین دہلی ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۲ء

(۵) اسلامی ریاست ص ۸۴ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی -

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء

جسے اللہ نے انکے حق میں پسند کیا ہے اور انکی موجودہ حالت خوف کو امن سے بدل  
دے گا۔ (۱)

واذ قال ربك للملك اتني جاعل في الارض خليفة وبمهلك خلفا \* الارض

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (۲)  
اور وہ کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بنانا ہے۔ (۳)

باداودان جعلناک خليفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی  
فیضلك عن سبیل اللہ

اے داؤد! تمکو ہم نے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے  
درمیان فیصلے کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے راہ سے بھٹکالے  
جائے۔ (۴)

اسکے بعد ایک اور آیت میں <sup>جو اوپر درج ہے</sup> داؤد کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ اس نہایتی حکومت کا تعلق عام بندگان خدا سے ہے۔ (۵)

اس حکومت کا یہ فرض ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ کی بالادستی کو تسلیم کرے اسکے بعد

عوام کی فلاح و بہبودی پر نظر رکھے۔ فتنہ و فساد کا انسداد عدل و انصاف کا قیام

معاشرہ کی اصلاح باغیوں کی سرکوبی خلافت کے فرائض ہیں۔ (۶)

خلافت کا اہم ترین فرض امن و امان قائم رکھنا ہے جسکے بغیر صحیح

معنوں میں حکومت کا تصور ممکن نہیں۔ انبیاء کوام جو انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث

کئے گئے تھے انکی بنیادی تعلیم یہی تھی کہ وہ معاشرہ میں امن قائم کریں۔

(۱) النور ۶ ع (۲) القورہ ۳ ع

(۳) النمل ۴ ع (۴) ص ۲ ع

(۵) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۴۸ مولانا حامد الانصاری نمازی - رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۶) سلطانوں کے سیاسی افکار ص ۲۰ پروفیسر رشید احمد ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۱ء

خلافت کا ایک اور فریضہ قیام عدل بھی ہے یعنی عدل و انصاف قائم کر کے سب کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھا جائے اسے لوگ جو عدل برقرار رکھتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے - اِنَّ اللّٰهَ بِحَبِّ الْقَاسِطِیْنَ - اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱) یہ فرما کر عدل کی اہمیت کو واضح کر دیا -

خلیفہ کو تاکید کر دی گئی " انصاف میں اپنی خواہشات کو دخل نہ دین ذاتی

عناد اور دشمنی کے باعث انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دین (۲) عدل و انصاف کو قائم رکھنے کا کام صرف حکوان ہی پر فرض نہیں ہے بلکہ ریاست کے پستے والے بھی عدل و انصاف قائم رکھنے کے مکلف ہیں اس لئے ان کا فرض ہے کہ مجرمین کو سزائیں سے بچانے کے لئے کوئی بات چھپائیں نہیں خواہ انکے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں - اس طرح سے ریاست میں عدل و انصاف کا کام آسان ہو جائیگا -

"قرآن حکم نے اسکی کوئی خاص شکل و صورت متعین نہیں کی ہے صرف مقصد پر زور دیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو رزق حلال میسر ہو اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق عدل و انصاف کے ساتھ اسکی حاجتیں پوری ہوتی رہیں (۳) " عدل و انصاف ہی سے دنیا و جہان کا قوام ہے اس کے بغیر دنیا و آخرت درست نہیں ہو سکتی (۴) عدل و احسان کے قوانین سے سب کو یکساں فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے -

(۱) الممتحنہ ۲ م

(۲) مسلمانوں کے سیاسی افکار - پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

(۳) احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت - مولانا محمد تقی امینی سندھ ساگر

اکاڈمی لاہور ۱۹۶۹ء

(۴) سیاست شرعیہ ص ۲۸۰ محمد اسماعیل گودھووی - کلام کہنی

توآن کی اس آیت سے عدل کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو مخاطب فرمایا ہے ۔

واعز لا عدل بینکم — اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں ( ۱ )

\* " یعنی میں نے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر معذور ہیں میرا یہ کام نہیں ہے کہ کسی کے حق میں ادا کسی کے خلاف تعصب برتون ۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے عدل و انصاف کا تعلق " ( ۲ ) ہوشیہ خواہ وہ امیر ہو یا غریب عدل کے معاملے میں برابر ہے سب کو یکساں حقوق حاصل ہیں کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں علاوہ تقویٰ کے چنانچہ حضور ایک جگہ فرمایا کہ

انما ہلک من کان قبلکم انکم کانو بقیون الحق علی الوضیع و تہوکون الشریف والذی نفس محمد پیرہ لو ان فاطمہ ( تبت محمد ذالک لقطعت بدها —

تم سے پہلے جو امتیں گری ہیں وہ اسی لئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تو درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجہ والوں کو جھوٹ دیتے تھے قسم ہے اس جان کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان اگر محمد کی اپنی بیٹی فاطمہ ہی جوڑی کرتی تو ہاتھ کاٹ جاتا

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک عدل کی کتنی اہمیت تھی آپ اسی اہمیت کے باعث آپ نے اسکو عبادت پر فضیلت دی اور ایسے امیر عادل کی ایک دن کی حکومت کو جو رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے ( ۳ )

( ۱ ) شوری - آیت نمبر ۱۵

( ۲ ) خلافت و کتب ص ۶۳ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز نمبر ۱۱ ۱۹۶۶ء

( ۳ ) تجارتی شریف کتاب الحدود - ابواب ۱۱ - ۱۲

( ۴ ) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۶۴ شاہد حسین رزاقی - ادارہ ثقافت اسلامیہ پبلشرز

پاکستان ۱۹۵۷ء

اسلامی فلاحی ریاست میں اصلاح معاشرہ پر بھی زور دیا گیا ہے اسلام ریاست کے شہریوں میں میل و محبت دیکھنے کا خواہش مند ہے چنانچہ اس نے باہمی تنازعات کو ختم کرکے اتحاد کی جڑ میں مضبوط کین - " اتحاد کی راہ میں باہمی قتل و غارتگری معاشرے کے نظام کو تباہ و برباد کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے قتل کو بدترین گناہ قرار دیکر فرمایا کہ -

وَمَا كَانَ لِمَنْ اَنْ يَّقْتُلَ مَوْتًا اِلَّا خَطَاً - اَلِی قَوْلِهِ - وَمَنْ يَّقْتُلْ مَوْتًا مُّصْتَوًّا

فَجَزَاءٌ ۝ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا

کسی مسلمان کے لئے روا نہیں کہ مسلمان کو جان سے مار ڈالے مگر غلطی سے - اَلِی قَوْلِهِ - اور جو مسلمان کو دیدہ دانستہ مار ڈالے تو اسکی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اسکے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے - (۲)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اسکو قتل نہ کرو

مگر ہاں حق شرعی کے ساتھ (۲)

قتل کے وارث شرعاً قصاص کا اختیار رکھتے ہیں (۲)

(۱) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۶ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ

۱۹۶۱ء

(۲) نساء ۱۳ ع

(۳) بنی اسرائیل ۴ ع

(۴) اسلام کا نظام امن ص ۲۱۸ محمد ظفرالدین مفتاحی - مفتاح العلوم اعظم گڑھ

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء

و من قتل خطلوما فقد جلعنا لولیه سلطانا فلا سیوف فی القتل انہ کان منصوراً

اور جو شخص ظلم سے مارا جائے ہم نہ اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے  
تو اس کو چاہئے کہ وہ قتل میں (یعنی بدلہ لینے میں) زیادتی نہ کرے بلاشبہ اس کی  
مدد کی جائیگی (۱)

حضرت تھانوی اپنے تفسیری ترجمہ میں نحو فرماتے ہیں کہ

"جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث حقیقی  
یا حکمی کو قصاص لینے کا شرعاً اختیار دیا ہے سو اس کو قتل  
کے پھر بارے میں حد شرع سے تجاوز نہ کرنا چاہئے یعنی قاتل  
کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ شخص زیادتی نہ کرنے  
کی صورت میں تو شرعاً طرفداری کے قابل ہے اور زیادتی کرنے سے  
فریق ثانی طرفداری کے قابل ہو جائیگا اس لئے زیادتی کر کے منصوبہ  
سے خارج نہ ہونا چاہئے" (۲)

قتل و خون نہیں قسم کا ہے ابکہ قتل عہد یعنی کسی کو بے گناہ قتل کر دیا  
جائے (۳) دوسرے یہ کہ کوئی شادی شدہ زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تب سے  
ارتداد یعنی کوئی دین پر حق سے پھر جائے (۴)

(۱) بنی اسرائیل ۲ ع

(۲) بیہ القرآن جلد (۶) ص ۲

(۳) سیاست شرعہ ص ۲۶۵ مترجم محمد اسماعیل گودھڑی کلام کہنی

(۴) اسلام کا نظام امن ص ۲۱۹ محمد ظفر الدین ہتھاکھی - معنای العلوم اعظم گڑھ

اسلام نے واضح طور پر بتایا ہے کہ قتل ناحق سب سے بڑا جرم ہے کیونکہ یہ امن و امان کو برباد کر دیتا ہے اور انسانوں سے اسکا سکون چھین لیتا ہے۔ اسلام نے اسے موقع کے لئے کہ اگر کوئی شخص قتل کا ارتکاب کر بیٹھے تو ایسی صورت میں النفس بالنفس کا حکم دیا ہے (جان کے بدلے جان لے جائی گئی) (۱) نیز اس میں چھوٹے بڑے - شاہ و گوا آزاد اور غلام میں فرق نہیں کیا گیا جابجا (۲) چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد ربّانی ہے -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرُّ بِالنَّفْسِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَلَا تَجْزِي بِلَا نَفْيٍ

اے ایمان والو قاتلین کے بارے میں قصاص کا حکم دیا جاتا ہے آزاد آدمی کے بدلے آزاد آدمی غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت (۳) اسکے بعد آخر میں یہ بھی اعلان فرمایا گیا کہ

مَنْ عَتَدَىٰ مَعَدٍ ذُلٌّ فَلَهُ عَذَابُ أَلِيمٍ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ وَلِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ -

پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اسکے لئے دردناک عذاب ہے اور عقلمند و قصاص میں تمہاری زندگی ہے تاکہ ختم خونریزی سے باز رہو - (۴)

حضرت مولانا تھانوی رقم طراز ہیں کہ "النفس بالنفس" میں آزاد اور غلام مسلمان اور کافر ذی ہود اور عورت کچھ اور صغیر شریف اور رذیل بادشاہ اور رعیت سب داخل ہیں - (۵)

(۱) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۴ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

(۲) ایضاً ص ۲۴ (۳) بقدرہ ۱ ع ۲۲ (۴) فقہی بقدرہ ۲۲ ع ۱۹۶۱

(۵) بیاب القرآن جلد ۳ ص ۲۵ حضرت مولانا تھانوی

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک مسلمان عورت کو ایک یہودی نے قتل کر ڈالا

اسکے قصاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاتل یہودی کو قتل کیا (۱)

لیکن مقتول کے ورثاء کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ قاتل سے فدیہ لیکر یا

بغیر فدیہ کے معاف کر دیں (۲) ایسا کرنا تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے -

قرآن مجید میں ارشاد الہی ہے -

والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له

اور زخموں کا بدلہ دینا ہے اور جو زخم میں پھر جو مظلوم بدلہ معاف

کر دے وہ اسکے گناہوں کا کفارہ ہوگا (۳)

"مقتول کے ورثاء دیت پر رضامند ہو جائیں تو قاتل کو چاہئے کہ دیت کی

ادائیگی میں دیت و لعل سے کام نہ لے اور نہایت حسن و خوبی سے اسکی ادائیگی

کر دے" (۴)

دیت قبول کرنے کے بعد مقتول کے ورثاء قاتل کو پریشان کہیں تو وہ دردناک

عذاب کے مستحق ہونگے - ماریت میں جو چوٹ آجاتی ہے اس میں بھی قرآن کریم نے

قصاص لینے کا حکم دیا ہے - "حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ اسکا بھی قصاص

لو" (۵) اگر کسی نے جسم کا کوئی بھی حصہ زخمی کر دیا اسکے قصاص میں

(۱) بخاری شریف باب قتل الرجل باثواء

(۲) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۷ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۱۹۶۱ء

(۳) مائدہ ۷ ع (۴) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۷ پروفیسر رشید احمد -

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۱ء

(۵) سیاست شرعیہ ص ۲۷۲ امام ابن تیمیہ - محد اسماعیل گودھروی - کلام کہنی



وہی عضو توڑ سکتا ہے عزت آبرو اور گالی وغیرہ دینے کا بھی قصاص ہے (۱) قصاص کی یہ تمام سزائیں خلیفہ وقت کی زیر نگرانی طے پائیں گی -

معاشرہ کو تباہ و برباد کر دینے والی دوسری چیز بھاوت لوٹ مار اور دھڑنی وغیرہ ہیں جن کی وجہ سے معاشرہ کے شہریوں کے اخلاق پر بڑا برا اثر پڑتا ہے۔ اسے لوگ جو زمین میں فتنہ و فساد اور لوٹ مار مچاتے ہیں ان <sup>استعمال</sup> مستقبل کے لئے قرآن مجید اسلامی حکومت کو سخت سزا کی ہدایت دیتا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے کہ

انما جزا عا لڈین بحاربون اللہ ورسولہ و یسمون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یتصلبوا او تقطع ایدہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض \* (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بدامنی پھیلاتے پھرتے ہیں وہ قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا وہ جلاوطن کر دئے جائیں \* (۲)

قاضی یا امام وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ ان جرائم کی سزا جرم کی نوعیت کے اعتبار سے دے کیونکہ یہ ایک بدترین جرم ہے کہ جس ریاست میں انسان رہ رہا ہے اسی کو تباہ و برباد کرنے کی فکر کر لے - اسی طرح چوڑی فحاشی اور عیاشی زنا اور بدکاری قمار بازی اور شراب خوری وغیرہ جیسی برائیاں بھی معاشرہ کی ابتلی کا باعث ہوتی ہیں ان سے معاشرہ کا امن و سکون ختم ہو جاتا ہے ان میں سے ہر ایک کی سزا کے بارے میں قرآن مجید نے اپنا حکم نہیں دیا ہے ہم تک پہنچا دیا اب ریاست کا فرض ہے کہ برائیوں کا قلع قمع کرے اور معاشرہ کو خوشحال بنالے جوہر کی سزا کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ

(۱) سیاست شرعیہ ملکہ (ابن یوسف) عہد کمبری

(۲) المائدہ ع ۱۱

(۲) اسلام کا نظام امن ص ۳۷۲ محمد ظفر الدین مفتاحی - مفتاح العلوم اعظم گڑھ

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ

\* چور خوار عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو جو کچھ المنون

نے کھا ہے اللہ کی طرف سے یہ سزا ہے \* (۱) زنا جو لم ریاست کے اخلاق نظام

کو درہم برہم کر دینے والی موزی بیماری ہے اسکے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ

الرِّبَا نِيَّةٌ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَسَدًا وَلَا يَأْخُذُ بِهِمَا رَاةٌ فِي دِينِ اللَّهِ

ان کنتم تو منون باللہ والیوم الاخر (۲)

\* زانی اور زانیہ ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو ان دونوں پر اللہ

کا قانون نافذ کرنے میں رحم نہ حائل ہونا چاہئے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر

ایمان رکھتے ہو ۔

حکومت وقت کو یہ تاکید ہے کہ وہ حدود شروع جاری کرنے وقت رحم کا

جذبہ دل میں نہ لائے بلکہ مجمع عام میں سزا دے تاکہ انسان آنکھیں کھول کر دیکھیں

اور عبرت حاصل کریں ۔ اسکے بعد شراب اور جوئے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ

اِنَّمَا يَرِيدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَا فِيْ اَخْوَالِ الْيَسْرِ

وبعد کم عن ذواللہ و عن الصلوة ۔ \* شیطان تو بس بھی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے

کے ذریعہ تمہارے آپس میں بعض و عداوت ڈال دے اور وہ تمکو اللہ کی یاد اور نماز

سے روکتی ہے (۳)

عہد نبوی میں اگر کوئی اپنے جرم کا اقرار کر لیتا اور آپ سے خط جاری

کرنے کی التجا کرتا تو آپ خط جاری کرنے کا حکم فرما دیتے ۔ کوئی ہاتھ سے مارتا

کوئی کوڑے سے اور کوئی جوتے سے اور کوئی کھجور کی شاخ سے (۱)

قرآن مجید میں بہتان کی سزا کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے - یہ  
محبت و اخوت کی راہ میں ایک بہت بڑی چٹان ہے اس سے باز <sup>رہنے</sup> کی بار بار تاکید  
کی گئی ہے دنیاوی ذلت اور اخروی  
عذاب سے ڈرایا گیا ہے لیکن جو لوگ نہ مانیں تو یہ ہونگے لئے سزا  
متمین کردی گئی ہے -

والدین ہون المصنعت ثم لم یاتوا بأربعة شہداء \* فاجلدوہم ثمانین  
جلدۃ و لا تقبلو الہم شہادۃ ابدأ اولئک ہم الفاسقون

\* جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چارگواہ نہ لاسکیں  
تو ایسے لوگوں کو اسی کوڑے مارو اور انکی کوئی شہادت قبول نہ کرو اور یاد رکھو کہ  
یہی لوگ بدکار ہیں - (۲)

ناپ تول میں کی کرنا بھی معاشرہ کی نہاد کا ایک سبب ہے چنانچہ  
صحیح طریقہ سے تولنا معاشرہ کے لئے بہتر ہے - معاہدہ کی پابندی بھی اصلاح  
معاشرہ کے لئے ضروری ہے اس طرح خیانت سے باز رکھنا بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے  
غرضکہ مذکورہ بالا تمام طریقہ معاشرہ کی ترقی کے باعث لگائی گئی ہیں اور چونکہ اسلامی  
ریاست خلاصی ریاست ہے اسلئے اسکو یہ دیکھنا پڑے گا کہ شہریوں کے اخلاق درست ہیں  
ان میں کسی قسم کی برائی تو جنم نہیں لے رہی جو معاشرہ کی حالت کو ابتر کر دے  
اسی وجہ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ حدوں پر عمل کر کے مختلف سزائیں لوگوں کو دی  
جاتی ہیں تاکہ ان کا اخلاق درست ہو سکے -

(۱) اسلام کا نظام امن ص ۲۴۲ محمد ظفر الدین فتاحی - مفتاح العلوم اعظم گڑھ

۱۲۸۵ھ / ۱۹۶۶ء

(۲) النور ع (۱)

اسلامی حکومت کے فرائض میں سے یہ اقتدار اعلیٰ کے بتائے ہوئے قوانین کی حفاظت کرنا بھی ہے یعنی جو قوانین اللہ تعالیٰ نے نافذ کر دیئے ریاست کے کاموں میں انہیں قوانین سے مدد لے اور کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود آزدانہ فیصلہ کرے اور قانون خداوندی سے انحراف کرنے قرآن مجید کی سورہ لطفی الدخواب میں اسکی وضاحت ملتی ہے۔ وماکان لہم لہو من ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان تكون لہم الخیرۃ من اوجہہم و من بعض اللہ ورسولہ فقد ضلّ ضلالاً مبیناً " کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گواہی میں پڑ گیا (۱)

" خلیفہ وقت پر اسلامی قوانین کی حفاظت کا فرض ہے کہ انکی روشنی میں ہی ریاست کے تمام معاملات کا فیصلہ کرے (۲) " تہذیب کی جدید تشکیل " میں قانون کی دو قسمیں کی گئی ہیں " اصلی " اور " ذیلی " اصلی جو اللہ کی طرف سے مستقلاً عمل کے لئے مقرر ہوتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی البتہ حالات کے لحاظ سے وقت ضرورت ان کے موقع محل کی تعمین ہوتی ہے اور " ذیلی " وہ ہیں جو قوت نافذہ کی طرف سے " اصلی " پر عمل درآمد کے لئے وقتاً فوقتاً مقرر کئے جاتے ہیں اور حالات کے لحاظ سے ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے (۳)

اس اقتباس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی قوانین سے مواد وہ قوانین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں

(۱) الاحزاب ع (۵) (۲) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۳۳ پروفیسر رشید احمد

ادارہ ثقافت اسلامہ پاکستان ۱۹۶۱ء

(۳) تہذیب کی جدید تشکیل ص ۳۳۲ مولانا حافظ محمد تقی امینی ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

ذیلی وہ قوانین مواد ہیں جو اصل پر عمل درآمد کے لئے وضع کئے جاتے ہیں -

اسلامی قانون کا اہم ترین ماخذ قرآن مجید ہے جن مسائل میں قرآن حکم کا کوئی حکم نہ ہے اسکی تشریح نبوی کوئی ہے اسکے بعد اجماع اور قیاس اسلامی قوانین کی بنیاد ہیں - خدا کا قانون اسکے رسول کے ذریعہ انسانوں تک پہنچتا ہے چنانچہ "رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ ہے (۱)" اس قانونی حاکمیت کے سلسلے میں ارشاد رہائی ہے کہ اَتَّبِعُوا مَا نَزَلَ الْبَيْمُ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَقْبَلُوا مِنْ دُونِهِ اُولَئِكَ - پیروی کرو اس چیز کی جو تمہیں رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور نہ پیروی کرو اسے جھوڑ کو دوسرے کارسازوں کی (۲) ان لوگوں کے متعلق فرمایا گیا جو کافر ہیں اور خدا کے بنائے ہوئے قانون پر عمل نہیں کرتے وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا نَزَلَ اللَّهُ فَلَا شَكَّ هُوَ الْكَافِرُونَ " جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں " (۳)

ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے قوانین اور حدود کو ٹھٹھے توڑنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سراپراہ ملکہ کو حکم دیتا ہے کہ ان سے جنگ کرو جسکو قرآن کوہم نے جہاد کا نام دیا ہے - جہاد اسی وقت میں جائز قرار دیا گیا جبکہ کافر اسلامی حکومت پر دست درازی کریں اگر وہ اسلامی حکومت سے جنگ نہیں کرتے تو پھر اسلامی حکومت کو بہرہ آزما ہونے کی اجازت نہیں ہے -

اگر ایک طرف حکمران کے کچھ فرائض عوام پر عائد ہیں تو دوسری طرف اسلامی ریاست کے باشندوں پر بھی حکومت کے کچھ حقوق ہیں جنکی تعمیل عوام کے لئے ضروری ہے۔

(۱) خلافت و ملوکیت ص ۲۰ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ کراچی

۱۹۶۶ء

(۳) المائدہ ع (۴)

(۲) الاعراف ع (۱)

کہ وہ خلیفہ وقت کی اطاعت کوہن چنانچہ ارشاد ربانی ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم\* اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں سے جو تم میں سے صاحب امر ہوں\* (۱) دوسرے باہمی اتحاد سے زندگی بسر کوہن\* اور قانون کے پابند ہوں نظم میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالیں\* (۲)

لا تفسدوا فی الارض بعد اصلا ہما - زمین میں فساد برپا نہ کرو اسکی اصلاح ہو جانے کے بعد عوام پر ایک اور فرض عائد کیا گیا ہے وہ یہ کہ "عوام اجتماعی اور ملکی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دیں (۳) جس قوم کے افراد اپنے ذاتی فائدوں پر ہر وقت نظر رکھتے ہیں قوم کی فلاح پر نظر نہیں رکھتے وہ کبھی بھی برسر اقتدار نہیں آسکتے اور نہ ریاست برسر اقتدار رہ سکتی ہے چنانچہ معاشرہ کے افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ "اور خیر میں حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعاون و خیر خواہی کریں (۵)

قرآن مجید نے خلفاء کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ تمام امور مملکت میں مشورہ لیا کریں اسلئے اسلامی نظام میں "شوری" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ "اس ریاست کا پورا کام اسکی تاسیس و تشکیل سے لیکر رئیس مملکت اور اولی الامر کے انتخاب اور تشریح و انتظامی معاملات تک اہل ایمان کے باہمی مشورے سے چلنا چاہئے (۵) ایک جگہ

(۱) انسانہ ع (۸) (۲) خلافت و ملوکیت ص ۲۹ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۶ء

(۳) الاعراف ع (۱۱)

(۴) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۲۰ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامہ ۱۹۶۱ء

(۵) تہذیب کی جدید تشکیل ص ۳۳۹ حافظ مولا محمد تقی امینی ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

(۶) خلافت و ملوکیت ص ۳۷ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۶ء

اور اسکی تشریح ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے "حکومت شورائی طرز کی ہوگی اور اہل حل و عقد کے مشورہ سے نظم و نسق پر مامور ہوگی (۱) خدا و امر ہم شوری بینہم - ان کے وہ حالات باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں - (۲) مشورہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں شوری نام کی ایک بڑی سورت ہے اسلاف حکومت کے پہلے سربراہ رسول اکرم کو یہ حکم دیا گیا وشارہم فی الامور اذا مت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین \* ان سے معاملات میں مشورہ لیا کیئے اور جب آپ مشورہ کر لیں تو خدا پر توکل کیجئے یہ شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۳) صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خدا تعالیٰ نے "اولوالامر" کی اطاعت بھی فرض قرار دی ہے (۴) چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم \* مسلمانو اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی (۵)

"سیاست شرعیہ" میں "اولی الامر" کی دو قسمیں کی گئی ہیں - ایک امرا دوسرے علماء (۶) اگر یہ لوگ اچھے اعمال کے ہونگے تو عوام بھی اچھے اور نیک ہونگے یہ دونوں قرآن و سنت پر عمل کر کے اور معاملات کا فیصلہ کریں گے مشکل معاملات ہو پر

(۱) احکام شرعیہ میں حالات و زمان کی اعایت ص ۲۸ مولانا محمد تقی امینی - سندھ

ساگر اکاڈمی لاہور میں ۱۹۶۹ء

(۲) آل عمران ع (۱۴)

(۳) سیاست شرعیہ ص ۸۴ مولانا رئیس احمد جعفری ندوی ادارہ ثقافت اسلامہ پاکستان ۱۹۵۹ء

(۴) نساء ع (۸)

(۵) سیاست شرعیہ امام ابن تیمیہ محمد اسماعیل گودہروی - کلام کہنی کراچی

(۶) احکام سلطانہ ص ۲۳ علامہ ابوالحسن ماوروی - مترجم مفتی انتظام اللہ شہابی

تاجران کتب کراچی

اچھی طرح غور و خوض کے بعد یہ دیکھیں گے کہ خدا اور انکے رسول کی اطاعت کس طرح سے کی جائے -

حدیث نبوی میں بھی شوری کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور اس کی طرف دعوت دی گئی ہے " حضرت عائشہ کی شہادت ہے کہ میں رسول اللہ سے زیادہ کسی کو اس بارے میں نہ پایا کہ لوگوں سے مشورہ کر کے کام کیا جائے 0 آپ نے ایک جگہ فرمایا کہ "ماشا اور قوم الاہدوا" جس قوا نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی (۱) آنحضرت نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کیا ہے کہ "شوری" قانون بھی ہے اور حکمت عملی بھی \* (۲)

چنانچہ باہمی مشورہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے اگر کوئی حاکم یا خلیفہ یا امام وقت مجلس شوری کے مشورہ کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتا ہے تو اس کا نتیجہ "آہیت کی شکل میں ظاہر ہوگا جو اسلامی معاشرہ اور سیاسی نظام کے بنیادی مقاصد کے خلاف اور مملکت کے لئے ضرر رسان ہوگا (۳) چنانچہ انکو ایسا مشورہ کرنا ہے جو قرآنی احکام کے مطابق ہو -

ان "اول الامر" میں چند باتوں کا ہونا ضروری ہے وہ ان اصولوں کو ماننے ہوں جن کے مطابق خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری انکے سپرد کی جارہی ہے اس لئے کہ ایک نظام کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولی مخالفین پر نہیں ڈالی جاسکتی (۴) اور یہ کہ وہ ظالم فاسق و فاجر خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والے نہ ہوں بلکہ ایماندار خدا ترس اور نیکو کار ہوں - (۵)

(۱) بحوالہ اساس تہذیب ص ۸۷ اسید عبد الطیف - طبع ابراہیمہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۷ء  
 (۲) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۲۳ مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المستفین دہلی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء  
 (۳) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۶۰ شاہد حسن زراقی - ادارہ ثقافت اسلامہ پاکستان ۱۹۵۷ء  
 (۴) خلافت و ملوکیت ص ۳۷ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۶ء  
 (۵) ایضاً ص ۳۸



اگر امام مندرجہ بالا کی خصوصیات کا حامل نہیں ہے تو اسکی امامت اسلام کی

نگاہ میں کچھ بھی نہیں ہے -

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ وہی ریاست کا یہ انتظام " یعنی

مجلس شوریٰ کی رکنیت عورتوں کے سپرد نہیں کی جاسکتی کیونکہ کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو پشت پسٹیا دینا یا اسکے لئے گنجائش رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے اور اطاعت و خدا اور رسول کی پابندی کرنے والی ریاست اس خلاف ورزی کی سرے سے مجاز ہی نہیں ہے " ( ۱ )

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنی نظریہ مملکت میں حاکم اعلیٰ

صرف خداوند تعالیٰ کی ذات ہے اس کو قانونی حاکمیت حاصل ہے - رسول اللہ کانائب

ہے جو اسکے قوانین پر عمل پیرا ہو کر مملکت میں نافذ کرتا ہے - حکومت کے کاموں کو بطور

امانت کسی ایک ایماندار اور خدا پرست انسان کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو خلیفہ یا امام

کہلاتا ہے یہ بھی خدا کے بنائے ہوئے قانون کی پیروی کرتا ہے اسلامی حکومت کا اولین فریضہ

یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے نظام کو قائم کرے اور ان اچھائیوں کو پھیلانے جن کے پھیلانے

کا حکم خدا اور رسول نے دیا ہے اور ان برائیوں کا قطع قہم کرے جنکو خدا اور رسول برائی

قرار دیتے ہیں - اسلامی حکومت وہ حکومت نہیں کہلاتی جاسکتی جس میں برائیاں عام ہوں

معاشرہ برائیوں کا مرکز ہو مثلاً بدعہدی بہتان تراشی یہ وہ برائیاں ہیں جو شہریوں کے

اخلاق کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہیں اگر انکو ختم نہ کیا گیا ان پر توجہ نہ کی گئی

تو سارے انسان اسکا شکر ہو کر ہستی کی طرف چلے جائیں گے چنانچہ ایک اسلامی ریاست

کا یہی فرض نہیں ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے لئے ردی کپڑا اور مکان مہیا کر دے بلکہ اسکا

نو مقصد یہ ہے کہ وہ انکے اخلاق درست کرے امن و امان قائم کرے عدل و مساوات پر زور دے

اتحاد باہمی کی تعلیم دے اگر اسکے اندر یہ ساری باتیں موجود ہیں تو حقیقت میں وہ اسلامی فلاحی ریاست ہے چونکہ اسلام برائیوں کا سدباب کرتا ہے اچھائیوں کو ابھارتا ہے اخلاقی تعلیم پر زور دیتا ہے اسلئے اسلامی ریاست از روئے قرآن و حدیث ایک فلاحی ریاست ہے ۔

## " خلافت راشدہ "

### " خلافت کی ابتداء اور مفہوم "

خلافت راشدہ پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے خلافت کی ابتداء کیسے ہوئی اس پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دینی اصولوں پر مبنی تھی آپ کے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ " آپ کی حکومت کا محور " وحی خداوندی " ہے لہٰذا جو احکام خداوندی حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ تک آتے آپ انہیں کو عمل میں لاتے ہیں آپ کی حکومت کی بنیاد دینی وحدت پر قائم تھی حضور کی وفات کے بعد آپ کے جانشین صحابہ کو یہ فکر لاحق تھی کہ اب تک ایک دینی حکومت قائم تھی لیکن اب انسانوں کی حکومت قائم ہوگی اور انسان اس کا فرمانروا ہوگا " یا تو قریش اس پر حکومت کرے گا یا کوئی اور دوسرا خاندان"۔

آپ کی وفات کے بعد جانشینی کا سوال اٹھا کیونکہ آپ نے اپنی زندگی میں کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا۔ عرب میں کیونکہ جمہوری عناصر کارفرما تھے اس وجہ سے آپ کو یقین کامل تھا کہ لوگ جمہور کی رائے سے اپنا ایک نمائندہ منتخب کر لیں گے آپ کی وفات کے بعد جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا تو حل کولیا اس مسئلہ کو اپنی فہم و فراست سے حل کر لیا اور حضور کی جانشینی کے لئے حضرت ابوبکر کا انتخاب ہو گیا اس طرح سے خلافت رسول کی ابتداء ہوئی اس کے بعد " یکے بعد دیگرے باقی اصحاب کو لوگ اپنی آرزو مرضی سے خلیفہ بناتے چلے گئے سب

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۱۸ ڈاکٹر حسن ابراہیم - مولوی علیم اللہ

ندوہ المصنفین دہلی - ۱۳۷۸ھ  
۱۹۵۸ء

۲۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۱۸ - ایضاً

۳۔ خلافت و مملکت ص ۸۳ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۶ء

خلافت کے لغوی معنی "جانشینی اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے کے ہیں" لہٰذا اسکا اصطلاحی مفہوم "آنحضرت" کے جانشین کی حیثیت سے مطلق دینی اور دنیاوی امور میں فرمان روائی کا حق تھا" کہ

یہہ لفظ بذات خود اپنے مفہوم کی وضاحت کر رہا ہے کہ "وہ ایک اصل کا سایہ" ایک ائینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے کہ

"خلافت کا حقیقی مقصد ناموس اسلام کا تحفظ اور شرعی زاویہ نگاہ سے حکومت کے نظم و نسق کی تنظیم اور اس کا قیام تھا۔ لہٰذا دوسرے خلیفہ کا یہ بھی فرض ہے کہ "وہ اللہ کی مخلوق کے لئے سامان خود نوش مہیا کرے اور بلا تخصیص مذہب ملت حسب ضرورت و صلاحیت عدل کے ساتھ ان میں تقسیم کر دے" ازالذائعفا "میں خلافت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"حق الریاست العامة فی التصری لا قامتہ الدین باحیاء العلوم الدینیۃ واقامتہ الہ کان الاسلام والقیام بالجہاد وما یعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاظہ واعطاء ہم من الفئی والقیام بسا لقضاء واقلمتہ الحدود واقع الظالم والا مربا المرفوف والنہی عن المنکریتا بہ عن انہی صلی اللہ علیہ وسلم"

"خلافت عامہ وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین کے لئے بالفصل بحیثیت نیابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ امور ذیل معرض

مخلفائے راشدین ص ۴ شاہ معین الدین ندوی - معارف دارالمنصفین اعظم گڑھ  
۱۳۹۳ھ  
۱۹۷۳ء

عظیم اللہ - ندوۃ المنصفین دہلی - ۱۳۷۸ھ

۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء  
۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء  
۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء  
۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء

۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء  
۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء  
۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء  
۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء  
۱۹۵۸ء

وجود میں آئی ہو ان امور کے اندر علوم دینیہ کا زندہ کرنا۔ ارکان اسلام کا قائم کرنا۔ جہاد اور جہاد سے متعلق چیزوں کا جاری کرنا جیسے لشکروں کو ترتیب دینا۔ سپاہیوں کو تنخواہ دینا اور ان پر مال غنیمت کو تقسیم کرنا اور قضا و حدود قائم کرنا۔ مظالم کو دور کرنا۔ نیکی کا حکم دینا۔ برائی سے منع کرنا داخل ہیں۔

اس اقتباس میں وہ تمام باتیں تفصیل سے مل جاتی ہیں جن کی اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب بنا کر مبعوث کیا تھا چنانچہ آپ نے ان تمام مذکورہ بالا باتوں پر پوری عمل کیا اور اللہ کی مخلوق کو بھی دعوت دی۔ "خلیفہ" کا لفظ خلافت سے مشتق ہے۔ خلیفہ کو خلیفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام نائب اور جانشین ہوتا ہے۔ "واذ قال ربك علمكئذ انك افی جاعل فی الارض خلیفہ" اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ "وجعلکم خلفاء الارض" اور وہ کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ "عسی ربکم ان یتھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون" (اے بنو اسرائیل قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن (فرعون) کو ہلاک کرے اور زمین میں تم کو خلیفہ بنائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

---

۱۔ از الذلخفا ص ۲۸ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ تاجرکتب کراچی۔  
 ۲۔ صدیق اکبر۔ پروفیسر سعید احمد اکبر آباد ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۱ھ  
 ۱۹۶۱ء

۳۔ البقرہ ع (۳)

۴۔ ص ع (۲)

۵۔ اعراف ع (۱۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ میں مومنوں کو خلیفہ بناؤں  
گا تو اللہ نے اپنا وعدہ سورہ نور کی آیت میں اس طرح پورا کیا ارشاد  
ربانی ہے کہ -

"وظم الله الذين امنو منكم و عملو الصلحت يستخلفنهم  
في الارض كما ستخلف الذين من قبلهم يمدونني لا  
بشركون بي شيا "

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک  
عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ  
بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا ۔ وہ  
میری بندگی کریں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں " ۔

"خلیفہ کو مندرجہ فضائل کا حامل ہونا ضروری ہے"

" (۱) امانت و دیانت میں بے داغ ہو - (۲) فقہ اسلامی کا ضروری علم  
رکھتا ہو - (۳) سماعت بصارت اور گفتار میں کوئی نقص نہ ہو (۴) جسمانی  
کمزوریوں سے آزاد ہو - جن کا اثر رائے و عمل پر پڑتا ہے (۵) حکومت  
اور امور دولت و ریاست میں صاحب بصیرت ہو - (۶) اسلامی دولت کی حفاظت  
اور دشمنوں سے جنگ کرنے کی ہمت رکھتا ہو - (۷) اور قبیلہ قریش سے  
تعلق رکھتا ہو ۔

اس کے علاوہ وہ پورا جوان بالغ اور مرد ہو سکے  
" قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قبیلہ ہی ایک

۱۔ - النور ع ( ۶ )

۲۔ - الاحکام السلطانیہ ص ۴ ماوروی - مطبوعہ حیدرآباد

۳۔ - احیاء العلوم جلد اول ص ۱۲۷ امام غزالی

ایسا قبیلہ تھا جس کی تمام عرب قبائل اطاعت کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں حدیث نبوی ہے کہ

"خ ربن عمر لا یزال هذا الارفی قریش ما بقى منهم  
اثنان"۔

بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ ہمیشہ اس خلافت اور سرداری کا حق قوم قریش کے واسطے ہے جب تک اس قوم میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔

"خلیفہ اپنے عہد میں پوری امت کا مرکز اطاعت ہوتا ہے اور اس کو مسلمانوں پر روحانی اور جسمانی - سیاسی اور اخلاقی ہر قسم کا اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ خلیفہ کا یہ فرض کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی پیروی کرے اور عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ خلیفہ کی اطاعت پر بھی زور دیا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے کہ

"یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی

الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول"  
اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

۱۔ احیاء العلوم جلد اول ص مسلم تنصیبات ص ۶۶ ڈاکٹر امیر حسن

صدیقی - حمیت الفلاح کراچی -

۲۔ مشارق الانوار ص ۳۸۹ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ

۳۔ صدیق اکبر ص ۹۱ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی - ندوۃ المصنفین

دہلی - ۱۳۸۱ھ  
۱۹۶۱ء

۴۔ سورہ نساء ع (۸)

حدیث نبوی میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

"عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن  
اطاع الامام فقد اطاعنی ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن  
عصی الامام فقد عصانی ۔"

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ۔ " جو شخص میری اطاعت  
کرتا ہے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے  
اللہ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری  
اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے خود میری نافرمانی کی ۔

چنانچہ اصل حکم الہی ہے اور اس کی اطاعت اصل  
مقصد ہے امیر و رعیت اس کے یکساں پابند ہیں خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ  
معاشرہ میں امن و امان قائم رکھے ۔ عدل و مساوات کا دامن تھامے رہے ۔  
حکم الہی کی پابندی کرتے ہوئے ایسے قوانین وضع کرے جن کے ذریعہ  
ریاست کے شہریوں کو قابو میں کیا جا سکے اسلاف خلافت میں انتخابی  
ہے موروثی نہیں تھے چنانچہ خلیفہ کا انتخاب باہمی مشورہ سے کیا جاتا  
تھا نیز خلیفہ کا انتخاب مجمع عام میں ہونا چاہئے "۔

خلافت راشدہ کی خصوصیات پر بھی نظر ڈالنا  
ضروری ہے ۔ جن اصول حکمرانی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم  
ہوئی تھی آپ کے بعد خلفائے راشدین کی حکومت بھی انہیں اصولوں پر

۱۔ صحیح بخاری شریف ۔ کتاب الاحکام

۲۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۵۲ شاہد حسن رزاقی ۔ ادارہ ثقافت  
اسلامیہ پاکستان ۔ ۱۹۵۷ء

۳۔ صدیق اکبر ص ۱۰۹ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی ۔ ندوۃ المصنفین

دہلی ۔ ۱۳۸۱ھ  
۱۹۶۱ء



قائم رہی ۔ حضور نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن لیکن مسلم معاشرہ نے یہ محسوس کر لیا کہ اسلام خلافت کے فیصلہ کے لئے ایک "شوری کا تقاضا کرتا ہے" لہٰذا چنانچہ "یہاں نہ کسی خاندانی بادشاہی کی بنا ڈالی گئی نہ کوئی شخص طاقت استعمال کر کے برسرِ اقتدار آیا نہ کسی نے خلافت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کی بلکہ یکے بعد دیگرے جارِ اصحاب کو لوگ اپنی آزادی مرض سے خلیفہ بنائے چکے تھے اس لئے تاریخ اسلام کی اصطلاح میں اس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے ۔

خلافت راشدہ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں منصب رسالت پر متوازن طور پر عمل کیا گیا ۔ اس عہد خلافت کے چاروں خلفاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی تھے اور خلافت و رسالت کے اس مفہوم اور باہمی ربط سے بخوبی واقف تھے اور خلافت کے اس مفہوم کی تکمیل و ہی کو وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے ۔

خلافت راشدہ کے زمانے میں حکومت کے تمام امور کتاب و سنت کی روشنی میں طے کئے جاتے تھے ۔ اگر ان دونوں میں کوئی حکم نہیں ملتا تو اجتہاد و رائے سے کام لیتے تھے لہٰذا کسی بھی حالت میں دین کی روح اور اصل کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے ۔ پھر امت کے لئے جو جملہ چیز ضروری سمجھتے تھے اس کو اپنی رائے کے مطابق بروئے کار

لہٰذا ۔۔ خلافت و ملوکیت ص ۸۳ ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ۔ اسلامک پبلیشیز لمیٹڈ ۔ ۱۹۶۶ء

لہٰذا ۔۔ خلافت و ملوکیت ص ۸۳ ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ۔ اسلامک پبلیشیز لمیٹڈ ۔ ۱۹۶۶ء

لہٰذا ۔۔ سیاست شرعیہ ص ۲۲ مولانا رئیس احمد جعفری ندوی ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۹ء

لاتے تھے ۔

خلافت راشدہ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ ان کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا ان کی زندگی شریعت مقدسہ کے سانچے میں اس طرح ڈھل گئی تھی کہ کہیں سے کوئی خاوی نظر نہیں آتی تھی وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتے تھے ۔ ان کا فرض تھا کہ وہ ملک میں امن و امان قائم کریں ۔ قوم و ملک کی خوشحالی و ترقی اور فلاح و بہبودی کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کریں ۔ انصاف میں کوئی امتیاز نہ برتیں اور اعمال کی پاکیزگی کا اہتمام کریں ۔

خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت " اخوت " تھی یعنی تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔ آقا اور غلام ۔ سیاہ و سفید امیر و غریب اور عربی و عجمی سب اس اخوت اسلامی کے دائرہ میں برابر درجہ رکھتے تھے اصل چیز تقویٰ تھی لہ

خلفائے راشدین کی عدل پروری کا یہ ثمرہ تھا کہ پورے ملک میں کہیں خلفشار اور جوہر و ظلم کا چرچہ نہ تھا کہ ۔ خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت غیر مسلموں کے ساتھ رواداری تھی ۔ قرآن کا واضح حکم ہے ۔ " لا اکراه فی الدین ( دین میں کوئی زبردستی نہیں ) " لہ

لہ ۔ خلافت و سلطنت ص ۱۳ ۔ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی ۔ جہیتہ الفلاح ۱۹۶۳ء

کہ ۔ اسلام کا نظام امن ۔ ص ۱۰۲ ۔ محمد ظفر الدین مفتاحی ۔

مفتاح العلوم اعظم گڑھ ۔ ۱۳۸۵ھ  
۱۹۶۶ء

کہ ۔ البقرہ ع ۲ ۔

اس کے مطابق اپنے دین و مذہب یا تہذیب و تمدن کو دوسروں پر مسلط کرنے کو جائز نہ سمجھتی تھی۔ اس طرح اس نے غیر مسلموں کے جان و مال کا تحفظ۔ مذہبی آزادی وغیرہ کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تھی۔ عدل و انصاف اور شہری حقوق وغیرہ میں بھی مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہ برتا جاتا تھا۔

چونکہ یہ خلافت منتخب خلیفہ کے ہاتھ میں ایک امانت تھی لہذا یہ خلیفہ آقا نہیں تھا بلکہ رجت کا خادم تھا جو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے امور مملکت احکام شریعت کے مطابق انجام دیتا تھا۔ اس کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ اپنے ذاتی کاروبار میں صرف کرے۔

اسلامی ریاست کے شہریوں کے لئے کہ "اس جماعت کے ساتھ اطاعت و وفاداری کی وابستگی خود اسلام کے ساتھ وفاداری کے لئے شرط لازم تھی۔" ۱

اسلامی ریاست کے شہریوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت کوین اگر اطاعت سے انحراف کرتے ہیں اور اسی میں ان کی موت ہو جائے تو ان کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ حدیث نبوی میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

"عن ابن عباس عن النبی قال من کره من امیرہ  
شیئا قلبصر فانه من فرج من السلطان شہرامات  
میتہ جاہلیتہ"

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن

۱۔ اسلامی ریاست ص ۷۷ امین احسن اصلاحی۔ مکتبہ جماعت اسلامی

پاکستان ۱۹۵۰ء

۲۔ اسلامی ریاست ص ۷۷ امین احسن اصلاحی۔ مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان

جس شخص کو اپنے امیر کی بات ناگوار گزرے تو اس کو چاہئے صبر کرے کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا لے

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بالکل ثابت ہو گئی کہ خلافت راشدہ محض ایک سیاسی حکومت نہ تھی بلکہ پیغمبر کی نیابت اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب بڑا درجہ اور مرتبہ رکھتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ صدیق -

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جانشین رفیق حضرت ابوہریرہ صدیق آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ آپ کا نام عبداللہ - ابوہریرہ کنیت اور عتیق و صدیق لقب تھا والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی - والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی - آپ قریش کی قبیلہ بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے جھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت سے مل جاتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری شریف - کتاب الفتن -

۲۔ خلافت و ملوکیت ص ۱۰۵ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ - ۱۹۶۶ء

۳۔ خلفائے راشدین ص ۴ شاہ حسین الدین احمد ندوی - ہارف اعظم گڑھ ۹۳ ع ۱۹۷۳

۴۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوہریرہ - جلد سوئم - ص ۱۱۹

"صدیق اکبر" میں آپ کی تاریخِ پیدائش کی تفصیل ملتی ہے "حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ولادت عام فیل کے ڈھائی برس بعد ہوئی یعنی سن ہجری کے آغاز سے پچاس برس چھ مہینہ قبل۔ آپ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم و بیش تین برس چھوٹے تھے اس حساب سے ۵۷۱ء آپ کا سن پیدائش قرار پاتا ہے۔

آپ شروع سے ہی نیک فطرت تھے یہی وجہ تھی کہ جتنی برائیاں اس وقت عرب میں رائج تھیں آپ کا دامن اخلاق ان سے پاک تھا اور اسی وجہ سے آپ کو احتوام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

آپ چونکہ طبیعت کے نرم دل تھے تو آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی تھی پھر آپ اور حضور ہم عمر ہی تھے جب حضور نے اسلام کی دعوت دی تو آپ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر ہر جگہ اسلام کی تبلیغ میں اور تمام غزوات میں آپ با برابر حضور کے ساتھ رہے۔ حضرت عثمان - حضرت زبیر بن عوام - حضرت عبدالرحمن

بن عوف - حضرت سعد بن ابی وقاص - حضرت عبیدہ بن جراح - حضرت

عثمان بن خطعمون جیسے اکابر سلاطین اسلام آپ ہی کی کوششوں سے اسلام لائے۔ انکو غلاموں کو جو اسلام لا چکے تھے اور مشرک اقائون کے ظلم کا شکار تھے آپ نے خرید فرما کر آزاد کیا ان میں بلال زید بن حارثہ -

عامر بن فہیرہ - ابوفکیہ اور یاسر وغیرہ ہیں۔

۱۔ صدیق اکبر ص ۲ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی - ندوۃ الصنفین

دہلی ۱۳۸۱ھ  
۱۹۶۱ء

۲۔ تاریخ اسلام حصہ اول ص ۱۳ شاہ معین الدین احمد ندوی -

ہارف - اعظم گڑھ ۱۹۶۶ء

۳۔ صدیق اکبر ص ۵ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی ندوۃ الصنفین دہلی ۱۳۸۱ھ

واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ آپ کی خلافت کا زمانہ اسی سے متعلق ہے یہیں سے آپ نے خلافت کا منصب سنبھالنا آنحضرت کی وفات کے بعد انصار سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہوئے جن کا مقصد یہ تھا کہ باہمی مشورہ سے انصار میں آپ کا جانشین منتخب کر لیں۔ لہ

اس جماعت نے آپ کی وفات کے بعد بہت ہی ہنگامہ مچایا اس کی وجہ یہہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا اس کی وجہ یہہ تھی کہ خلافت موروثی نہ تھی بلکہ باہمی مشورہ سے اس کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ابھی آپ کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہوئی تھی کہ ان لوگوں نے اودھم مچا کر شروع کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ آپ کی جانشینی کے ہم مستحق ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن ابیراحہ کو لیکر ہر وقت وہاں پر پہنچ گئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے نہایت نرمی سے ان لوگوں کو سمجھایا اور بڑی جامع و مانع تقریر کی۔ "مجھے تم لوگوں کے فضائل مناسب اور خدمات اسلاف سے انگار نہیں لیکن عرب قریش کے علاوہ کسی بھی قبیلہ تسلیم نہیں کر سکتے پھر مہاجرین اپنے قدم فی الاسلام اور آنحضرت کے ساتھ خاندانی تعلق کی بناء پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ابو عبیدہ اور ابن عمر الخطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر بیت چاہو کرلو"۔ لیکن حضرت عمرؓ اگے بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ بیعت خاصہ تھی جو چند مسلمانوں نے کی تھی جو سقیفہ میں موجود تھے۔ لہ

- 
- ۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۳ مولوی محمد علیم اللہ۔ ندوۃ الصنفین دہلی۔ ۱۳۷۸ھ
- ۲۔ صدیق اکبر ص ۹۳ پروفیسر سعید اکبر آبادی۔ ندوۃ الصنفین دہلی ۱۳۸۱ھ
- ۳۔ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۱۸۔
- ۴۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۶ مولوی محمد علیم اللہ۔ ندوۃ الصنفین

سقیفہ بنی ساعدہ میں تو چند لوگوں نے بیعت کی تھی  
 حضور کی وفات کے دوسرے دن ۲۸ مئی ۶۳۲ء میں مسجد نبوی میں بیت عامہ  
 کا انتظام کیا گیا۔ پہلے حضرت عمر نے تحریر کی اور حضرت ابوبکر کے  
 تمام فضائل کا ذکر کیا اور بتایا کہ آپ حضور کے قریبی ساتھی ہیں حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے محبت تھی حضرت ابوبکر اس وقت جب کہ  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا تھا ساتھ تھے اور رفیق  
 غار رہے "کہ تمہارے معاملات صحیح طور پر ابوبکر ہی طے کر سکتے ہیں  
 تم کھڑے ہو اور بیعت کرلو اس کے بعد حضرت عمر نے ابوبکر کو اشارہ کیا  
 کہ آپ منبر پر تشریف لائے مگر آپ نے جنش نہ کی کئی مرتبہ کہنے کے بعد  
 آپ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں نے بیعت کر لی۔ چونکہ یہ عوام کی بیعت  
 تھی اس لئے "بیعت عامہ" کہلائی۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی بنیاد جمہوریت کے اصول  
 پر قائم تھی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی امور میں  
 قائم مقامی کی خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد آپ نے عوام کو ان الفاظ  
 سے مخاطب کیا "لوگوں میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری  
 جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری  
 اطاعت کرو اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو" سچائی امانت ہے

۳۸۱  
 ۱۹۹۱ء  
 ۱۔ صدیق اکبر ص ۶۶ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی۔ ندوۃ المصنفین دہلی  
 ۲۔ بیہان غار ثور سے متعلق اشارہ ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی تو کفار مکہ نے پیچھا کیا تو آپ نے  
 اسی غار میں پناہ لی تھی اور حضرت ابوبکر آپ کے ساتھ تھے۔

۳۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۔

۴۔ صدیق اکبر ص ۶۶۔ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی۔ ندوۃ المصنفین

دہلی۔ ۱۳۸۱ھ

۱۹۶۱ء

T 1584



اور جھوٹ خیانت - تمہارا ٹھیکہ فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے - یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق نہ دلا دوں - اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ٹھیکہ ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کر لوں - یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ جھوٹ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بد کاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو - اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں ہے

اب حضرت ابوبکر صدیق کے کارناموں کا جائزہ لینا ہے کہ آپ نے قلیل مدت خلافت میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے - حضرت ابوبکر کا دستور وائین وہی تھا جس کی داغ بیل حضور نے اپنی زندگی میں ڈالی تھی - اسلامی حکومت یا خلافت کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہوتی ہے - اس بناء پر حضرت ابوبکر کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش آتا تو قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے ان دونوں میں کوئی حکم نہ ملتا تو مسلمانوں کی شوری طلب فرماتے ان میں سے اگر کسی کو کوئی حدیث یاد ہوتی تو پڑھ کر سنا دیتا اگر کسی کو حدیث یاد نہ ہوتی تو پھر اہل رائے حضرات سے مشورہ لیتے تھے - آپ نے اپنے کچھ ساتھیوں سے جو مدبر و سیاست میں امتیاز رکھتے تھے جب کوئی معاملہ پیش آتا انہیں سے مشورہ کرتے تھے - ان میں حضرت عمر - حضرت عثمان - حضرت علی - حضرت عبدالرحمن بن عوف - معاذ بن جبل - ابی بن کعب اور زید بن ثابت جن کی مجلس مشورت طلب کرتے تھے

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۹ -

۲۔ " ایضاً " ۱۵۹



اگرچہ آپ کی مدت خلافت کل دو برس تین مہینے تھے  
 اس مدت میں آپ نے اسلامی مملکت کے استحکام میں کافی جدوجہد کی ۔  
 آپ نے آج کل کی مہذب اور ترقی یافتہ حکومتوں کی طرح پوری مملکت کو  
 مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان میں سے ہر ایک  
 کے لئے جدا جدا حاکم مقرر کئے تھے تاکہ آپ کے نظم و نسق اور ہاملات  
 حکومت و ریاست میں وہی سادگی پائی جاتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے زمانے میں پائی جاتی تھی ۔

مالی نظام کے سلسلے میں جو طریقہ حضور کا تھا  
 وہی آپ نے اپنایا ۔ مثلاً آمدنی کے ذرائع کیا کیا تھے پھر ان کا حصیت  
 صرف کیا تھا یہ ساری چیزیں آپ نے اپنے دور خلافت میں انجام دیں ۔  
 آپ کے زمانہ میں زکوٰۃ ۔ عشر ۔ جزئہ اور غنیمت کی آمدنی میں بڑا اضافہ  
 ہو گیا تھا ۔

فوجی نظام کے سلسلے میں ذرا فرق تھا ۔ حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم فوج کی قیادت خود فرماتے اس کا ہاتھ خود کیا  
 کرتے تھے ۔ لیکن حضرت ابو بکر جنگ میں خود شریک نہیں ہوا کرتے تھے ۔  
 بلکہ آپ کی حیثیت جنگ کے معاملے میں وزیر جنگ کی سی تھی لیکن اس  
 بات کا ضرور خیال کرتے کہ مشتبہ لوگوں کو جنگ میں شریک نہ کریں ۔

آپ کا معمول تھا کہ جب فوج جنگ کے لئے روانہ  
 ہوتی تو آپ کافی دور تک پیادہ اس کے ساتھ جاتے لوگوں کا اصرار  
 بھی ہوتا کہ آپ سوار ہو جائیں لیکن آپ اس کو گوارہ نہ کرتے اور جب  
 فوج روانہ ہوتی تو بڑے موثر انداز میں مختلف ہدایتیں دیتے ۔ اسی وجہ سے

---

۱۔ صدیق اکبر ص ۳۱۸ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی ۔ ندوۃ المصنفین

دہلی ۱۳۸۱ھ

۱۹۶۱ء

ایضاً

ایضاً

ص ۳۱۹

ایضاً

۱۔

پوری فوج میں کبھی اخلاقی ابتری پیدا نہیں ہوئی ۔ آپ کی ہدایت تھی کہ بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر تلوار نہ اٹھانا نیز کسانوں کے کھیت اور باغات تباہ و برباد نہ کئے جائیں وغیرہ ۔

سزاؤں کے معاملے میں بھی آپ رحم دل اور ہمدردی سے کام لیتے تھے یعنی جب تک جرم فاش نہ ہو جاتا اس وقت تک آپ کوشش کرتے کہ مجرم سزا سے بچ جائے ۔ اگر جرم کی نوعیت شدید ہوتی تو پھر آپ گلا اسکو ہاف نہیں کرتے بلکہ سخت سزا دیتے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو ۔ حد زنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ غیر شادی شدہ کو کھڑے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ ہو تو سنگسار کر دیا جائے " حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اپنے زمانے میں ایسا ہی کیا ایک واقعہ پیش آیا تو سزا دی " لے

آپ نے اپنے مدت خلافت میں دینی خدمات بھی انجام دیں ۔ آپ کی برابر یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں میں اسلام اپنی اصل شکل پر قائم رہے ۔ جب آپ نے منصب خلافت سنبھالا اس وقت جو تقریر کی تھی ( جسکی تفصیل اصرار گزر چکی ہے ) اس میں کہا تھا کہ خلیفہ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ پیغمبروں کی طرح اس پر وحی نہیں آتی چنانچہ امت اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اس پر خاموش نہ رہے اور خلیفہ کی اصلاح کرے ۔ ایک دفعہ آپ کو کسی نے " خلیفۃ اللہ " کہہ کر پکارا تو آپ نے اس کی فورا اصلاح کر دی کہ میں اللہ کا نہیں بلکہ رسول اللہ کا خلیفہ ہوں " لے

لے از لہذا انحقا حصہ دوم ص ۳۸ ۔ شاہ ولی اللہ ۔ تاجران کتب کراچی ۔

لے ۔ ابوہریرہ صدیق اکبر ص ۲۲۰ محمد حسین ہیکل ۔ ترجمہ شیخ محمد

احمد پانی پتی ۔ مکتبہ جدید ۔ لاہور ۱۹۶۹ء

قران تفسیر حدیث فقہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے آپ سے قران کی جمع و ترتیب کے لئے کہا پہلے آپ نے انکار کیا کہ گرجس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو میں کیسے کر سکتا ہوں لیکن ان کے بار بار اصرار پر حضرت ابو بکر صدیق کے ذہن میں یہ بات آگئی اور زید بن ثابت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے قران شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کو بھی عذر ہوا لیکن پھر بات سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا کہ

ذاتی حیثیت سے آپ بڑے نرم دل۔ خاکسار۔ متواضع اور زہد و تقویٰ کا مجسم پیکر تھے اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق افلاق برائیوں سے پاک تھا۔ خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے خلافت کا بار سنبھالنے کے بعد تجارت چھوڑ دی اور بیت المال سے بقدر کفالت روزیہ مقرر ہو گیا۔ سارا وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتے لگے۔ زید و عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں خدا کی یاد میں گزر جاتی تھیں۔ اور اکثر دن روزوں میں گزر جاتے تھے۔ آپ اپنی ان ہی خصوصیات کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ آپ کا دور "خلافت ۱۱ھ - ۹۳۲ء" سے شروع ہوا۔ ۱۳ھ - ۶۳۲ء پر ختم ہوا کہ

۱۔ تاریخ الاسلام ص ۱۵۶ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ہارف

اعظم گڑھ - ۱۹۶۶ء

۲۔ بخاری شریف جلد ۳ ص ۲۵۔

۳۔ مسلمانوں کا نظم مملکت مولوی محمد علیم اللہ ندوہ المصنفین

دہلی - ۱۳۷۸ھ

۱۹۵۸ء

اتوار کے دن جمادی الاخریٰ ۱۲ھ کی ساتویں تاریخ کو بخار ہوا پندرہ

دن چڑھا رہا۔ طصف اتنا شدید ہو گیا کہ باہر نماز کے لئے نہیں جا سکتے تھے تو حضرت عمروؓ کو امامت کا حکم دیا ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲ھ بروز دو شنبہ مغرب اور عشاء کے درمیان وفات ہوئی ۱۲ھ

### حضرت عمروؓ

فوت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق کو سب سے زیادہ یہ فکر تھی کہ مسلمانوں کے مستقبل کا کیا ہو گا۔ تمام بچھلے واقعات ان کے سامنے تھے سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کا جھگڑا خلافت کے لئے وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے سوچا کہ اپنی زندگی میں آئندہ ہونے والے خلیفہ کو نامزد کر دوں چنانچہ اس کے لئے چند صحابہ کو مشورہ کے لئے بلایا "سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج یہ سختی ہے آپ نے فرمایا ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا جب کام پڑے گا تو خود نرم ہو جائیں گے۔ ۱۲ھ

اس کے بعد عثمان بن عفان کو بلایا کہ عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا عمر کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے ۱۲ھ ان دونوں کے مشورہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ "سعید بن زید۔ سید بن حضیر اور دیگر مہاجرین و انصار سے بھی مشورہ کیا۔

---

۱۲ھ۔ صدیق اکبر ص ۲۹۷ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی۔ ندوۃ المصنفین ۱۳۸۱ھ

دہلی۔

۱۹۶۱ء

۱۲ھ۔ الفاروق ص ۷۱ مولانا شبلی نعمانی۔ ہارف اعظم گڑھ ۱۹۹۱ء

۱۲ھ۔ الفاروق جلد اول ص ۷۱ مولانا شبلی نعمانی۔ ہارف اعظم گڑھ ۱۹۹۱ء

۱۲ھ۔ ابن ابوبکر صدیق اکبر ص ۲۲۷ محمد حسن ہیکل توجہ شیخ محمد

احمد پانی پتی۔ مکتبہ جدید۔ لاہور۔ ۱۹۶۱ء

سب نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور انہیں اس منصب کا اہل بتایا "۔ لے  
سب کو مطمئن کرنے کے بعد " حضرت عثمان کو بلا کر عہد نامہ خلافت  
لکھوانا شروع کیا چند الفاظ لکھے گئے تھے کہ غشی طاری ہو گئی حضرت  
عثمان نے بیہہ دیکھ کر حضرت عمر کا نام اپنی طرف بڑھا دیا تھوڑی دیر  
بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا پڑھ کر سناؤ انہوں نے پڑھا بیساختہ  
منہ سے نکلا اللہ اکبر خدا تمہیں اس کا اجر دے " لے

اس کے بعد آپ نے حضرت عمر کو بلایا اور بہت  
سی نصیحتیں کیں جب عمر جلے گئے تو دعا مانگی کہ میری نیت امت کی  
فلاح و بہبودی کی ہے لے

### حضرت عمرؓ

جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت عمر ان کے جانشین  
ہوئے لے آپ کا نام عمر اور فاروق لقب " آپ قریش کے قبیلہ بنی عدی  
سے تعلق رکھتے تھے اٹھویں پشت پر آپ کا نسب حضور سے مل جاتا ہے " لے  
حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے ۲۰ برس قبل پیدا ہوئے لے

حضرت عمر کے زمانے میں فتوحات کی کثرت محاصل  
کی فرادانی - انتظامات کی خوبی - جو روظلم کا انسداد - عدل و انصاف اور  
امن و امان کے قیام - ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ الباری وغیرہ کو  
اہمیت حاصل ہے - آپ کے زمانے میں " ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتیں

---

لے - مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۹ مولوی محمد علیم اللہ - ندوہ المصنفین  
۱۳۷۸ھ  
دہلی - ۱۹۵۸ء

لے - خلفائے راشدین ص ۵۰ شاہ حسین الدین احمد ندوی - معارف اعظم گڑھ  
لے - مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۸ مولوی محمد علیم اللہ - ندوہ المصنفین دہلی  
لے - تاریخ اسلام ص ۱۵۸ شاہ حسین الدین احمد ندوی معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۶ء  
لے - الفاروق جلد اول ص ۲۲ - مولانا شبلی نعمانی معارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء  
لے - ایضا ص ۲۶ ایضا ایضا

حق کے سامنے سرنگون ہو گئیں اور ہندوستان کی سرحد سے لیکر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرائے لگا لگا قیصر و کسری کی وسیع سلطنتیں ختم ہو کر عرب میں مل گئیں۔

فتوحات سے برتر حضرت عمر کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسا ائین و حکومت مرتب کیا کہ اور عادلانہ نظام قائم کیا جو مسلمانوں کی ترقی کا ضامن تھا جسے تو حکومت اسلامی کی بنیاد حضرت ابو بکر کے زمانہ میں پڑ چکی تھی لیکن صحیح ہنوں میں اسلامی فلاحی حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔

"حضرت عمرؓ بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری

حکومت کی بنیاد ڈالی"۔ اور جو چیزیں جمہوری حکومت کی روح ہیں وہ سب اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس میں مجلس شوریٰ کو اہمیت حاصل تھی اس میں کوئی کام بغیر صحابہ کے مشورہ سے انجام نہ پاتا تھا جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو شوریٰ کی مجلس منعقد کی جاتی تھی اس زمانے میں دو گروہ مہاجرین اور انصار کے تھے جن کے ارکان مجلس شوریٰ میں شریک ہوتے تھے۔ یہ وہ ارکان یہ تھے۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ حضرت ہاذ بن جہل۔ حضرت ابی بن کعب۔ حضرت زید بن ثابت۔ یہ مجلس کے انعقاد کا طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے

۱۔ تاریخ اسلام ص ۲۰۰ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ہارف اعظم گڑھ ۱۹۶۶ء

۲۔ الفاروق حصہ دوم ص ۱۲ مولانا شبلی نعمانی۔ ہارف اعظم گڑھ

۳۔ ایضاً ص ۱۲ ایضاً

۴۔ الفاروق جلد ۲ ص ۱۵ مولانا شبلی نعمانی ہارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء

۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۶۔ کتاب الخراج جلد ۳ ص ۱۳۲۔ قاضی ابویوسف مطبع حیدرآباد

ایک منادی " الصلوہ جامعہ " کا اعلان کرتا تھا لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمر دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث پیش کرتے اس کے بعد ہر ایک کی رائے معلوم کرتے لے

جمہوری حکومت کا مقصد یہہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی حاصل ہو۔ حقوق میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہو۔ حضرت عمر کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتا تھا۔

نظام حکومت کے سلسلے میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے "لکہ اسلام میں حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتداء کی "لکہ آپ نے ممالک قبضہ کو اٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ ہر۔ فلسطین۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے خراسان اذربائیجان۔ فارس۔ ہر صوبہ میں مختلف امور مملکت کی انجام دہی کے لئے حکام مقرر تھے۔

خلیفہ کا سب سے بڑا فرض قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت کرنا ہے حضرت عمر نے اس فرض کو کمال تدبیر سے انجام دیا ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے حضرت عمر نے پولیس کا محکمہ قائم کیا جن کو ہدایت تھی کہ ملک میں بد نظمی نہ پھیلے دکاندار ناپ

---

لہ۔ - خلفائے راشدین ص ۱۳۳ شاہ معین الدین احمد ندوی ہارف اعظم گڑھ  
۱۲۹۶ھ  
۱۹۲۳ء

لکہ۔ - الفاروق جلد ۲۔ ص ۲۲ مولانا شبلی نعمانی ہارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء

لکہ۔ - خلفائے راشدین ص ۱۳۵ شاہ معین الدین احمد ندوی ہارف اعظم گڑھ ۱۲۹۶ھ  
۱۹۲۳ء

لکہ۔ - الفاروق جلد (۲) ص ۲۳ مولانا شبلی نعمانی۔ ہارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء

لہ۔ - خلفائے راشدین ص ۱۳۵ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ہارف اعظم گڑھ  
۱۲۹۶ھ

۱۹۲۳ء

تول میں کوئی نہ کریں۔ کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادنا جائے اس کے علاوہ اور بہت سے امور تھے جن کی نگرانی سے عوام کا مفاد پورا ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں جیل خانہ تعمیر کروایا۔ حضرت عمر کے عہد خلافت میں بیت المال کی کوئی عمارت نہ تھی حضرت ابو بکر نے ایک مکان مخصوص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند ہی پڑا رہتا تھا حضرت عمر نے اس کی ضرورت محسوس کی چنانچہ ۱۵ھ میں مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بیت المال قائم کیا گیا۔ جتنی بھی آمدنی مختلف مدات سے ہوتی اس میں جمع کر دی جاتی اور ضرورت کے وقت مملکت کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا۔

آپ کے زمانہ خلافت میں تعمیرات کو عروج حاصل ہوا۔ عمارتیں رفاہ عام کے لئے سڑکیں۔ پل اور مسجدیں تیار کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے تعمیر ہوئے۔ مسافروں کے لئے سرائیں بنائی گئیں۔ فوجی انتظامات پر بھی کافی زور دیا گیا۔ لشکریوں کی بیوی بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے۔

آپ کا یہ بھی کارنامہ ہے کہ آپ نے ﷺ نہرین کھدوائیں۔ نہر معقل۔ نہر سعد۔ نہر امیر المومنین آپ ہی نے تیار کرائیں کہ سب سے بڑی خوبی جس نے ان کی حکومت کو مقبول بنایا ان کی عدل پروری تھی دوست دشمن کا فرق نہ تھا شاہ و گدا۔ شریف و رذیل۔ غنیز و بیگانہ سب کے لئے ایک ہی قانون تھا۔ رفاہ عام پر زور ملتا ہے۔

۱۔ خلفائے راشدین ص ۱۲۱ شاہ مہین الدین احمد ندوی۔ ہارف

اعظم گڑھ - ۱۳۹۳ھ  
۱۹۷۳

۲۔ الفاروق جلد ۲ ص ۸۰ مولانا شبلی نعمانی ہارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء



لا وارث بچوں کی دیکھ بھال پر آپ نے نہ صرف کافی زور دیا۔ بلکہ یتیموں کا خیال رکھنے کی تعلیم دی آپ نے ذمیوں کے حقوق پر بھی پوری توجہ فرمائی

اشاعت اسلام پر بھی آپ نے کافی زور دیا لیکن یہ نہیں کہا کہ کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان بناؤ۔ بلکہ اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اس کے اصول بتا کر اس کی طرف راغب کیا جائے۔ اشاعت اسلام کے بعد قرآن کا جمع اور اس کی ترتیب اور تمام ممالک میں اس کی تعلیم عام کرنا آپ کی زیر نگرانی میں ہوا۔ حضرت ابوبکر کے زمانے خلافت میں جب مسلمان صلابہ جو کہ حفاظ بھی تھے شہید ہونے لگے تو حضرت عمر کو تودد ہوا کہ اگر سب حفاظ شہید ہو گئے تو قرآن محفوظ نہ رہے گا لہذا ابوبکر نے کچھ تامل کے بعد حضرت زید بن ثابت کی زیر نگرانی میں قرآن کو جمع کیا اس کے بعد اس پر زور دیا گیا کہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ قرآن حکیم کو حفظ کریں تاکہ تحریف کے امکان کا سدباب ہو جائے۔ اعراب اور الفاظ کی صحت محفوظ رکھی جائے۔ قرآن مجید کے بہت سے نسخے مملکت اسلامیہ میں بھیج دیئے۔

حدیث کی اشاعت میں بھی آپ نے کافی کاوش کی صحابہ کی کثیر تعداد کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ فقہ میں بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ اکثر تقریروں میں فقہی مسائل بیان فرماتے تھے اور دور دراز ممالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ بھیجتے تھے۔

آپ اخلاق اسلامی کا نمونہ تھے۔ حق پرستی۔ راست گوئی نواضع اور سادگی آپ کے نمایان جوہر تھے جو شخص آپکی صحبت میں بیٹھتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ خدا کا خوف اس درجہ غالب تھا کہ رات رات بھر نمازین پڑھتے تھے اکثر ایسی سورتیں

نماز میں پڑھتے جس میں قیامت کا ذکر ہوتا اور ان کو پڑھ کر روتے روتے  
ہجکی بندھ جانی ۔

قناعت کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ کو کچھ دیا جاتا  
تو آپ فرماتے کہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند لوگ موجود ہیں غرض آپ نے  
اپنی ساڑھے دس سال کی حکومت میں آپ نے وہ وہ کارنامے انجام دیئے جو  
اسلامی تاریخ میں سنہریں الفاظ میں لکھے جائیں گے ۔

حضرت عمر کی وفات کا بھی عجیب و غریب واقعہ ہے  
ایک دفعہ ایک پارسی غلام ابولولو آپ کے پاس آیا محصول کی زیادتی کی  
شکایت کی آپ نے اس کا پیشہ پوچھا اور کہا کہ یہ محصول تمہارے پیشے  
کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہے پھر وہ غلام یہ کہہ کر چلا گیا کہ مسجد  
لونگا دوسرے دن آپ مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے یہ غلام زہرالود خنجر  
چھپائے کھڑا تھا جیسے ہی آپ مسجد میں داخل ہوئے اس نے چھ وار  
آپ پر کئے اس کے بعد عبدالرحمن بن عوف نے نماز پوری کی نمازی پکڑنے  
کے لئے دوڑے ان کو زخمی کیا اور گھر جا کر اس خنجر سے اپنے آپ کو بھی  
ختم کر لیا ۔ تیسرے دن آپ نے پوچھا کہ مجھ کو کس نے زخمی کیا صحابہ  
نے جواب دیا ۔ ابولولو نے آپ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے خون سے  
کسی مسلمان کے ہاتھ الودہ نہیں ۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن محرم الحوام  
۲۲ھ کو شنبہ کے دن اس دنیا کو خیرباد کہا انتقال کے وقت ۶۳ سال  
کی عمر تھی حضرت عمر کے دور خلافت کی مدت ۱۳ھ ۔ ۶۳۲ء تا ۲۳ھ  
۶۴۲ء ہے ۔ کہ

---

۱۔ تاریخ اسلام ص ۱۹۹ ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی ۔ ہارف  
اعظم گڑھ ۔ ۱۹۶۶ء

۲۔ مسلمانوں کا نظام مملکت ص ۴۵ محمد علیم اللہ صدیقی ۔

ندوہ المصنفین ۔ دہلی ۔ ۱۳۷۸ھ  
۱۹۵۸ء

حضرت عثمان -

حضرت عمر کی شہادت کے بعد جانشینی کا سوال پیدا ہوا۔ لوگوں نے آپ سے فرمائش کی کہ اپنا جانشین بنا دیجئے۔ آپ نے جواب دیا کسکو بناؤں۔ اگر ابو عبیدہ بن جراح آج زندہ ہوتے تو انہیں جانشین بنا دیتا۔ اگر ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیتا۔ آپ کی وفات کو تین دن گزر گئے لیکن جانشین کا انتخاب عمل میں نہ اسکا یہ حالت دیکھ کر عبدالرحمن بن عوف نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کون کون اس منصب سے دست بردار ہوتا ہے یہ منصب مجھ سے بہتر شخص کے سپرد کیا جائے اس کا کسی نے جواب نہ دیا سب لوگ خاموش رہے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنا نام واپس لیا اس کے بعد حضرت عثمان نے بھی اپنا نام واپس لے لیا۔ حضرت علی خاموش رہے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے یقین دلاؤ کہ حق و انصاف کے لئے ایثار کرو گے۔ نفسانی خواہشات کی پابندی نہ کرو گے۔ عبدالرحمن بن عوف نے وعدہ لیا کہ میں جس کا نام تمہارے سامنے لوں اس کی خلافت تسلیم کر لو گے۔

اس کے بعد صبح کی نماز کے وقت مسجد میں شریف لائے اور لوگوں کے اجتماع میں عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا کہ اپنے شہر جانے سے پہلے اپنے امیر کو معلوم کر لیں۔ اس وقت حضرت علی اور حضرت عثمان کے لئے حامیوں میں اختلاف پیدا ہو گئے حضرت عثمان کا انتخاب عمل

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۲۵ محمد علیم اللہ صدیقی -

ندوہ الحنفین دہلی - ۱۳۷۸ھ

۱۹۵۸ء

ایضا

ایضا ص ۲۳

۲۔

ایضا

ایضا

۳۔

میں آگیا لیکن اس وقت سے حضرت عثمان اور حضرت علی یا دوسرے الفاظ  
میں بنی ہاشم اور نبواحہ کے دلوں میں گروہ پڑ گئی تھی۔

”عثمان نام ابو عبد اللہ اور ابو عمر کنیت۔

ذوالنورین لقب والد کا نام عقیقہ - والدہ کا نام اروی تھا - حضرت عثمان کا  
سلسلہ پانچویں پشت میں عہد مناف پر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے  
مل جاتا ہے۔

آپ نے بھی کچھ کارہائے نمایاں انجام دیئے  
جس کی وجہ سے آپ بہت مشہور ہوئے - آپ کے زمانے میں کثرت سے بغاوتیں  
ہوئیں لیکن آپ نے ان تمام بغاوتوں کو نہایت دانش مندی سے فرد کیا -  
آپ کے زمانے میں بھی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا - بحری فتوحات  
کا آغاز حضرت عثمان کے عہد خلافت سے ہوا کہ نظام خلافت حضرت عمر  
ہی کے عہد میں مکمل ہو چکا تھا حضرت عثمان نے اسکو برقرار رکھا البتہ  
انتظام میں ضروریات کی وجہ سے کچھ تبدیلیاں کیں - اسلای حکومت کی  
ابتداء شوری سے ہوئی جسکو فاروق اعظم نے اسکو زیادہ مکمل اور منظم کر  
دیا حضرت عثمان نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا -  
اور عمال کی اس مجلس شوری ترتیب دی اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری  
رائیں طلب کی جاتی تھیں -

صوبوں کی تقسیم وہی رہی جو عہد فاروقی میں  
تھی باقی رہی البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا ایک  
صوبہ بنا دیا گیا تھی۔

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۲۳ محمد عظیم اللہ صدیقی ندوہ الصنفین

دہلی - ۱۳۷۸ھ  
۱۹۵۸ء

۲۔ خلفائے راشدین ص ۱۸۳ شاہ معین الدین احمد ندوی - ندوہ الصنفین

۱۳۹۳ھ  
۱۹۷۳ء

۳۔ دہلی ایضاً ص ۲۳۹ ایضاً

۴۔ تاریخ اسلام ص ۲۹۰ شاہ معین الدین احمد ندوی - ندوہ الصنفین ۱۹۹۶ء

فارق اعظم نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا حضرت عثمان نے اس کو اسی طرح باقی رکھا ۔

حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا مختلف عمارتیں قائم ہوئیں ث رفاہ عام کے لئے سرائیں ۔ ہل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں ۔ مسافروں کے لئے مہمان خانے تیار کروائے گئے ۔ حضرت عثمان نے مدینہ کے راستہ پر موقع موقع سے چوکیاں سرائیں تعمیر کرائیں ۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں ہے حضور نے زمانے میں مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ لگی کم ہو گئی تھی تو آپ نے قریب کی زمین خرید کر حضور کی خدمت میں پیش کی ۔ پھر اپنے دور خلافت میں اس کی توسیع کرائی ۔

فوجی نظام کو بھی آپ نے بہت ترقی دی "عہد فارق میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس ۔ قبرس ۔ طبرستان اور ارمینہ میں بھی فوجی مرکز قائم کئے گئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خلفاء کا کام مذہب کی اشاعت تھا ۔ حضرت عثمان کو ہر لمحہ اس کا خیال رہتا تھا چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آئے خود ان کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کر کے دین کی دعوت دیتے ۔ مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف ز تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے ۔

سدا رسول اکرم نے آپ کو کتابت وحی پر مامور کیا تھا ۔

آپ کو قرآن شریف سے خاص شغف تھا دوسرے  
ہمام کی طرح وہ بھی حافظ تھے اور چونکہ کاتب وحی تھے اس لئے اس  
کے حقیقی شان نزول سے واقف رہتے تھے۔ اگر جنگ میں مصروف ہوتے تو  
اس وقت بھی قرآن شریف کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ حدیث و فقہہ میں  
بھی کافی دستگاہ حاصل تھی۔

حضرت عثمان دیانت دار اور راست باز تھے حیا دار  
اور رحمدل ان کی خاص شان تھی۔ خدا کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا۔  
آپ کی شان میں رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ "فرشتے بھی عثمان سے حیا  
کرتے ہیں۔"

آپ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوئی۔  
آپکی خلافت ۲۳ھ - ۶۴۴ء میں شروع ہوئی اور ۳۵ھ - ۶۵۶ء میں ختم  
ہو گئی۔

حضرت علی -

حضرت عثمان کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب  
خلیفہ مقرر ہوئے۔ کئی دن کے ہنگامہ کے بعد مسلمانوں کے اصرار پر آپ  
نے منصب خلافت قبول کر لیا۔ علی نام ابوالحسن اور ابوتراب کنیت۔  
حیدر (شیر) لقب۔ والد کا نام ابو طالب۔

۱۔ خلافت و ملوکیت ص ۱۳۲ مولانا ابوالا علی مودودی۔ اسلامک پبلیکیشنز  
لمیٹڈ۔ ۱۹۶۶ء

۲۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۴۹ مولوی محمد علیم اللہ۔ ندوۃ المصنفین  
دہلی۔ ۱۳۷۸ھ

۱۹۵۸ء

۳۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد

آپ کی خلافت کا پورا زمانہ سورش اور شورش کی نذر  
 ہوا لگلا اور اپنے دور خلافت میں آپ کو کوئی اطمینان و سکون نصیب نہ ہوا  
 جس وقت آپ مسند خلافت پر سرفراز لا ہوئے پوری دنیا نے اسلام آشوب میں  
 مبتلا حضرت عثمان کی شہادت غیر معمولی واقعہ نہ تھا اس نے مسلمانوں  
 کو مشتعل کر دیا تھا " دوسری طرف طریف بنو امیہ امیر معاویہ کے زیر  
 سیادت خلافت راشدہ کو شخصی سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھ رہے  
 تھے " لہٰذا لیکن اس کے باوجود آپ نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے  
 نہ دیا اور برابر اپنے کام میں لگے رہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت  
 عمر کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانے کے انتظامات میں کسی  
 قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے ۔ ملک کے نظم و نسق کے سلسلے میں  
 آپ نے عمال کی نگرانی پر خاص طور سے توجہ دی جب آپ کسی عامل کو  
 مقرر کرتے تو پہلے نصیحتیں فرماتے ۔

حضرت علی کے عہد خلافت میں محاصل میں بھی  
 بہت ترقی ہوئی ۔ آپ سے پہلے جنگلات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں  
 کیا جاتا تھا لیکن آپ کے زمانے میں جنگلات سے بھی آمدنی ہونے لگی ۔  
 آپ محاصل وصول کرنے میں سختی برتتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ رعایا  
 کی فلاح و بہبود پر بھی خاص طور پر نظر رکھتے تھے ۔ مسفد اور  
 ناوار لوگوں کے ساتھ سختی نہیں کی جاتی تھی بلکہ مملکت کی آمدنی  
 سے ان کی امداد کی جاتی تھی ۔

آپ کا وجود رعایا کے لئے سراپا رحمت تھا بیت  
 المال کی آمدنی میں جو کچھ ہوتا آپ اس کو غرباء و مساکین میں تقسیم  
 فرمادیا کرتے تھے ۔ زمینوں کے ساتھ بھی ہمدردی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔

جنگی معاملات میں آپ کو کافی دستگاہ حاصل  
تھی اس سلسلہ میں بہت امتظامات کئے - فوجی چوکیاں قائم کیں - اور  
قلعے تعمیر کرائے -

آپ کی نظر میں سب لوگ برابر تھے چنانچہ  
عدل کا دامن آپ نے کبھی کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا - بازار کی نگرانی  
خود کیا کرتے تھے کہ کہیں ناپ تول میں کمی تو نہیں ہو رہی ہے -  
کلام الہی سے خاص شغف تھا اس کے حافظ تھے  
- کلام اللہ پر آپ کی نظر نہایت وسیع تھی کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی  
نظر سے مخفی نہ تھا

فقہی کمال میں ایک پہلو قضاء یعنی مقدمات  
کا فیصلہ کرنا شامل ہے اس وصف میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا - تقسیم  
میراث کے فن میں بھی آپ کو کافی مہارت حاصل تھی - عبادت و ریاضت  
آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا - آپ امن امت تھے آپ بیت المال کی حفاظت  
کرتے تھے اپنی ضرورت سے زائد ایک پیسہ لینا حرام سمجھتے تھے آپ  
کہتے کہ اس میں تو غریبوں کا حق ہے -

شجاعت و بہادری آپ کا امتیازی وصف تھا -  
ساری زندگی سادگی کا نمونہ تھی -

آپ نے بھی جام شہادت پیا اس کی وجہ یہ  
تھی کہ آپ اسی طرح کا نظم مملکت قائم کرنا چاہتے تھے جو حضور  
نے اپنے زمانے میں کیا حضرت ابوبکر صدیق - حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما  
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانے میں انجام دیا اور ان گورنروں کو  
جو حضرت عثمان کے عہد میں گورنر مقرر ہوئے تھے انہیں میں سے امیر  
معاویہ نے آپ کے حکم سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ان کے پاس فوجی  
طاقت تھی چنانچہ یہ جنگ کی بنیاد بن گئی - اور نتیجہ حضرت علی کی  
شہادت کی شکل میں ظاہر ہوا - حضرت علی کی خلافت کی ابتدا ۳۵ھ ۶۵۶ء  
سے ہوئی اور ۴۰ھ ۶۶۱ء میں آپ کو شہادت ہوئی -



( حقوق العباد )

اگر اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو نگاہ میں رکھا جائے تو اس کی تعلیمات کی طرح اس کے کچھ حقوق و فرائض بھی اخلاقی تعلیمات کا جزو ہیں اور جو ہر انسان پر عائد ہوتے ہیں اور جن کو ادا کرنے پر انسان اسلام کے دائرہ اخلاق میں داخل و شامل سمجھا جاتا ہے ۔ اور پھر دنیا کا کارخانہ بھی انسانی حقوق و فرائض کے تحفظ پر قائم ہے ۔

ان حقوق پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی اخلاقی بنیادیں استوار کرتے ہیں ۔ اس سے نہ صرف یہی چیز حاصل ہوتی ہے بلکہ اس سے پورے انسانی معاشرہ کی اصلاح و فلاح ہوتی ہے اور معاشرہ کا تمام نظام درہم برہم ہونے سے محفوظ رہتا ہے ۔ ہر ایک ریاست کا یہی فرض ہے کہ وہ اپنے بسنے والوں کو ایسی تعلیم دے جس پر عمل کر کے ایک فلاحی ریاست قائم ہو سکے ۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ عدل و انصاف قائم ہو اور ظلم و جبر کی جڑیں بجائے پھیلنے کے کٹ چکی ہوں اور انسانی جان و مال کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھا جائے خاص طور پر مظلوم طبقہ کی داد رسی کی جائے ۔ یہ تمام باتیں اسلام کے اخلاق کو نہ صرف مضبوط و مستحکم کرتی ہیں بلکہ اسلامی ریاست کی فلاح و بہبود کی طرف متوجہ کرتی ہیں ۔ اس بناء پر ہم ایسی ریاست کو بلا تامل فلاحی ریاست کا نام دے سکتے ہیں ۔ چنانچہ اب ہم حقوق العباد کا تفصیلی ذکر شروع کرتے ہیں جن کو ادا کرنے کی ہدایت خاص طور سے کی گئی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کچھ چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کی حفاظت ہر بندہ کے لئے ضروری ہے ۔ جب بندہ اس بات کو ذہن

---

۱۔ دین رحمت ص - ۶۶ شاہ حسین الدین احمد ندوی - ہمارے

اعظم گڑھ ۱۳۸۶ھ  
۱۹۶۷ء

میں رکھ کر اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے تو اس کو اور پوری نسل انسانی کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب سیرت النہر میں اس کو اسے حقوق العباد سے تعبیر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دو قسم کے حقوق کا پابند بنایا ہے۔

(۱) حقوق اللہ جن کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ان کا بجالانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ لہذا جو ان کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا وہ خدا کے سامنے مواخذہ دار گنہگار ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق کو حق عدا ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل و خوار ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اپنے اس طرز عمل کا جواب دہ ہو گا۔

لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ بندوں

کے حقوق کو بھی خوب سمجھ لینا چاہئے اور بندوں کے حقوق کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی مافی تو ممکن بھی ہے لیکن بندوں کے حقوق کی مافی اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ بندہ خود اپنا حق مافی نہ کر دے کہ

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی مافی کا مطلب یہ ہے کہ اگر

کوئی بندہ گناہ کا مرتکب ہو مثلاً زنا کرے یا چوری کرے یا شراب پیئے اور پھر شرمندہ ہو کر توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑ کر روئے اور مافی مانگے اور اس سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ جو بے حد رحیم و کریم ہے اس کی یہ آہ و بکا سن کر اسے مافی کر دیتا ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو حقوق العباد کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا اور اس کی حقیقت کو نہیں پہچانتا

لے سیرت النبی جلد ششم ص ۲۰۲ - سید سلیمان ندوی - ہارف

اعظم گڑھ - ۱۳۶۰ھ  
۱۹۴۱ء

کہ اسلام کا نظام امن ص - ۲۸۸ محمد ظفر الدین مفتاحی - مفتاح العلوم

اعظم گڑھ ۱۳۸۵ھ  
۱۹۶۶ء

اور لوگوں کو اور اپنے پڑوسیوں کو پریشان کرتا ہے اور دوسروں کا مال پر ایمانی  
 ہڑپ لیتا ہے اور اپنے پرائے کا کوئی خیال نہیں کرتا اس کو اس وقت تک  
 معاف نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کا مالک اس کا پڑوسی اس کا عزیز  
 جس کا وہ حق ہے خود اس کو معاف نہ کر دے۔ اس طرح اللہ کی راہ  
 میں وہ شخص جس کے ایک قطرہ خون سے اس کے تمام اگلے پچھلے سب گناہ  
 بخش دئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر اس شہید نے کسی کا مال غصب کیا ہوگا  
 تو اسے حقوق العباد کے گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ہرگز بخشا نہ جائے  
 گا جب تک کہ حقوق العباد کا مالک اس کو معاف نہ کر دے۔  
 اسی مضمون کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

" ایک معاملہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بھی  
 معاف نہیں کرتا جب تک وہ اس کا بدلہ نہ  
 لے لے اور وہ بندوں کا باہم ایک دوسرے پر  
 ظلم کرتا ہے۔ اور ایک معاملہ ایسا ہے جس  
 کی اسے کوئی پرواہ نہیں یہ معاملہ خود اس  
 کی ذات کا ہے جو اس کے اور اس کے بندوں کے  
 درمیان میں ہے وہ چاہے بخشدے اور چاہے  
 عذاب دے " کہ

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ ۔

" آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے  
 کہ جس شخص نے کسی دوسرے پر ظلم کیا تو

۱۔ ایضاً اسلام کا نظام امن ۔ ص ۲۸۸۔ محمد رفیع الدین مفتاحی ۔ مفتاح السلام

۱۳۵۰ھ  
 ۱۹۴۲ء

کہ ۔ مشکوٰۃ شریف ۔ باب الظلم ۔

اس ظالم کو چاہئے کہ وہ اپنی حیات میں اس  
 مظلوم سے اپنے آپ کو معاف کرائے ورنہ آخرت  
 میں تاوان ادا کرنے کا کوئی ذریعہ کسی کے پاس  
 نہ ہو گا نہ تو کسی کے پاس کوئی درہم ہوگا  
 نہ دینار صرف اپنے اعمال ہی ہون گئے۔ انہیں  
 اعمال سے بدلہ چکایا جائے گا۔ ظالم کی نیکیاں  
 مظلوم کو مل جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں  
 گی تو مظلوم کی برائیاں ظالم کے نامہ اعمال میں  
 لکھ دی جائیں گی "۱۔

اس یہ ظاہر ہوا کہ حقوق العباد بہت ہی اہم چیز ہے جن  
 جن کا ادا کرنا بہت ہی ضروری اور لازمی ہے۔  
 حقوق العباد کی تفصیل قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی بخوبی ظاہر  
 ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"واعبدوا الله ولا تشركوا به شئاً وبالوالدين  
 احساناً وبذی القربىٰ و البشئىٰ و المساکین و  
 الجبار ذی القربىٰ و الجار الجنب و الصّاحب  
 بالجنب و ابن السبیل وما ملکت ايمانکم ط مآہ  
 یعنی۔ اے لوگو صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کی ذات و صفات میں  
 کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ اور رشتہ دار اور یتیم اور مسکین اور  
 رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور ساتھی اور مسافر اور لونڈی غلام ان  
 سب کے ساتھ احسان و سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

---

۱۔ صحیح البخاری کتاب الرقاق باب القصاص یوم القیامہ۔

۲۔ سورہ نساء۔ رکوع (۵)

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد فرمایا ہے ۔

" یسئلونک ماذا ینفقون ط قل ما انفقتم من خیر  
فللوالدین والاقربین والیتیم والمسکین وابن السبیل ط  
وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم " لہ

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ۔ اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے  
کہدیجئے کہ تم لوگ جو مال خرچ کرو وہ اپنے ماں باپ اور عزیزوں و یتیموں  
و غریبوں اور مسافروں کے خرچ کرو ۔ اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو گے  
بقینا اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے ۔

ایک اور جگہ اس طرح ارشاد باری ہے ۔

" قل تعالوا نل وما حرم ربکم علیکم الا تشربوا  
شیوا وبالوالدین احسانا ط " ۔ لہ

اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر بتاؤں کہ کیا  
جیز تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہے ۔ اور وہ یہہ ہے کہ تم اس  
کے ساتھ کسی کو شریک نہ شہراؤ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان و سلوک  
سے پیش آؤ ۔

ان تمام آیات سے حقوق العباد کی پوری تشریح اس طرح ہو  
جاتی ہے کہ سب سے پہلے والدین کے حقوق کو مد نظر رکھنا چاہئے جن  
کی ادائیگی پر قرآن و حدیث میں کافی زور دیا گیا ہے ۔ یوں تو تمام  
مذہب میں والدین کی عزت اور احترام کا ذکر موجود ہے ۔ لیکن اسلامی  
تعلیمات میں اس سے کہیں زیادہ والدین کی عزت ۔ اطاعت ۔ خدمت ۔ محبت  
فرمان برداری پر زور دیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ دنیا میں انشان کے خدا اور

لہ ۔ سورہ بقرہ ۔ رکوع ( ۲۶ )

لہ ۔ سورہ انعام ۔ رکوع ( ۱۸ )

رسول کے بعد سب سے بڑے محسن اور ہمدرد والدین ہی ہیں جو کہ اپنی اولاد کے خاطر ہر طرح سے اپنا آرام و سکون - جین و خوشی بلکہ اپنی ہر چیز اولاد پر قربان کر دینا فخر سمجھتے ہیں - اسی وجہ سے خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمان برداری کے بعد انسانی رشتوں میں والدین کا حق سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے -

سیرت النبی میں توریت اور انجیل کے کچھ اقتباسات والدین کے حقوق سے متعلق نقل کئے ہیں جن سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی اہم تعلیمات واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں -  
توریت میں پہلے توحید پر کافی زور دیا گیا ہے اس کے بعد والدین کے حقوق متعین کئے گئے ہیں -

" تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر  
اس زمین پر جو خداوند تیرا تجھے دیتا ہے  
دراز ہو " لے

توریت میں دوسری جگہ اس طرح سے ہے -

" تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ  
سے ڈرتا رہے " لے

توریت میں نہ صرف ماں باپ کی عزت و ناموس اور ان کی مدد و محبت پر زور دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی اپنے والدین کا حق نہ پہچانے تو قانون کی نظر میں وہ مجرم ہے -

لے - سیرت النبی جلد ششم ص ۲۱۳ - سید سلیمان ندوی معارف

اعظم گڑھ - ۱۳۶۰ھ  
۹۹۲۱

لے - ایضاً سیرت النبی جلد ششم ص - ۲۱۳ -

ایک اور جگہ توریت میں یہ حکم ہے ۔

" اور جو کوئی اپنے باپ اپنی ماں پر لعن کرے  
مار ڈالا جائے گا ۔ اس نے اپنے باپ یا اپنی  
ماں پر لعنت کی ہے اس کا خون اسی پر ہے "۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں اس طرح فرمایا کہ ۔

" کیونکہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے  
ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں یا باپ پر لعنت  
کرے جان سے مارا جائے پر تم کہتے ہو کہ جو  
کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے جو کچھ مجھے  
نبی کو دینا واجب تھا سو خدا کی نذر ہوا اور  
اپنے باپ یا ماں کی عزت نہ کرے تو کچھ ضائقہ  
نہیں پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو  
باطل کیا "۔

لیکن تعلیمات اسلامی میں حقوق والدین کے ہر گوشہ پر تفصیلی  
بحث کی گئی ہے ۔ چند قرآنی آیات و احادیث نبوی سے ان کی عزت و  
احترام اور فرمان برداری کا کافی ثبوت مل جاتا ہے اور ان آیات و احادیث  
سے والدین کے حقوق کی کس قدر اہمیت ظاہر ہوتی ہے چنانچہ سورہ نساء  
اور سورہ انعام کے الفاظ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے جن کے حوالے  
پہلے بیان کئے جا چکے ہیں ۔

۱۔ سیرت النبی جلد ششم ص ۲۱۳ سید سلیمان ندوی معارف اعظم گڑھ ۔

۱۳۶۰ھ  
۱۹۴۱ء

۲۔ سیرت النبی جلد ششم ص ۲۱۳ سید سلیمان ندوی معارف اعظم گڑھ ۔

۱۳۶۰ھ  
۱۹۴۱ء

نیز والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کی سخت تاکید سورہ بنی اسرائیل میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس طرح کی گئی ہے جس سے ماں باپ کی بڑی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے ۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ۔

" وَفَضَى رَبُّكَ اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ  
اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغُنْ عَنْكَ الْكِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا  
فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اِفْ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا  
قَوْلًا كَرِيْمًا ۚ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلٰلِ مِنَ الرَّحْمَةِ  
وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِيْ صَغِيْرًا " ط

" اور آپ کے پروردگار نے یہہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم لوگو تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے ضعیفی کی عمر کو پہنچیں تو تم ان کے سامنے افسوس نہ کرو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان لالچ سے جو کچھ کہو تو ادب کے ساتھ کہو اور بڑی محبت سے عاجزی کا پہلو ان کے سامنے جھکا دو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار تو ان پر رحمت فرما جس طرح کہ بچپن میں انہوں نے مجھ کو پالا و پوسا ہے ۔"

قرآن کریم میں والدین کے ساتھ اس قدر نیکی کے برتاؤ کرنے کا حکم صرف مسلم والدین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مشرک والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک اور رواداری رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے مگر شرط یہہ ہے کہ اگر وہ شرک کی دعوت دین تو اس کو نہ قبول کرنا چاہئے ۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے " لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "۔ یعنی خالق حقیقی کی نافرمانی کی صورت میں کسی کی اطاعت کرنا درست نہیں ہے ۔



سورہ لقمان میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

" ووصینا الانسان بوالديه حملته امه وهننا على  
وهن وفضاله في عامين ان اشكرلى ولوالديك  
الى الصبر وان جاهدك على ان تشرك لى  
ما ليس لله <sup>بش</sup> علم فلا تطعهما وصاحبهما فى الدنيا  
مرفا ط "۔ لہ

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش  
آنے کی وصیت کی ہے کیونکہ اسکی ماں نے اس کو تکلیف پر تکلیف برداشت  
کر کے اپنے پیٹ میں نو سالہ کی مدت رکھا اور اس کو اٹھائے پھری ۔  
لہذا اس بات پر میرا ۔ اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو ۔ میری ہر طرف  
سب کو لوٹ کرانا ہے لیکن اگر والدین تم کو اس بات پر مجبور کریں کہ تم  
کسی کو میرا شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں کچھ علم نہ لالین نہ ہو ایسی صورت  
میں تم ان کا کہنا ہرگز نہ مانو ہاں دنیا کی زندگی میں اچھے طور پر  
ان کے ساتھ رہو سہو ۔

ان ہی تعلیمات اسلاف کے مد نظر خود خدا کے برگزیدہ پیغمبر  
حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی کتبہ نے اپنے مشرک والد کی مغفرت  
کے لئے دعاء کی تھی ۔ " ربنا غفرلى ولوالدى وللمومنین يوم يقوم الحساب سکہ  
اے میرے پروردگار ۔ میرے ماں باپ اور تمام مومنین کو آپ بخش دین اس دن  
جب کہ حساب کی گھڑی قائم ہو ۔

لہ ۔ سورہ لقمان ۔ رکوع ( ۲ )

سکہ ۔ سورہ ابراہیم ۔ رکوع ( ۶ )

الغرض قرآن کریم اور ارشادات نبویؐ قدم قدم پر مان باپ کی عزت واحترام کی کی تاکید فرمائی ہے۔ سورہ الاعتاف میں بھی اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"ووصینا الانسان بوالدیه احسانا ط حملته  
امہ کبرها ووضقته کرها ط وحملته و  
فصله تلثون شهرا ط

اور ہم نے انسان کو تاکید کی وہ اپنے مان باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کی مان نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا پیٹ میں رکھنا اور دودھ پلا کر جھڑانا تیس مہینے میں سہ حدیث نبوی میں بھی مان کی برتری بیان کی گئی ہے ۔

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله من أحق بحسن صحابتي قال أمك قال ثم من قال أمك قال ثم من قال أمك - قال ثم من - قال ثم أبوك -

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے آپ نے فرمایا تیری ماں پوچھا پھر کون - آپ نے فرمایا تیری ماں پوچھا پھر کون - آپ نے فرمایا تیری ماں پوچھا پھر کون - آپ نے فرمایا تیری باپ - سکہ

۱۷ - سورہ احقاف ۲ ع

۴۷ - صحیح بخاری شریف کتاب الادب باپ و دنیا انسان بوالدیہ

اس حدیث میں با رہا مان کے لفظ کو لانا گویا اس کی برتری کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا ہے اور تین بار کی تکرار اس بات کی علامت ہے کہ مان کا درجہ باپ سے بھی زیادہ ہے لہذا اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا - اس کی عزت کرنا - اس کی خدمت کرنا - نبی کا برتاؤ کرنا گویا خدا کی نظر میں محبوب ہے اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں یہ بیان کیا گیا کہ مان کی عزت تم کو جنت میں جگہ دلوائیگی اسی لئے مان کے پیروں کے نیچے جنت ہے -

"ماویہ بن جاہمہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورے کے لئے حاضر ہوا ہوں آپ نے پوچھا تمہاری مان موجود ہیں انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا بس ان کے قدموں سے جمٹے رہو ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے " لے

ایک دفعہ حضور نے چار بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سب سے اول مان کی نافرمانی کو قرار دیا اور کہا کہ "تمہارے خدا نے مان کی نافرمانی تم پر حرام کر دی ہے" - لے

"حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک گناہ کا مرتکب ہوں

---

لے - مسند ابن خبیل کتاب الاداب -

لے - بخاری شریف جلد دوم کتاب الاداب باب ووصینا الانسان بوالدیه ص ۳۵۴

گیا ہوں اب اس توبہ کی کوئی سبیل ہے آپ نے  
 پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے انہوں نے کہا  
 نہیں پوچھا خالہ زندہ ہے انہوں نے کہا  
 ہاں فرمایا تو اس کے ساتھ نیکی کرو لے

احادیث نبوی میں صرف ماں ہی کی خدمت پر زور نہیں دیا  
 گیا ہے بلکہ ساتھ ساتھ باپ کے حقوق کی طرف بھی توجہ دی گئی فرق  
 یہہ کیا کہ عورت زیادہ تکالیف اٹھا کر بچوں کو پیدا کرتی ہے لہذا اولاد  
 اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے والدین کے حقوق کی  
 تشریح حضور نے ان الفاظ میں کی ہے ۔

حضرت ابو ذرؓ انصاریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نو چیزوں کی  
 وصیت فرمائی تھی کسی چیز کو خدا کا شریک نہ  
 ٹھہراؤ خواہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ یا جلا دیئے  
 جاؤ ۔ فرض نمازین نہ چھوڑنا جو عمداً نماز چھوڑے  
 گا اس سے میں بری الذمہ ہوں ۔ شراب نہ پیو  
 کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے والدین کی اطاعت  
 کرنا حتیٰ کہ اگر وہ دنیا چھوڑ دینے کو کہیں تو  
 ان کے لئے دنیا چھوڑ دینا ۔ لے

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ " حضور نے فرمایا وہ ذلیل  
 و خوار ہے وہ ذلیل و خوار ہے حاضرین نے پوچھا کون یا رسول اللہ فرمایا  
 جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت حاصل نہ  
 کر سکا ۔ لے

---

لے ۔ ترمذی شریف کتاب البر واصلہ ۔

لے ۔ ادب الغر و کتاب الادب باب بیرو والدید مالم یکن ۔

لے ۔ مسلم شریف کتاب البر واصلہ الادب

جس شخص کے مان باپ زندہ ہوتے اپ اس کو کبھی جہاد کا حکم نہ دیتے چنانچہ حدیث نبوی ہے کہ ۔

" عن عبد الله ابن عمر و قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم اجاهد قال لك ابوان قال لقم قال فضيتهما فجاهد ۔

عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں جہاد کروں ۔ آپ نے پوچھا کہ تیرے والدین ہیں جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا تو ان دونوں میں جہاد کر یعنی ان کی خدمت کر ۔ لہ

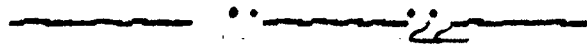
" حضرت عبد اللہ بن عمر دوسری حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا سب سے بڑا گناہ والدین پر لعنت بھیجنا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیجتا ہے فرمایا اس طرح کہ کوئی شخص کسی کے باپ پر لعنت بھیجے وہ بھی بدلے میں اس کے باپ پر لعنت بھیجے یا کسی کی مان پر لعنت کرے وہ اس کے بدلے میں اس کی مان پر لعنت کرے " ۔ لہ

یہہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ امکانی طور پر والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش انا چاہئے ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا چاہئے اور ان کے بڑھاپے کا سہارا بننا چاہئے پھر خود اسلاف ریاست کا یہ اہم عنصر قرار دیا گیا کہ مسلمان ادب تہذیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے

لہ ۔ صحیح بخاری شریف جلد سوئم کتاب الاداب باب وصینا لانسان بولید ۔

لہ ۔ ابو داؤد کتاب الاداب باب فی البر الولدین ۔

والدین کے حقوق کی نگہداشت کریں دوسرے اسلامی ریاست کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ اپنے قوانین اور انتظامی احکام کے ذریعہ سے خاندان کے ادارے کو مضبوط مستحکم کرے یہ ایسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ہر شخص والدین کے حقوق کا لحاظ و پاس کریں ۔ اس لئے اسلامی ریاست ہر شخص کی توجہ بار بار اس طرف دلاتی ہے کہ فلاح پانے کے لئے اور اللہ کی نظروں میں بڑائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ والدین کے حقوق ادا کئے جائیں ۔



## اولاد کے حقوق -

جس طرح اسلام نے والدین کے حقوق متعین کئے ہیں اسی طرح اولاد کے حقوق کی بھی وضاحت کی ہے یہ صرف اسلام کا ہی طرہ امتیاز ہے کیونکہ دوسرے مذاہب میں والدین کے حقوق کو تو مقدم مانا گیا ہے لیکن اولاد کے حقوق سے چشم پوشی برتی ہے -

اسلام نے سب سے پہلے اس پر زور دیا کہ پیدائش کے وقت کسی قسم کی کوتاہی نہ برتی جائے اور نہ پیدائش کے بعد اس کی پرورش و پرداخت میں کسی قسم کی کمی کی جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھا جائے خواہ وہ کھاتے پینے سے متعلق ہو یا پہننے اوڑھنے سے لیکن اس فرض سے چشم پوشی اختیار کی گئی تو بچوں کی زندگی تباہ ہو سکتی ہے اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بہت سی ایسی مثالیں مل جاتی ہیں جن میں بچوں کے حقوق کو نہ سمجھا گیا - حقوق کو سمجھنا تو درکنار بلکہ ان کی زندگی ختم کرنا فخر کی بات سمجھی جاتی تھی -

مثال کے طور پر عربی تمدن کو لے لیجئے جن کے یہاں " وحشیانہ رسوم میں سب سے سفاکانہ رسم اولاد کشی تھی " لے یہ رسم عرب کی بہت سی جاہلانہ قوموں میں رائج تھی - سیرت النبی جلد ششم میں سید سلیمان ندوی نے اس رسم کے کئی اسباب بیان کئے ہیں جن میں ایک سبب مذہبی سبب تھا یعنی دیوی دیوتاؤں کو اس وقت خوش

لے - دینِ رحمٰن، ص ۱۰۲ شاہ حسین الدین احمد ندوی - مطبع ہارف

اعظم گڑھ - ۱۳۲۶ھ  
۱۹۴۷

کہ - سیرت النبی جلد ششم - سید سلیمان ندوی - ہارف اعظم گڑھ

۱۳۶۰ھ  
۱۹۴۱

کیا جا سکتا تھا جبکہ اولاد کو ان پر بھینٹ چڑھا دیا جائے وہ دعائیں مانگتے کہ ہمارا کوئی کام ہو جائے گا تو اپنے لیے کو قربان کر دیں گے۔ یہ رسم بد اب بھی بعض وحشی اور بت پرست قبائل میں موجود ہے "لکہ روم کے قانون میں باپ کو اولاد کے مار ڈالنے کا پورا اختیار تھا اولاد کش کا علانیہ رواج تھا کوئی باز پرس بھی نہ کی جاتی تھی لکہ اولاد کش میں سب سے زیادہ وحشیانہ سلوک لڑکی کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا اس کی پیدائش باعث تنگ و ناموس سمجھی جاتی لہذا پیدا ہونے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا۔ ان سب باتوں کو قرآن مجید کی اس آیت نے باطل قرار دیا۔

"قد خسر الذین قتلوا اولاد ہم سفہا بغیر علم۔"

بیشک وہ لوگ بڑے گھائے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت سے مار ڈالا۔ لکہ

دوسرا سبب فقر و فاقہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اولاد زندہ رہی تو اس کی پرورش کا سامان بھی مہیا کرنا پڑے گا لہذا اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کا خاتمہ ہی کر دیا جائے اس کو بھی قرآن مجید نے واضح کہا کہ جب خدا کسی کو پیدا کرتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا رزق بھی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ۔

لکہ۔ سیرت النبی جلد ششم۔ سید سلیمان ندوی۔ مہارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ

لکہ۔ دین رحمت ص ۱۰۲۔ شاہ مین الدین احمد ندوی مطبع مہارف اعظم گڑھ

۱۳۸۶ھ

۱۹۶۷ء

لکہ۔ سیرت النبی جلد ششم ص ۲۳۱ سید سلیمان ندوی مہارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ

۱۹۴۱ء

لکہ۔ انعام ع ۱۶۔



ولا تقتلوا اولاد کم خشیتہ املاق (ط) مخن  
نرزہم و ابا کم (ط) ان قتلہم کان خطاً  
کبیراً -

اور اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار نہ ڈالا کرو ہم  
کی ہین جو ان کو اور تم کو روزی دیتے ہین ان کو مار ڈالنا بے شبہ  
بڑا گناہ ہے -

آنحضرت نے فرمایا کہ " اولاد کو اس ڈر سے نہ مارو کہ وہ  
تمہارے ساتھ کھائے گی " - سہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ -

" اذا اعطى الله احد کم خیرا فلیبد ابنفہ و اهل  
جب اللہ تم کو مال و دولت سے نوازے تو اس کو چاہئے کہ اس کا خرچ  
اپنی ذات اور اپنے بال بچوں سے شروع کرے -

اس فرمان خدا وندی اور ارشادات نبوی کے بعد اولاد کسی  
کی رسم دفن ہوگی لیکن اولاد کسی کی تیسری صورت جو عرب تمدن میں  
عام تھی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا جہان لڑکیوں کے پیدا ہونے  
کی خبر سنی ان کا جہرہ سیاہ پڑ جاتا اور شرم کے باعث چھپے چھپے  
پھرتے اور منصوبے بناتے کہ کسی طرح ان کو ختم کر دیا جائے -  
حدیث نبوی میں ان کی پرورش و پرداخت والدین کے لئے جنت کا استحقاق  
پیدا کر دینی ہے -

۱۔ نہی اسرائیل - ۲ ع -

۲۔ صحیح بخاری کتاب التوحید -

۳۔ مشکوٰۃ شریف باب النفقات - ص ۲۹۰ -

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم  
 القيامة انا و هو هكذا وضمه اصابعه له  
 پہلنستك رسول الله صلى الله عليه وسلم نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں  
 کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اس کا  
 ساتھ (انگلیوں کو ملا کر فرمایا) اس طرح ہو گا ۔  
 پھر فرمایا ۔

" جس شخص کے دو یا تین لڑکیاں ہوں اور اس نے اسکی پوری  
 پرورش و پرداخت کی تو وہ جنت میں داخل ہو گا " کہہ  
 مسلم کی روایت ہے کہ ۔

" جو شخص لڑکیوں کی پیدائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اس  
 کی پوری پرورش و پرداخت کی تو وہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی اڑبن  
 جائیں گی " کہہ  
 ابو داؤد میں ہے کہ ۔

" جس نے تین لڑکیوں کی پرورش اور شادی کی اور ان کے ساتھ  
 اچھا سلوک کیا وہ جنت میں داخل ہو گا ۔ کہہ

لہ ۔ صحیح مسلم کتاب الاداب فی الشقۃ علی الخلق ۔

کہ ۔ ادب المفرد ۔

کہ ۔ مسلم شریف کتاب الاداب باب فضل الاحسان الی النہات ۔

کہ ۔ ابونکھو داؤد کتاب الاداب باب فضل من عال یتیم ۔

اس کے بعد لڑکیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ قابل  
تصرف و تحسین ہے اب یہ حالت ہو گئی کہ ایک لڑکی کو لوگ ہاتھوں  
ہاتھ لینے کے لئے دوڑتے ہیں اسے اور وہی حسن باعث شرم و عیار سمجھی  
جاتی بلا اور ہسیت کے لفظوں سے یاد لکھا کی جاتی تھی اب انکھوں کی  
ٹھنڈک دل کا نور قرار پائی ۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ۔

"والذین یقولون ربنا ہب لنا من از

واجنا و دربتنا قرہ اعین" ۔

جنت ان کو بھی ملے گی جو کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہماری بیویوں  
اور ہماری اولاد سے ہم کو انکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما سکے

اولاد کے ولادت کے بعد والدین کا سب سے پہلا فرض  
یہ ہے کہ اس کی نشو و نما کے لئے دودھ پلانے کا انتظام کریں کتنی مدت  
تک دودھ پلایا جائے اس کا تعین خود کلام پاک نے کر دیا ۔

"والوالدات یرضعن اولادہن حولتین کاملتین لیمن

اراد ان یتوالر ضاعہ علی المولود لیہ رزقہن و

کینوتہن بالعرف" ۔

اور ماہین اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں یہ مدت  
اس کے لئے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے اور لڑکے والے باپ  
پر ان دودھ پلانے والی ماؤں کا کھنا اور کپڑا دسنور کے مطابق واجب ہے ۔

۱۔ اسکی تفصیل صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۰ باب عمرہ القضاء

مین ملتی ہے ۔

۲۔ فرقان ع ( ۶ )

۳۔ بقرہ ع ( ۳۰ )

اس کے بعد والدین کوشش کرتے ہیں کہ ان کی اولاد کی تربیت بہتر طریقے پر ہوتا کہ وہ نیک راستہ اختیار کریں نیک عمل کریں سعادت مند بنیں اولاد کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے وہ اپنے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تو میری اولاد کو نیک اور صالح بنا۔ تاکہ وہ تمام برائیوں اور خرابیوں سے بچ جائیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ -

" والد کا اولاد کے لئے سب سے بڑا عطیہ حسن ادب کی تعلیم ہے ۔ "

لہذا والدین کا فرض ہو گیا کہ ادب شناس بنائیں بڑوں کی عزت جھوٹوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں -

اولاد سے محبت رکھنے کا سبق سیکھنا ہے تو حضورؐ کی عملی زندگی کو سامنے رکھو سارے پہلو خود بخود روشن ہو جائیں گے - یہ ہے کہ آپؐ خود اپنی اولاد سے بے انتہا محبت کیا کرتے تھے آپؐ کی ساری اولاد آپؐ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں ۔

آپؐ کو اپنے دونوں نواسوں سے بے انتہا محبت تھی - نہ صرف اپنے بچوں سے محبت کرتے بلکہ اپنی بستی کے بچوں سے بھی محبت کرتے - مسلم بچوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بچوں کے ساتھ بھی محبت و شفقت سے پیش آتے -

یہی وجہ تھی کہ لوگ اولاد سے محبت کرنے لگے اور اب بھی اولاد کے لئے والدین بڑی محنت و مشقتیں ہیں خود بھوکے رہتے ہیں

۱۔ ترمذی شریف کتاب الاداب باب ماجاء فی ادب الولد -  
 ۲۔ دین رحمت ص ۱۱۱ شاہ حسین الدین احمد ندوی - ہارف اعظم گڑھ ۱۳۸۶ھ  
 ۱۹۶۷ء

بجوں کو پیٹ بھر کھانا کھلانے میں یہ صرف اخلاقِ محتمدی کا ہی اثر  
 ہے۔ مرنے والے بھی اولاد سے وہی سلوک ہوتا جو عرب تمدن میں  
 عام تھا۔



### پڑوسیوں کے حقوق -

حقوق العباد میں سے جن حقوق کی غیر معمولی تاکید اور خیال رکھنے کا حکم ہے ان میں پڑوسیوں کے حقوق بھی ہیں۔ انسانیت اور اس کے تمدن کی بنیاد باہمی میل و محبت پر قائم ہے۔ چنانچہ ریاست میں بسنے والا انسان دوسرے انسان کی مدد کا محتاج ہے۔ اگر ایک بھوکھا ہے تو دوسرے کا فرض ہے کہ اس کو کھانا کھلائے۔ جتنی بھی چیزیں ضروریات زندگی سے تعلق رکھتی ہیں ان میں ایک انسان دوسرے انسان کی مدد ضرور کرے۔ اس سے اخلاقی نظام کی اصلاح ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے اخلاق پر بھی بہتر اثر پڑتا ہے۔ لہذا ہر مذہب انسانوں پر ایک دوسرے کی مدد کی ذمہ داری رکھی ہے۔ لہ

ظہور اسلام سے قبل بھی پڑوسیوں کے حقوق کی بہت اہمیت تھی۔ عربوں کا تو یہ معمول تھا کہ اگر ان کے کسی پڑوسی کے ساتھ کوئی ظلم ہو جاتا تو دوسرے پڑوسی کے لئے ذلت کا باعث ہوتا۔ اس لئے اس کی خاطر لڑنے مرنے کو قابل فخر سمجھا کرتے تھے۔ اسلام نے اگر اس رشتہ کو اور بھی زیادہ مضبوط و مستحکم کر دیا یعنی ہر پڑوس دوسرے پڑوس کے ہر معاملے میں برابر کا شریک رہے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت سے پیش آئے۔

قرآن و حدیث دونوں میں پڑوس کے حقوق کا خیال رکھنے کی تاکید اور حق تلفی پر وعید آئی ہے۔ پڑوس کا خیال رکھنے والے اور اس کے حقوق ادا کرنے والے کو بہترین آدمی اور حق تلفی کرنے

---

لہ۔ سیرت النبیؐ جلد ۲۴ ششم۔ سید سلیمان ندوی ہارف اعظم گڑھ

۱۳۶۰ھ

۱۹۴۱ء

والے تکلیف پہونچانے والے کو بد توین انسان بتاھے - قران کریم مین ہے -

واعبد واللہ ولا تشرکوا بہ شیاء بالوالدین احسانا و  
ہذی القربی والیتامی والمساکین والہار ذی القربی  
والجارب الجنب والصباح بالجنب -

اور اللہ کی عبادت کرو - اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ  
ٹھراؤ اور والدین اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے  
پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پہلو مین بیٹھنے والوں کے ساتھ ملے

اس آیت مین تین قسم کے آدمیوں کو پڑوسی مین شامل کیا  
ہے - ایک جو عزیز بھی ہو اور پڑوسی بھی - دوسرا جو صرف پڑوسی  
ہو - تیسرا پاس بیٹھنے والے ملے اس مین تمام ساتی دوست احباب و شریک  
کار وغیرہ سب شامل ہیں -

حدیث نہی سے بھی پڑوسی کے حقوق کا خیال رکھنے  
کی غیر معمولی تاکید پائی جاتی ہے - " ایک مرتبہ حضورؐ نے خاص انداز  
مین فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں - خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہیں  
کسی نے پوچھا کون یا رسول اللہ فرمایا جس کے شر سے اس کے پڑوسی  
محفوظ نہ ہوں " ملے

ملے - دین رحمت - شاہ مین الدین احمد ندوی - مہارف اعظم گڑھ -

۱۳۸۶ھ

۱۹۶۷ء

ملے - ابقرہ ع ۹ -

ملے - بخاری شریف ص ۱۰ - کتاب الاداب - باب الوصایا بالجار -

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے " لہ

" حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا خدا کے نزدیک بہترین دوست وہ ہے جو اپنے دوستوں کے حق میں بہتر ثابت ہو۔ اور خدا کے نزدیک بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایہ کے حق میں بہتر ثابت ہو " لہ

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً ان کے پاس تحفہ بھیجنا۔ ان کو سلام کرنا ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔ خوش دلی سے پیش آنا۔ ان کی خبرگیری کرنا۔ عزت و ناموس کی حفاظت کرنا۔ ان کی غیر حاضری میں ان کے مال و متاع کا خیال رکھنا وغیرہ۔ یہ حقوق زکوٰۃ، غنیمت، اور مال فی مین بیلان ہو چکے ہیں۔

لہ۔ باب الایمان مسلم شریف۔

لہ۔ ترمذی شریف۔ ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی حق الجوار



ارشاد نبویؐ ہے کہ " وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے ۔ "۔ لہ

حضرت قمرانیؒ ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں فرمایا جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو لہ

پڑوسیوں میں مسلم غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں لہ حقوق کے اعتبار سے سب برابر ہیں ۔ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے ایک بکری ذبح کرائی ان کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا ۔ اپنے غلام کو تاکید کی کہ سب سے پہلے اس یہودی کو گوشت پہنچا دے کیونکہ میں نے حضور کو کہتے سنا ہے کہ مجھے جبرئیل ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید ملے کرتے ہے کہ میں سمجھا وہ اس کو پڑوس کے ( تو کہ کا حق دار بنا دین گے ) لہ

لہ ۔ ادب المفرد ۔ ص ۱

لہ ۔ بخاری شریف ۔ کتاب الادب

لہ ۔ سیرت النبی ص ۲۸۶ ۔ جلد ششم ۔ سید سلیمان ندوی ۔ معارف

اعظم گڑھ ۔ ۱۳۶۸ھ

۱۹۴۱ء

لہ ۔ ابوداؤد ۔ کتاب الادب با حق الجوار ۔

### یتیموں کے حقوق -

وہ بچہ جو کسی مین ہی اپنے باپ کے سایہ سے محروم ہو جائے ہر ریاست کے رکن کا فرض ہے خیال رکھے - اس کی ہر طرح کی مدد کرے اس کے مال و دولت کی حفاظت کرے جو ورثہ مین اس کو ملی ہے اور جب وہ بڑا ہو جائے تو بحفاظت اس دولت کو واپس کر دے - یتیم لڑکیوں کی حفاظت تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کرے اور جب وہ شادی کے قابل ہو جائیں تو مناسب جگہ ان کی شادی کر دے اپنی اولاد کی طرح ان کی فلاح و بہبودی کا خیال رکھے -

قرآن کریم اور حدیث دونوں مین یتیم بچہ کی کفالت و پرورش مستحسن اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو انتہائی ناپسندیدہ فعل بتایا گیا - قرآن مین جہان جہان مختلف لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم آیا ہے وہاں کے ساتھ حسن سلوک کے حکم کے ہا بعد یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنے کا آیا ہے - والوالدین احسانا و بذی القربی و لیتامی (حسن سلوک کر والدین کے ساتھ - عزیزوں کے ساتھ - اور یتیموں کے ساتھ) ۱۔ یتیموں کے حقوق کی رعایت کے اس حکم کے ساتھ ساتھ ان کی حق تلفی کو انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ عمل بتایا گیا ہے اور یتیموں کے مال مین خرد برد کرنے والے کو انگارہ کھانے والا بتایا گیا ہے - سورہ نساء کے ابتدائی رکوع مین یتیم کے حقوق کے سلسلہ مین متعدد آیات موجود ہیں یہاں نمونہ کے طور پر چند آیتیں دی جا رہی ہیں -

اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم مصلحت سے خالی نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے یتیموں کے حقوق کا جس حد تک خیال رکھنے کا حکم دیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو بے شمار معاشرتی مسائل اور ابس کے جھکڑے پیدا ہی نہ ہوں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَدَاهُمُ اللَّهُ لِمَنْ يَنْصَرُّ لَهُمْ  
بِالطَّيِّبِ وَهُ تَاكُلُوا اَحْوَالَهُمْ اِلَى اَمْوَالِهِمْ - "النساء ۱۴"

یتیموں کا مال دید و خراب کو اچھے سے بدل کر نہ دو اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ کہ کہیں زیادتی نہ ہو۔

یعنی اگر ان کا مال تمہاری حفاظت میں ہو تو جیسا ہو وسا ہی واپس کرو۔ یہ نہ ہو کہ ان کے اچھے مال میں خراب مال کی آمیزش کر کے اچھا خود رکھ لو خراب انہیں دیدو۔

یتیم لڑکی کسی کی کفالت میں ہو تو بڑے ہونے پر اس سے نکاح کرنے میں فی نفسہ کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اس میں خود غرضی کا شائبہ ہو تو نکاح نہ کرے۔ پھر دوسری عورت سے شادی کرے۔

وَأَنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْضُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَاَنْكُحُوا مَا طَابَ  
لَكُمْ مِنْ أَمْوَالِكُمْ - "النساء ۱۴"

اگر تمہیں خوف ہو کہ تم یتیم بچیوں کے ساتھ عادلانہ اور مناسب برتاؤ نہ کر سکو گے تو تم دوسری جگہ اپنی پسند کی شادی کرلو۔

لوگ عام طور سے یتیموں کے ساتھ مناسب طرز عمل نہیں اختیار کر پاتے ہیں کبھی جھڑک دیا کبھی ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ دیا قرآن نے اسے منع کیا ہے۔ وَاَمَّا الْيَتَمَ فَلَا تَقْهَرِ (یتیم کے ساتھ غرور نہ کرو نہ جھڑکو)۔ جو لوگ یتیم بچوں پر زیادتیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسی صورت حال سے ان کے بچے نہ دوچار ہو جائیں اور دوسروں کی جھڑکیاں انہیں برداشت کرنی پڑیں ۔

قرآن کریم میں یتیم کے مذکورہ بالا حقوق کے ذکر کلمہ کے علاوہ حدیث شریف میں بھی یتیم کی رعایت اس سے نوری اسکی دلہی اور خاطر داری اور شفقت محبت کا برتاؤ کرنے کے احکامات ملتے ہیں ۔ متعدد و سندوں سے الفاظ کے مسمولی فرق کے ساتھ یہ روایت ملتی ہے کہ " حضور نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اس کے بعد آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیان انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا " لہ یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں اسی طرح وہ میرے قریب ہو گا ۔ اس کے بعد ایک جگہ اور ارشاد فرمایا کہ " مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو ۔ اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اسکے ساتھ برا برتاؤ ہوتا ہو " کہہ

انحضرت کی ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ جن لوگوں

کے دل یتیم کے لئے پتھر سے زیادہ سخت تھے وہ موم سے زیادہ نرم دل ہو گئے ۔ ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ حال تھا کہ وہ کسی یتیم بچے کو ساتھ لئے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے کہ حضرت عائشہ اپنے خاندان اور انصار وغیرہ

۱۔ صحیح بخاری شریف ۔ صحیح مسلم باب فضل الاحسان الی الیتیم ۔

۲۔ بوالہ سیرت النبی جلد ششم ۔ ص ۲۹۲ ۔ سید سلیمان ندوی ۔

ہارف اعظم گڑھ ۔ ۱۳۸۵ھ  
۱۹۶۱ء

۳۔ سیرت النبی جلد ششم ۔ ص ۲۹۲ ۔ سید سلیمان ندوی ۔ ہارف

اعظم گڑھ ۔ ۱۳۶۰ھ

۱۹۴۱ء

۴۔ ادب المو بخاری شریف باب یتیموں میں سے فضل کے ساتھ پیش انا۔

کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لا کر پرورش کرتی تھیں۔ -

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ ان کی دستگیری کے لئے مال غنیمت اور مال فے میں حصہ مقرر کر دیا۔

وعلمو انما غنمته من شیئی فان الله خصه  
وللرسول ولذی القریٰ والیتامین۔

مسلمانوں تم جان لو کہ جو چیز مال غنیمت میں حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول کا ہے اور قرابت داروں اور یتیموں کا ہے۔ -

اس کے علاوہ یتیموں کی امداد کے لئے ان کی فلاح کے لئے اسلامی ریاستوں نے مستقل یتیم خانے قائم کئے جن میں ان کی پرورش کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ -

یتیم کے ساتھ اس طرح حسن سلوک اور شفقت و محبت کے حکم میں بہت صالح پنہان ہیں۔ بچپن کی عمر حصول اور امنگوں کی عمر ہوتی ہے۔ یتیمی کا داغ حوصلے پرست کر دیتا ہے اور اگر اچھے کفالت کرنے والے میسر نہ آئیں تو ائندہ زندگی ہاشروں کے لئے بھی بسا اوقات بوجھ بن جایا کرتی ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ اچھے معاملے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ یتیمی کا احساس تک باقی نہ رہے اور امنگوں اور حصول پر بندشیں نہ لگے پائین۔ -

---

۱۔ مولا امام مالک و مسند احمد بن جنل جلد ششم۔  
۲۔ الدین رحمت ص ۱۵۲۔ شاہ حسین الدین احمد ندوی۔ ہارف اعظم گڑھ

۱۳۶۵ھ

۱۹۴۱ء

### بیواؤں کے حقوق -

ریاست کے شہریوں میں ایک مظلوم طبقہ بیواؤں کا ہے ۔ شوہر کے مرنے کے بعد حسرت و یاس کی تصویر بن جاتی ہے ۔ کیونکہ ہاشرہ میں نہ اس کا کوئی مددگار ہے نہ غمخوار بلکہ وہ لوگوں جو اخلاقی نظام پر ایک دھبہ ہیں رات دن اس بیوہ کو ستانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اس کے ارد گرد مٹلاتے رہتے ہیں ۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اس بے بارو مددگار طبقہ کی طرف خاص طور پر توجہ دے کیونکہ ایک تو وہ عورت ہے اور دوسرے وہ بھی بیوہ اس لئے اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کرے ۔

تاریخ کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شوہر کے مرنے ہی دوسرے لوگوں کی منظور نظر بن جاتی تھیں تو بھائی کی ملک قرار دے دی جاتی تھیں شوہروں کے وارثوں کی ملکیت میں آجاتی تھیں اور کہیں بے چاری کو شوہر کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا کہ یا پھر زندگی کی ساری لذتوں اور راحتوں سے محروم کر دی جاتیں ۔ اور پوری زندگی بیوگی میں ہی گزر جاتی تھی

لیکن جب اسلام آیا تو اس نے اس مظلوم طبقہ کی طرف توجہ کی اور اس کے سوگ و محدود کر دیا اس کی مدت چار مہینے دس دن رکھی گئی اس کو شرعی مصطلح میں تمدن کہتے ہیں ۔ اس کے بعد اس کو اجازت دیدی کہ وہ ہر طرح کا جائز <sup>شہ</sup> ریب و آرائش کر سکتی ہے ۔

۱۔ سیرت النبی - جلد ششم - سید سلیمان ندوی - ہارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ

۲۔ ایضاً - ایضاً - ۲۹۷ ص

۳۔ دین رحمت - ص ۱۲۲ - شاہین الدین احمد ندوی ہارف اعظم گڑھ ۱۳۸۶ھ

۱۹۶۷ء

۴۔ ایضاً - ایضاً - ایضاً

۵۔ سیرت النبی - جلد ششم - ص ۲۹۷ - سید سلیمان ندوی ہارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ

۱۹۶۱ء

اس کو پوری آزادی دیدی گئی کہ وہ دوسری شادی کر سکتی ہے ۔ اور جس ہاشرہ نے اس کو بے سہارا سمجھ کر نکال دیا اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس بے سہارا طبقہ کا کفیل ہو اور کسی شریف انسان کو اس کا شریک حیات شہر اکو سکون قلب بخشے چنانچہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ۔ **وانکحوا الایامی منکم** ۔ اور اپنے مین سے بے شہرہ شوہر والی عورتوں کا نکاح کرو ۔ لہ

اس طبقہ کی طرف رسول اکرم بھی کافی توجہ فرمائی اس سلسلہ مین آپکی زندگی مشعل راہ ہے کیونکہ آپ نے اپنی کم عمری اور جوانی کے زمانے مین ان عورتوں سے شادی کی جو سب کی سب بیوہ تھیں مثلاً پچیس سال کی عمر عنفوان شباب کی ہوتی ہے ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کم عمر لڑکی سے شادی کرے لیکن قابل صد تحسین ہے وہ ذات جس نے اس عمر مین ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ حضرت خدیجہ سے شادی کی جو عمر مین پندرہ سال بڑی تھیں اس کے بعد یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح مین حضرت سورہ ۔ حضرت حفصہ ۔ حضرت زینب ام الماسکین ۔ ام سلمہ ۔ جولہ ۔ ام حبیبہ ۔ مہمبونہ ۔ اور صفیہ کے امین جو سب بیوہ تھیں ۔

یہ آپ کا عمل تھا اور آپ نے ان بیوگان کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بیشتر جگہ ان کے ساتھ حسن سلوک قائم رکھنے کی تاکید کی ۔ فرمایا ۔

"بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا خدا کی راہ مین مجاہد یا اس شخص کی طرح ہے ۔ جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات کو نمازین پڑھتا ہے" لہ

لہ ۔ نور ع ( ۲ )

لہ ۔ سیرت النبی ۔ جلد ششم ۔ ص ۲۹۸ ۔ سید سلیمان ندوی ہارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰  
لہ ۔ بخاری شریف ۔ کتاب الاداب ۔

ایک دوسری روایت ہے کہ " قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولونگا تو دیکھونگا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے میں پوچھوں گا تو کون ہے وہ کہے گی میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند یتیم بچے ہیں ۔

قرآن و حدیث دونوں میں اس کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذرائع آمدنی میں سے اس وقت ان کا مدد کرے جب تک معاشرہ میں ان کو صحیح مقام حاصل نہ ہو جائے ۔ یہی اس کی فلاحیت کی نشانی ہے ۔

—•—•—



### حاجتمندون کے حقوق -

انسان طبعاً ماشرہ میں رہنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ ماشرہ ہی کہ اس کی بنیادی ضرورتوں کا کفیل ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں بہت سی ضروریات ایسی ہیں جو دوسروں کے ذریعہ ہی پوری ہوتی ہیں یا کبھی کوئی افتاد پڑتی ہے اس وقت وہ دوسروں کو مدد کا محتاج ہے اگر کوئی حاجتمند اپنی کسی حاجت کو دوسرے انسان کے سامنے بیان کرے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس کی حاجت پوری کرے اور یہ سوچ کر پوری کرے کہ کبھی نہ کبھی اسکو بھی دوسروں کی مدد کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا -

"وَمَا وَنَعْلَى الْهَرِّ وَالْقَوْلَى وَهَذَا وَنَا عَلَى الْاِثْمِ  
وَاهْدِ اَنْ وَاعْقُوَالله اَنْ لِّلہ شَدِیدُ الْعِقَابِ"

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے منہ سے کھینچو اور مددگار نہ بنو اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے -

حاجتمند کی حاجت پوری کرنا انسانیت کا فرض ہے - کوئی ضرورت مند شخص اگر ہماری مدد کا مستحق ہے تو ہمارے لئے لازم ہے کہ اس کی مدد کریں حضور نے اپنی کئی احادیث میں ایسے اشخاص کی حاجت روائی پر زور دیتے ہوئے فرمایا ہے -

"جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہیگا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو کسی مسلمان کی حیثیت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کی صبتوں میں سے کسی حیثیت کو اس سے دور فرمائے گا"۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی مدد برابر کرتا رہتا ہے جو اپنے دوسرے بھائی کی حاجت کو ضرورت پڑنے پر پوری کرتے رہتے ہیں -  
ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ نہ ہو سکے تو بیکس حاجتمند کی مدد ہی کیا کرولہ -

اس سے اندازہ ہوا کہ قرآن اور حدیث دونوں میں کتنی تاکید سے ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے حکم آیا ہے - اس لئے ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ اگر کسی وقت کوئی شخص اپنی ضرورت ہمارے سامنے پیش کرے تو ہم اس کو پورا کریں - کیونکہ معاشرہ کی خوشحالی کا راز اس میں مضمر ہے کہ معاشرہ میں رہنے والے ایک دوسرے کی مدد کریں -

مندرجہ بالا جن حقوق کی تفصیل گری ہے برعکس اس کے اور بھی حقوق ہیں جو بندوں کے بند و پر عائد ہوتے ہیں مثلاً عام انسانوں کے حقوق مسلمانوں کے مسلمانوں پر حقوق - مسلمانوں کے باہمی حقوق پر قرآن مجید کی ایک آیت سے میں پیش کی جاتی ہے -

"یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ وہ تموتن الا

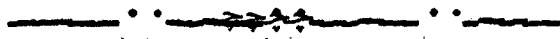
وانتم مسلمون واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" -

اے مسلمانوں اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر مسلمان رہتے ہوئے اور سب ملکر خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو تو رٹکڑے ٹکڑے نہ ہو کہ

لہ - ترمذی شریف - کتاب البر والصلہ -

مکہ - ال عمران ع ۱۱ -

پھر عام انسانوں کے حقوق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا کہ احسن کما احسن اللہ الیک - تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور  
 بھلائی کرو جیسا کہ خدا تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ لہٰذا جنانچہ  
 سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے۔ اسلامی فلاحی ریاست  
 بھی ان حقوق کی ادائیگی پر کافی زور صرف کرتی ہے۔



قرآن مجید کے سیاسی نظریات میں اہم ترین اقتدار اعلیٰ کا نظریہ ہے۔ یہ وہ اقتدار ہے جس کے اوپر کوئی اقتدار نہیں (۱) اقتدار اعلیٰ کسی انسان کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ مقتدر اعلیٰ اسی ذات حقیقی کو قرار دیا جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ چنانچہ اسلامی زندگی کا ہر ایک پہلو اور اسلامی نظام حیات کا ہر ایک شعبہ اسی مرکزی تصور پر مبنی ہے (۲)

اقتدار اعلیٰ کے اصل مفہوم کو قرآن مجید "ملکوت" سے تعبیر کرتا ہے یعنی دنیا کی ہر چیز اللہ ہی کے زیر اقتدار ہے (۳) وہ اپنی خدائی کے عرش سے اپنے اقتدار کا مظاہرہ کرتا ہے اس لئے ملکوت کا لفظ خداوند تعالیٰ کے نام سے خاص طور پر موبوط ہے (۴) قرآن پاک میں متعدد جگہ اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِحُكْمِ مَلٰٓئِكِهِ (المائدہ - ۱) ہے شک اللہ جو کچھ چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے ان الحكم الا للہ سوائے اللہ کے کسی کی حکومت نہیں (۵) بقولون هل لنا من الامر شيء قل ان الامر كله للہ (آل عمران) (۶) وہ کہتے ہیں ہمارا بھی کچھ اختیار ہے کہو اختیار سارا اللہ ہی کا ہے (۷)

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے شک (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے) (۸)

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۶۶ حامد لانصاری غازی - ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۲) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۲۰ شاہد حسن رزاقی - ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۷ء

(۳) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۲ پروفیسر رشید احمد - ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱

(۴) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۶۶ حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۵) المائدہ م ۱ (۶) یوسف م ۵ (۷) آل عمران م

(۸) المائدہ ع (۳)

قرآن نے اس اقتدار کی وضاحت کرنے کے بعد یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقتدار کامل ہے اس اقتدار میں کسی سے دوسرے کو شریک نہیں کہا جاسکتا ۔

لَوْ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ لَشَرِيكٌ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا لَا مَعْقِبَ لِحُكْمِهِ ( سلطنت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں اللہ کے حکم پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں ) ( ۱ )

اقتدار اعلیٰ کا بھی تصور اسلام کے سیاسی نظام کا مرکز اور نظری اساس ہے ( ۲ )  
قرآن کی رو سے اقتدار اعلیٰ کی چند خصوصیات ہیں جو اسکو دوسرے حکمرانوں ( ۳ ) سے ممتاز کرتی ہیں ۔ وحدت اقتدار حیات ابدی ۔ قدرت کاملہ اور بطوت وجبروت بالادستی کے ساتھ ساتھ ہر عمل اور ہر قول کی آزادی ( ۵ )

قرآن کی رو سے اقتدار اعلیٰ کی اہم ترین خصوصیت اسکی وحدانیت ہے ۔  
مقتدر اعلیٰ ہر حیثیت سے یککا ویکگانہ ہے اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ۔ ذات و صفات دونوں میں اسکا کوئی دوسرا ثانی نہیں ۔

حکومت و اقتدار صرف اللہ کی ذات سے ہی وابستہ ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا اگر کوئی اس میں شریک بھی کرے تو وہ کافر ہے اس لئے قرآن مجید میں اسکی بار بار تاکید کی گئی ہے ۔

خداوند اپنی ذات و صفات میں اتنا اونچا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دوسرا اونچا نہیں دنیا کی ہر چیز اسی کی ماتحت ہے حکومت و سلطنت اسکی ملک ہے ۔

( ۱ ) الفرقان ع ۲

( ۲ ) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۲۱ شاہد حسین رزاقی ۔ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۷

( ۳ ) سلطانوں کے سیاسی انکار ص ۱۲ پروفیسر رشید احمد ۔ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

( ۴ ) ایضاً ص ۱۲

( ۵ ) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۶۸ حادث الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء

اقتدار اعلیٰ کی ایک خصوصیت لازوال زندگی ہے (۱) یعنی اقتدار اعلیٰ ہمیشہ

سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسکے لئے قوتِ مجید نے الحی القیوم کے الفاظ استعمال

کئے ہیں -

قوتِ مجید نے ایک خصوصیت قدرتِ کاملہ بھی ظاہر کی ہے - کائنات کی ہر چیز

پر اس کا حکم چلتا ہے اسکے حکم کے بندہ کوئی پتہ بھی جہش نہیں کر سکتا اسکے معاملات

میں کوئی دخل دینے والا نہیں -

ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدير (ہے شک اللہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا

ہے)

یہ تمام اختیارات صرف اسی دنیا تک محدود نہیں بلکہ اس دنیا کی تباہی

کے بعد بھی مالکِ یوم الدین ہوگا اور قیامت کے دن تمام بادشاہوں سے دریافت کرے گا

آج بادشاہت کسکی ہے - (۲) کسی میں اتنی ہمت نہ ہوگی جو اسکا جواب دے پھر

خود ہی فرمائگا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور قہر نازل کرنے والا ہے -

حکمرانی اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے کھ کسی کو اسکے حکم میں دخل دینے

کی ضرورت نہیں - اسکی بالادستی مسلم ہے (۳) وہ سب سے بزرگ پرتویالا اور اعلیٰ

ہستی کا مالک ہے اسکی ذات میں ہے شمار قوتیں جمع ہیں - ان القوة اللہ جمیعاً (ہے

شک سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے) - ایک جگہ اسکے غالب ہونے کی طرف اشارہ کرتے

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۷۲ حاد الانصاری غازی - تدوین المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۱ء

(۲) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۴ پروفیسر رشید احمد - ثقافت اسلامہ ۱۹۶

(۳) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۵ پروفیسر رشید احمد - ثقافت اسلامہ ۱۹۶۱

(۴) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۱۵ پروفیسر رشید احمد - ثقافت اسلامہ ۱۹۶۱ء

ہوئے قرآن مجید نے فرمایا - اَنْ رِبَك هُوَ الْقَوِي الْمَعَزِي (پس شک نہوا رب قوت والا

اور غالب ہے) وہ اپنے بندوں پر پورا غلبہ رکھتا ہے بندہ اس کے حکم کا پابند ہے قویوں کا تنزل و ترقی اسی کے رحم پر منحصر ہے۔ تکلیف و راحت موت و ذلیل بیماری و تندرستی سب اس کے حکم کی پابند ہیں۔ غرض کہ بڑا طاقتور ہے بڑی قدوت والا ہے اس کی قدوت کا ملکہ کل کائنات کا احاطہ کرتے ہوئے ہے -

بالادستی اسلام کے اقتدار اعلیٰ کی حقیقت ہے (۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند اپنی ذات اور مرتبہ میں اتنا اعلیٰ ہے کہ کوئی شخص اس کی برابر کا دعویٰ نہیں کرسکتا اگر کوئی اس کی برابری کا دعویٰ کرے گا تو اسلامی نظام حکومت اس دعویٰ کا مقابلہ پوری طرح کرے گی اس کے اس دعویٰ کو غلط قرار دے گی - کیونکہ حکومت ایک اقتدار اعلیٰ سے ہتھدر ہے اور اقتدار اعلیٰ کو اپنے عرش پر بالا دستی حاصل ہے - (۲)

اقتدار اعلیٰ کو حکم اور اجرائے حکم کی آزادی حاصل ہونی چاہئے

کیونکہ یہ چیز بالا دستی کی حقیقت ہے (۳)

بلجلی نظریہ سلطنت میں کہتا ہے کہ "اقتدار کی آزادی اقتدار اعلیٰ کے مفہوم میں داخل ہے (۴)

اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں آزاد ہے جو چاہتا ہے کرسکتا ہے اس کی

آزادی میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں وہ اپنی مرضی کا مالک و مختار ہے ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے ہر فیصلہ آزادی کے ساتھ کرتا ہے اپنی کسی بات کے کھیلنے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں -

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۲۵۰ حامد الانصاری غازی - ندوة المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ

۱۹۴۱

(۲) ص ۲۵۱

(۳) ایضاً ص ۲۵۹

(۴) نظریہ سلطنت ص ۵۰۳ جسے کے بلجلی مطبع حیدرآباد

اقتدار اعلیٰ کی جن خصوصیات کو اسلام کے علماء نے پیش کیا تھا انکو آجکل کے

سیاست دان بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی خدا نے ہر چند کو پیدا کیا - انسانی فطرت

کو بنایا - حکومت اسی کی مرضی کے مطابق چلتی ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جدید (۱)

علم سیاست خدا کے طریقوں پر گامزن نہیں ہے - (۲) اسکا مطلب یہ ہے کہ جدید

نظریہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت سے انکار کرکے اپنے عقلی رجحان پر اعتماد کرتا ہے (۳)

اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کی فلاح و بہبودی کے لئے ضروری ہے کہ ایک

ہی اقتدار کا پابند ہونا چاہئے اگر سینکڑوں اقتدارات کو اپنا موکر بنالیا تو انسان الجھنوں

میں پھنس جائیگا اسکی سمجھ میں ہی نہ آئیگا کہ ان میں سے کون سے اقتدار کا پابند

رہے کون سے اقتدار کا غیر پابند - اسلئے زیادہ بہتر زیادہ مناسب زیادہ ضروری ہے کہ

صرف ایک اقتدار کا پابند ہو جائے جو واحد ہے برتر و بالا ہے - اپنی مرضی کا مالک و مختار

ہے لازوال ہے بڑی قدوت والا ہے جس ہستی کے اندر اتنی خصوصیات ہوں اسکا کوئی

انسان کیسے منکر ہو سکتا ہے اگر کوئی منکر ہوتا ہے تو اپنے لئے الجھنوں کا سبب

پیدا کرتا ہے -



## ” اسلامی قانون ”

اسلامی حکومت اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی پابند ہے۔  
 ہر کاروبار مملکت کو اس کے مقرر کردہ قوانین نافذ کرنا اس کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 بنے یہ قوانین قرآن کی شکل میں نازل فرمائے ہیں۔ یہی وہ اساسی قانون ہے جو  
 حکومت کی روح اور حاکمیت کے پسندیدہ ضابطوں کی جان ہے۔ اسلامی قانون کا مقصد  
 انسانیت کی صحیح رہنمائی، انصاف کا قیام، معاشرہ کی قانونی شیرازہ بندی کرنا اور  
 اختلافات کو مٹانا ہے۔<sup>۲</sup>

یہ قانون ایسی ریاست کے سپرد کیا گیا ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود کی  
 مہدار ہے۔ ایسی ریاست کے باشندے جو صحیح معنوں میں اپنی حکومت کی ماتحت ہیں  
 ہر حکومت کی ترقی کے لئے کوشاں اور اس کی برتری کے خواہاں ہیں اسی وجہ سے حکومت  
 تمام قاعدوں کی پابندی کرتے ہیں۔<sup>۳</sup>

اسلامی قانون وحدانی ہے یعنی وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ معاشرہ  
 بن رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ وہ معاشرہ جو قانون کا پابند نہ ہو وہ بہت جلد تباہ  
 ہو جاتا ہے۔ جو برائیاں معاشرہ میں پیدا ہو جاتی ہیں ان کا قلع قمع اسی صورت میں  
 ممکن ہے جب وہاں کوئی قانون نافذ ہو۔ اس لئے قانون کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے  
 اللہ تعالیٰ نے اس کی پابندی کا سختی سے حکم بھی دیا۔

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الفاسقون ( المائدہ ۴۷ )

( اور جو اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق حکمرانی نہیں

کرتے وہ بدکار ہیں )

ن کے علاوہ اسی سورت کی آیت ۴۴ - ۴۵ میں ان لوگوں کے لئے ہم الکفرون اور  
 المظالمون کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی ایسے لوگ ظالم ہیں اور کافر ہیں۔

---

- اسلام کا نظام حکومت - ص ۲۷۹، حامد الانصاری غازی، ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ /

۱۹۴۱ء

- ایضاً ” ص ۲۷۹

” ص ۲۸۱

اس لئے ریاست کے لئے ضروری ہے کہ قانون الہی کی روشنی میں ہی تمام مقدمات حل کرے۔ خدا کا قانون بندوں تک پہنچانے کے لئے انبیائے کرام واحد ذریعہ تھے۔ ن احکامات کو بندوں تک پہنچا کر انکی تشریح، تفصیل اپنے قول و عمل سے کی اس لئے سول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت ( ) کا نمائندہ

نے اور اسی وجہ سے اسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله ( النساء - ۶۴ )

( ہم نے جو رسول بھیجا ہے اسلئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اسکی اطاعت کی جائے )

و من یطع رسول فقد اطاع الله ( النساء - ۸۰ )

( اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل

اللہ کی اطاعت کی )

” وما اثم الرسول فخذوه وما نهکم عند فانتھو واتقوا الله ان

الله شدید العقاب ( الحشر ۷ )

( جو کچھ رسول تمہیں دین اسے لیلو اور جس چیز سے

روک دے اس سے باز رہو اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے )

اسلامی حکومت کے قانون کا اولین اور بنیادی مأخذ قرآن مجید ہے جو خدا کی

طرف سے نازل ہوا اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ یہ کتاب حکومت و سلطنت کا

قانون کلی ہے<sup>۲</sup>۔ اسکے متعلق کہا گیا ہے۔ وهذا کتاب انزلناه مبارک فابتعوه

( یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے مبارک ہے اسکو پیروی کرو ) کہیں قرآن کے لئے

کہا کہ یہ ہمارا حکم ہے کہیں بتایا اسکو خدائی حکم کی جان سے تعبیر کیا گیا۔

بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید کے احکام مجمل ہیں۔

ایسی صورت میں اسکی تشریح و تفصیل حدیث نبوی میں ملتی ہے۔ اسی بناء پر حضور کے

۱۔ خلافت و ملوکیت ص ۳۰ ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز ۱۹۶۶ء

۲۔ اسلام کا نظام حکومت - ص ۲۸۱ حامد الانصاری عازی - ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ  
۱۹۴۳ء

نئے اقوال و اعمال قانون کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی لئے قرآن مجید غرسوں کی اطاعت پر بار بار زور دیا ہے۔ جسکی تفصیل آیات کے حوالوں سے سطور بالا میں دی جاچکی ہے  
 ۱ اسلامی حکومت میں صحابہ کا قول و فعل بھی قانون کا درجہ رکھتا ہے۔

حضور قرآن کی تشریح و تفصیل فرماتے ہیں لیکن صحابہ کا سرچشمہ دونوں چیزیں ہیں اور اسی لئے ان کا کوئی قول و فعل احکام الہی اور سنت نبوی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور وہ جو قانون مرتب کرینگے وہ اسکا مآخذ قرآن و حدیث ہی ہوگا۔ حضور نے اپنے صحابہ کے لئے (صحابی کا النجوم) (میرے اصحاب ستاروں کی مانند اور ہادی رہنما ہیں) کہہ کر انکی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔

اسکے بعد اسلامی قانون کا مآخذ اجماع ہے اگر کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث دونوں خاموش ہیں تو پھر علماء مجتہدین اس کے ہر پہلو پر غور کرکے ایسا حکم دین کے جو کسی درجہ میں بھی احکام قرآنی اور احادیث نبوی کے منافی نہ ہو۔ اسکے علاوہ ایک اور صورت قیاس کی بھی ہے۔ دوسری چیز پر قیاس کرکے حکم برابر کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔ یہ اسلامی قانون کا مختصر حاکم تھا جسکی پیروی ریاست عام کے لئے ضروری ہے۔

### ”حکومت کی تقسیم کار“

مقننہ۔ اسکو قدیم اصطلاح میں ”اہل الحل والعقد“<sup>۳</sup> کہا جاتا ہے۔ جو قوانین کتاب و سنت کی روشنی میں بنائے گئے ہوں۔ مقننہ اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی مجاز نہیں ابتہ انکی تعبیر و تشریح کرسکتی ہے<sup>۴</sup>۔ نیز ان پر عملدرآمد کے لئے ضمنی قواعد اور

۱۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۳۴، پروفیسر رشید احمد، ثقافت اسلامین ۱۹۶۱ء  
 ۲۔ اسلام کا نظام حکومت ۲۹۲، حامد الانصاری غازی۔ ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء  
 ۳۔ اسلامی ریاست ص ۲۰۰ ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء  
 ۴۔ خلافت و ملکیت ص ۴۳، ”۱۹۶۶ء“

ضابطہ<sup>۱</sup> کاروائی تجویز کرسکتی ہے لیکن اپنے طور پر اس میں رد و بدل کسی کا اختیار نہیں ہے۔ انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ خدا کے قانون میں ترمیم و تنسیخ کرے یا ان سے روگردانی کرے ایسا کرنے والا کافر ہے۔

جن معاملات میں کتاب و سنت کے احکام ایٹ سے زیادہ تعبیرات کے متحمل ہوسکتے ہوں<sup>۲</sup> ان میں مقتنہ ہی طے کرے گی کہ کون سی تعبیر اصل سے زیادہ قریب ہے تاکہ اسکو قانونی شکل دی جائے۔ ان تعبیرات کو سمجھنے کے لئے اور کسی ایک تعبیر کو تسلیم کرنے کے لئے مقتنہ ایسے اہل علم حضرات کی خدمات حاصل کریگی جو قرآن و حدیث کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ غلط تعبیر کی روشنی میں جو فیصلہ کیا جائے وہ منشاء الہی کے منافی نہ ہو۔ وہ امور جن کے لئے بالاتر قانون ساز نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے۔ نہ حدود اور اصول متعین کئے ہیں اسمیں مقتنہ کا یہ کام ہے کہ روح شریعت اور مفاد عام کے پیش نظر قانون سازی کرے کیونکہ انکے بارے میں کوئی حکم نہ ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شلوع نے انکو اہل ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔<sup>۳</sup> اسلئے ان معاملات میں مقتنہ مناسب قوانین بنا سکتی ہے لیکن یہ صورت اس وقت ممکن ہوگی جبکہ کوئی حکم کوئی اصول کوئی ضابطہ نہ ملے۔ اسکے بعد لوگوں کا فرض ہے کہ اس طرح وضع کئے ہوئے قانون کی پابندی کریں۔

### ”منتظمہ“

اسلامی ریاست میں منتظمہ کا اصل کام احکام الہی کو نافذ کرنا اور انکے نفاذ

کے لئے معاشرے میں مناسب ماحول پیدا کرنا<sup>۴</sup>۔ قرآن میں منتظمہ کے لئے ”اولی الامر“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔<sup>۵</sup>

۱۔ خلافت و ملکیت ص ۴۳، ابولاعلی مودودی، اسلامک پبلیکیشنز بمبئی ۱۹۶۶ء

۲۔ اسلامی ریاست ص ۲۰۰ ابولاعلی مودودی ” ” ” ۱۹۶۲ء

۳۔ خلافت و ملکیت ص ۴۳ ” ” ” ۱۹۶۶ء

۴۔ اسلامی ریاست ص ۲۰۲ ” ” ” ”

۵۔ سورہ نساء آیت ۸۴۔

یا ایہا الذین امنوا اغیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم  
( اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ اور رسول کی اور  
ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں

اسلامی ریاست کے نظام کو چلانے کے لئے اولی الامر کو چند باتوں کا خیال رکھنا  
پڑے گا۔ مثلاً "ریاست کے ان اصولوں کو مانتے ہوں جن پر نظام حکومت کا انحصار ہے۔  
اگر وہ ان اصولوں کے مخالف ہیں تو کبھی بھی ریاست کے نظام کو منشاء الہی کے  
مطابق نہیں چلا سکتے۔ اس کے علاوہ وہ ظالم، فاسق و فاجر، خدا سے غافل اور  
حد سے گزر جانے والے نہ ہوں<sup>۱</sup> اسکے مقابلے میں انکو ایماندار، خدا ترس، نیک دل،  
ہمدرد ہونا چاہئے۔ ان صفات کی بناء پر باہمی محبت و اخوت پروان چڑھگی۔ اگر  
کوئی فاسق، ظالم اس منصب پر قابض ہو جائے تو اسکی یہ امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے

و اذا بتلى البرهيم ربه بكلمت فاتهم قال اننى جاعلك للناس اما ما قال  
و من ذريتى قال لا ينال عهدي الظالمين<sup>۲</sup>۔

( اور یاد کرو جب ابراہیم کو اسکے رب نے چند باتوں میں  
آزمایا اور اس نے وہ پوری کردین تو رب نے فرمایا میں تجھے  
لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ابراہیم نے کہا میری اولاد میں  
سے بھی، فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہونچتا۔

پھر ایک اور آیت میں فرمایا۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه و كان امره فرطا<sup>۴</sup>

( اور تو اطاعت نہ کر کسی ایسے شخص کی جسکے دل کو  
ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنے  
خواہش نفس کی پیروی کی ہے اور جسکا کام حد سے گزرا  
ہوا ہے۔ اور اطاعت نہ کر ان حد سے گزر جانے والوں کی جو  
زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

المسرفين الذين ينفرون في  
البيوت

۱۔ سورہ نساء ع ۸

۲۔ خلافت و ملوکیت ص ۳۸، ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکشنز ۱۹۶۶ء

۳۔ البقرہ ع ۱۵

۴۔ سورہ الکہف ع ۴

حکومت کے نظام کو چلانے والے تمام اصولوں کے پابند، نیکوکار، ذی علم، دانا، معاملہ فہم، امانتدار، ایماندار، اطاعت گزار ہوں تاکہ ریاست کا انتظام احکام خداوندی اور سنت نبوی کی روشنی میں ہو سکے۔ اور معاشرہ میں آسودگی و خوشحالی ہو۔ کیونکہ حکومت کے نظام کو سنبھالنے کے تمام تر ذمہ داری اسی انتظامیہ پر ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی ریاست میں صحیح صحیح انتظام کرسکتی ہے اسی وقت ریاست اسلامی اصولوں کے مطابق ترقی کرسکتی ہے۔

### ” عدلیہ ”

عدلیہ اسلامی حکومت کا اہم ترین شعبہ ہے۔ یہ قدیم اصطلاح ” قضا“<sup>۱</sup> کے ہم معنی ہے اسکو ” صیغہ جزا“<sup>۲</sup> بھی کہا گیا ہے۔ اسلامی عدالت کی تاریخ اسلام کے مشہور ترین واقعہ ہجرت نبوی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کا دائرہ عمل خدا کی طرف سے متعین ہوتا ہے۔ خدا حکومت کا اقتدار اعلیٰ اور انصاف کا سرچشمہ ہے اسلئے اس کا حکم ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کی طرح حکومت کے شعبہ میں بھی عدل بقول برقرار رہے۔ معاشرہ سے ظلم و زیادتی ختم ہو جائے اور پورے معاشرے کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔

دنیا کی تمام عدالتوں میں اسلامی عدلیہ کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ دوسری عدالتیں انصاف کی روح سے خالی ہیں۔ رشوت ان کا منہ بند کردیتی ہے۔ امیر آدمی اپنی دولت کا سہارا لیکر غریب کی عزت و ناموس سے خرید لیتا ہے۔ غریب عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے لیکن اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا۔ اسلام کا صیغہ عدل انصاف کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ ”وہ عدالتوں کی کثرت اور نمائش پر زور نہیں دیتا بلکہ عدل کی حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔“

۱۔ اسلامی ریاست ص ۳۰۳ ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۲ء  
 ۲۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۵۱۸ حامد الانصاری غازی۔ ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۱ء  
 ۳۔ اسلام کا نظام سیاست و عدل ص ۱۱۳، یعقوب الرحمن عثمانی، عثمانی اکیڈمی ۱۹۴۶ء  
 ۴۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۵۱۹ مولانا حامد الانصاری غازی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۱ء

اسلام کی نظر میں حقوق کے اعتبار سے تمام سے انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں علاوہ تقویٰ کے۔ اسلامی ریاست سب کے ساتھ مساوی سلوک کرتی ہے۔ اگر معاشرہ میں کسی قسم کی بد امنی ہے۔ کوئی فتنہ برپا ہے تو عدلیہ کا فرض ہے کہ وہ ان تنازعات کا تصفیہ کرے اور معاشرہ میں امن و امان قائم کرے قرآن مجید میں بدنظمی اور ظلم کی سحت مذمت کی گئی ہے اور عدل قائم رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔

و اذا حکمتم بین الناس ان تحکوا بالعدل<sup>۱</sup>

( اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو )

ان الله یامر بالعدل والاحسان المھملواھواقرب للتقوی ان الله یحب المقطعین<sup>۲</sup>۔

( بے شک اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے عدل کو کہ عدل کرنا ہی انسان کو تقویٰ سے زیادہ قریب لیجاتا ہے اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے )

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت میں عدل کی کتنی اہمیت ہے۔ اسلام نے عدل کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے کیونکہ عدل معاشری اصلاح کے لئے ضروری ہے سیاسی و اقتصادی نظام میں بھی اسکی بہت اہمیت ہے۔ قانون کی برتری، عدلیہ کی آزادی، قانونی مساوات، عدالت کو انصاف کرنے کا حکم، حکومت پر عدل رسانی کی ذمہ داری وغیرہ بنیادی اصول ہیں جن پر اسلام کا نظام عدلیہ قائم ہے۔ یہ نظام انصاف کی حمایت اور ظلم کی مذمت پر زور دیتا ہے تاکہ ریاست کی فلاحی حیثیت برقرار رہے جس نظام میں عدل کا اہتمام نہیں وہاں ظلم کا رواج ہوگا اسی لئے عدل کو نظام کی روح کہا گیا ہے۔

۱۔ سورہ نساء آیت ۸

۲۔ سورہ نحل ۱۲

### جہاد و دفاع

جہاد - سنت میں پورے کوشش کرنا اور اصلاح میں دین کی حفاظت اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے جنگ لڑنا -

انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا جہاد ہے -<sup>۲</sup>

اللہ نے جہاد کا حکم اس وقت دیا جبکہ آپکو اور آپکے صحابہ کو قریش تکالیف میں مبتلا کرتے لیکن آپ اور آپکے ساتھی نعرہ اعلیٰ کلمۃ الحق بلند کرنے سے باز نہ آتے وہ برابر لوگوں کو توحید نیک اعمال کی دعوت دیتے رہے - جب زیادتیان ، پریشانیان اور مصیبتیں حد سے تجاوز کر گئیں اس وقت اقتدار اعلیٰ نے آپکو مشکین سے جہاد کا حکم دیا -<sup>۳</sup> یہ خدا کے لئے جنگ تھی - توحید کا نعرہ بلند کرنے کے لئے جنگ تھی خدا نے یہ حکم چند آیات کے ذریعہ دیا -

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصرہم لقد یرالذین  
اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ

( جن مومنوں کے ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً " قدرت رکھتا ہے یہ وہ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے تھے انکا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے -

اس میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور انکو گھروں سے بے گھر اس وجہ سے کرتے ہیں جو خدا کو اپنا پروردگار سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے خلاف

۱- مصباح اللغات جلد ۵ ص ۱۰۱ اور ابوالفضل عبدالحفیظ ، طبع مکتبہ برہان

۲- اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۶۹ ، شاہد حسین رزاقی ، ثقافت اسلامین ۱۹۵۷ء

۳- اسلام کا نظام حکومت ص ۵۰۴ حامد لانصاری عازی ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۱ء

۴- سورہ ح ع ۵



صرف اپنی مدافعت ہی کے لئے جنگ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ دوسرے مظلوموں کی عانت و حمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے<sup>۱</sup>۔ اس آیت میں کمزور بے بس لوگوں کو ظالموں کے پنبہ ستم سے رہائی دلانے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله و المستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه الزبلة الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا<sup>۲</sup>

( تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں اے خدا ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں اور ہمارے لئے خالص اپنی طرف سے ایک محافظ و مددگار مقرر فرما ۔ )

ایسی جنگ جو کمزور مظلوموں کی مدافعت کے لئے لڑی جائے وہ خدا کے لئے جنگ فرار دی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ بندوق کے مفاد کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے ہے۔ اس جنگ کے جاری رہنے کا حکم اس وقت تک کے لئے دیا گیا ہے جب تک بندوق پر ظلم و تشدد کا سلسلہ بند نہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا

وقتلوهم حتى لا تكون فتنة<sup>۳</sup> ( ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے )  
حتى تفر الحرب اوزارها ( یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار دالے )

اور فساد کا نام و نشان اس طرح مت جائے کہ اس کے مقابلے پر جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے )  
اسلام نے جہاد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جہاد فی سبیل اللہ - قتال فی سبیل الطاعت<sup>۵</sup> جہاد فی سبیل اللہ کا مطلب ہے خدا کے لئے اور خدا کے احکام کے نفاذ

۱۔ الجہاد فی الاسلام - اسلامی جہاد کی حقیقت ص ۲۸، ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن ۱۹۳۰-۴۸

۲۔ سورہ نساء ع ۱۰

۳۔ سورہ بقرہ ع ۲۴

۵۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۵۰۴، حامد الانصاری عازی، ندوت المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۱ء

کے لئے جنگ کی جائے ، دوسری وہ جو خدا کے نام پر نہ لڑے ، جائے بلکہ طاقت کے غرور اور ظلم و سرکشی کی خاطر لڑے جائے ۔ اسکی تصریح فرمادی گئی

الَّذِينَ آمَنُوا يقاتلون في سبيل الله والَّذِينَ كَفَرُوا يقاتلون في  
سبيل الطَّاغُوتِ فقاتلوا أوليئِماءَ الشَّيْطَانِ ان كيد الشَّيْطَانِ كَانَ خَصِيضًا<sup>۱</sup>  
( جیسی جو لوگ ایماندار ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور  
جو کافر و نافرمان ہیں وہ ظلم و سرکشی کی خاطر لڑتے ہیں بس  
شیطان کے دوستوں سے لڑو کہ شیطان کی جنگ کا پہلو کمزور ہے )  
قرآن نے جہاد کی فضیلت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ تُمْنُونَ  
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ  
ان كُنتُمْ تَعْلَمُونَ<sup>۲</sup>

( اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں  
دردناک عذاب سے بچائے وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ کے  
رسول پر ایمان لاؤ اور اسکی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد  
کرو یہ تمہارے لئے بہترین کام ہے اگر تم جانو )

پھر فرمایا کہ

أَنْ اللَّهَ يُحِبَّ الَّذِينَ يقاتلون في سبيله صَفًّا كَانَهُمْ بَنِيَانٌ مَّرْصُورٌ<sup>۳</sup>  
( اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اسکی راہ میں اسطرح  
صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی  
دیوار ہیں )

قرآن کا منشاء یہ ہے کہ اسکے پیغمبر اور اسکو ماننے والے بندے ہمیشہ جہاد  
فی سبیل اللہ اختیار کریں ۔ اسی کی خاطر لڑ کر اپنی جان دین انکو یہ نہ کرنا چاہئے  
کہ ہمت ہار دین اور پیٹھ پھیر کر میدان جنگ سے فرار ہو جائیں بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کریں  
کیونکہ اللہ ان ڈٹ کر مقابلہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔ حدیث میں بھی اسکی اہمیت

۱۔ سورہ نساء ع ۱۰

۲۔ سورہ الصف ع ۲

۳۔ سورہ " ع ۱

بیان کی گئی ہے۔

ایک مرتبہ پیغمبر اعظم نے ابوسعیدؓ سے فرمایا

”وہ اشنان جس نے اللہ کو خوش کر لیا اسلام کو اپنا مذہب بنالیا اور محمد کو رسول مقرر کیا جنت پر اسکا قبضہ ہو گیا لیکن اس مرحلہ پر ایک اور کام باقی ہے جس سے انسان سو درجہ بلند ہو جاتا ہے ابوسعیدؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ اس کام سے بھی مطلع فرمائے آنحضرتؐ نے اس کے جواب میں تین بار ایک ہی جواب دیا ، جہاد فی سبیل اللہ ، جہاد فی سبیل اللہ ، جہاد فی سبیل اللہ“<sup>۱</sup>

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی کسی قسم کی بھلمنی پھیلائے ، انسانی حقوق کی پامالی کرے ، ظلم و ستم پر آمادہ ہو ، اجتماعی نظام کو درہم برہم کرے۔ مسلمانوں ہونے کا طعنہ دے ایسی صورت میں کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہئے بلکہ قانون الہی کے نفاذ کے لئے اسکا مقابلہ کرنا چاہئے۔ ریاست کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شہریوں کی عزت و ناموس اور فلاح کے لئے ایسے لوگوں سے لڑے جو نظام کو درہم برہم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہین۔

مجلس شوری، شوری کا تاریخی پہلو، زمانہ حال کی پارلیمنٹ اور شوری کا اختیار

اسلامی نظام میں شوری کی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن میں ایمان والوں کی جہان تمام خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہاں یہ بھی ایک خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ باہمی صلاح مشورہ سے سارے کام انجام دیتے ہین۔ ایمان والوں کا اشارہ غالباً ”خلفاء“ کی طرف کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح امت مسلمہ کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت کرے اسی طرح خلفاء کو تاکید کی گئی کہ وہ تمام امور مملکت میں مشورہ لیا کریں<sup>۲</sup>

۱۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الجہاد ص ۳۳۴

۲۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۴۱، پروفیسر رشید احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

۱ اور حسب اقتضاء معاملات جمہور سے بھی مشورہ کرنا اپنے اہم فرائض میں سمجھیں شوری  
 کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوجاتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک سورت " شوری " نام کی ہے  
 جس کا ذکر آئندہ آئیگا ۔

۳ شوری حقیقت میں رائے عامہ کا اظہار ہے یعنی دنیا کے معاملات میں امت کے  
 افراد ایک جگہ جمع ہوکر اپنی فراست سے کام لیکر کوئی فیصلہ کریں ۔ یہی شوری کی  
 حقیقت ہے ۔ علامہ قاضی ثناللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں

" کہ شوری کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے  
 علم اور قابلیت کے مطابق اپنی رائے و خیالات پیش کردیتا ہے ایک  
 دوسرے کے نظریات کی روشنی میں ایک صالح فیصلہ سامنے آتا ہے ۔

شوری کی بنیاد این ایسے قانون حکم اور آئینی تعامل پر ہے جو کبھی کمزور نہیں  
 ہوسکتا ۔ اس کے متعلق خدا کا حکم ہے اور یہ حکم اسلامی حکومت کے پہلے سربراہ  
 دنیا کے سردار اعظم محمد مصطفیٰ صلاللہ علیہ وسلم کے لئے ہے ۔ اس پیغمبر کے لئے  
 جس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں اور اس قوم کے لئے جس سے بہتر کوئی قوم نہیں ۔

۸ و شا دھم فی الامر فاذا اعزمت فتوکل علی اللہ

( اور معاملات صلح و جنگ میں انکو شریک مشورہ کرلیا کرو پھر  
 مشورہ کے بعد تمہارے دل میں ایک بات ٹھن جائے تو بھروسا خدا پر  
 رکھو )

اس طرح قرآن توکل علی اللہ سے قبل معاملات میں مشورہ لینے پر زور دیتا ہے ۔ کیونکہ

بغیر رائے اور مشورہ کے توکل علی اللہ نامکمل رہتا ہے ۔ مشورہ کا حکم صرف اس وجہ دیا

۱۔ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۸۸ مولانا محمد حفظ الرحمن ر/ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

۲۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۴۱ پروفیسر رشید احمد ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

۳۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۲۰ حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

۴۔ تفسیر منہری پ ۴ سورہ آل عمران ۳ ، ج ۲ ص ۱۶۲

۵۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۲۱ مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء

۶۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۴۱ ، پروفیسر رشید احمد ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

۷۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۲۱ ، مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

۸۔ سورہ آل عمران ج ۱۷

یا تاکہ حضور کے بعد آپنی اقتداء کی جائے جن معاملات میں وحی نے کوئی حکم دیا ان میں لوگوں کو رائے اور مشورہ نیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ لینے والوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

و امر ہم شوریٰ بینہم اور مسلمانوں کا کام آپس کے مشورہ سے ہونا چاہئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشورہ کرنا عمدہ اخلاق حسنہ کی علامت ہے۔ یہ نہ صرف دنیاوی کامیابی کی کجی ہے بلکہ اخروی فلاح و بہبود کا دارومدار بہت حد تک اسی پر ہے۔ اس لئے مجلس شوریٰ اسلامی نظام کی اید خصوصیت ہے۔ جسکی انجام دہی میں صرف مشورہ لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔<sup>۴</sup> چنانچہ تالیفہ نہ صرف مشورہ لینے کا پابند ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی اسکا فرض ہے۔ اگر تالیفہ مجلس شوریٰ کے مشورہ کو نظر انداز کرکے صرف اپنی رائے پر عمل کرتا ہے تو اس کا نتیجہ مطلق العنان اور آمریت کی شکل میں نکلے گا۔<sup>۵</sup> یہ اسلامی معاشرہ سیاسی نظام کے مقاصد کے خلاف ہے اور امور مملکت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا کیونکہ پھر وہ تمام فیصلے مطلق العنان سے کریگا۔ اگر یہ صورت وجود میں آجاتی کہ اسلام کا نظام حکومت خلیفہ وقت کی مرضی کا پابند ہوتا تو پھر نہ شوریٰ کا حکم آتا اور نہ دنیا کے سردار اور اسلام کے مرکزیدہ پیغمبر پر عمل کتنے۔<sup>۶</sup>

شوریٰ کے جلسوں کے لئے ایوان کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح عصر حاضر میں ہر اراکوں کے لئے ایک عمارت ہوتی ہے اسی طرح مکہ میں مسلمانوں کے اجتماع اور اجتماعی

۱۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۴۱ پروفیسر رشید احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

۲۔ تاریخ جمہوریت ص ۱۶۰ شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۷ء

۳۔ ایضاً

۴۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۱۳ مولانا حامد الانصاری غازی ندوہ المصنفین ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء

۵۔ اسپاہیت شرعیہ اردو ص ۲۸۱ مولانا محمد اسمعین دودھروی، کلام کمپنی

۶۔ مشورہ شوریٰ آیت ع ۱۴

عہد نبوت میں حضور نے اور خلافت راشدہ میں اسلامی حکومت کے صدر نشین اصحاب نے اس مسئلہ میں حکمت عملی سے کام لیا ہے۔ حضور کا معمول تھا کہ حکومت کے ہر اہم معاملہ میں شوری طلب فرماتے تھے۔ صورت حال کا تعلق مصالح دینی سے ہوتا تھا یا نیا کے مفاد سے، گھر کے وقائع سے ہوتا یا شخصی حوادث سے<sup>۷</sup>۔ آپ مشورہ کے لئے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ حضور کی یہ سرگرمی اور گرمجوشی خدا کے حکم کی آئینہ دار ہی شوری کا تعلق امر الہی سے تھا اور امر الہی کی تعمیل کے لئے ایسی ہی سرگرم سعی کی ضرورت تھی۔<sup>۸</sup>

۳۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۲۳ مولوی محمد علیم اللہ ندوہ المصنفین دہلی ۱۹۵۸ء  
۴۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۲۶ مولانا وحید حامد الانصاری غازی " ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء  
۱۔ بحوالہ اسلام کا نظام حکومت ۴۲۶ مولانا حامد الانصاری غازی ندوہ المصنفین دہلی  
- ایضاً " ص ۴۲۶  
۷۔ سلمان مد نظام حکومت ص ۴۳۸ " " " "  
۸۔ ایضاً " ص ۴۳۸

اسلامی تاریخ میں واقعہ اذہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں آپ کی پاکدامن بیوی حضرت عائشہ پر اتہام لگایا گیا تھا آپ نے اپنی اس نجی زندگی میں بھی حضرت علیؓ ، حضرت اسحاقؓ اور عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔<sup>۱</sup> نجی زندگی کے علاوہ آپ ہر اس کام میں مشورہ کرتے جو امت مسلمہ کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتا۔ کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ نے بغیر مشورہ کے قدم اٹھایا ہو۔ صلح حدیبیہ کے سفر پر جانے سے پہلے آپ نے شوری طلب کیا اسکے بعد سفر کا ارادہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ حضورؐ نے ہر معاملے میں شوری کی ضرورت محسوس کی حالانکہ آپ پیغمبر خدا تھے ہر معاملہ کے انجام کی اطلاع وحی الہی کے ذریعہ ہو جاتی تھی لیکن پھر بھی آپ مشورہ پر زور دیا کرتے تھے اور انسانی ضمیر کی آزادی اور رائے عامہ کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔

شوری کے نمایاں اجلاس درجہ ذیل ہیں۔

۲ شورائے بدر الکبریٰ ۱ھ ، شورائے احد ۳ھ ، شوری سقیفہ بنی ساعد ۱۱ھ۔

جنگ بدر کے وقت آپ بہت متفکر تھے سب سے مشورہ کیا تمام صحابہ نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ آپ مقابلے کی تیاری کیجیئے ہم سب لوگ آپ کا ساتھ دین گے اس میں حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ نے تقریر کیں۔<sup>۳</sup> کسی نے کہا کہ آپ اپنے ارادہ کو ایہ تکمیل پہنچا دیجیئے کسی نے کہا کہ ہم عہد کرچکے ہیں کہ جس طرف آپ چلیں گے اسی طرف ہم بھی روانہ ہونگے۔ ان باتوں سے متاثر ہوکر حضور نے لشکر کشی کا حکم دیا اور شاندار کامیابی حاصل کی۔

جنگ احد کے موقع پر بھی آپ نے شوری منعقد کی۔ آپ نے مشورہ کیا کہ یا تو جنگ مدینہ سے باہر جاکر لڑی جائے یا مدینہ کے اندر رہ کر ہی حملہ کا جواب دیا جائے

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۳۸ مولانا حامد الانصاری عازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ /

۱۹۴۳ء

"

"

۱۔ ایضاً ص ۴۴۲ تا ۴۴۰

"

"

۳۔ ایضاً ص ۴۴۰

آپکی مرضی یہی تھی کہ شہر کے اندر رہ کر ہی جنگ کی جائے لیکن اکثریت نے اس بات زور دیا کہ کمان ہاتھ میں لیکر باہر چلئے لیکن ابن ابی نے یہ اصرار کیا کہ یا ول اللہ ہرگز بیرونی محاذ پر نہ جائے اگر باہر نکلے تو شکست ہوگی اور شہر میں رہ لڑے تو فتح ہوگی۔ شوری کی اکثریت نے باہر نکلنے پر زور دیا چونکہ آپ امت کے ہون کو امت کے عام فیصلہ کے مطابق انجام دیتے تھے اسلئے شوری کے فیصلہ کے مطابق مان ہاتھ میں لی اور باہر نکلنے کا ارادہ کر لیا حالانکہ آپکی ذاتی رائے اسکے برعکس سی پھر بھی آپ نے شوری کے فیصلہ کو ترجیح دی اور محاذ پر روانہ ہو گئے لیکن کچھ ٹون کی غلطی سے پہلے حملہ میں شکست ہوئی دندان مبارک بھی شہید ہوئے لیکن پری کے فیصلہ پر جمعے رہے اور اپنی ذاتی فیصلہ پر اصرار نہیں کیا۔ اس سے اندازہ پتا ہے کہ آپکے نزدیک شوری کی کتنی اہمیت تھی کہ اپنے ذاتی فیصلہ پر اس فیصلہ کو جرح دیا کرتے تھے۔ جس طرح عہد نبوی میں شوری پر عمل کیا گیا اسی طرح خلافتِ ندہ کے دور حکومت میں ہو بہو اسکی پیروی کی گئی<sup>۲</sup> آنحضرت کی وفات کے بعد انصارِ نیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے مقصد یہ تھا کہ باہمی مشورہ سے انصار میں سے آپکا ایک جانشین مقرر کر لیں آپکی وفات اسلام کے نظام اجتماعی کے لئے بڑا حادثہ تھی کیونکہ سی موقع تھا جہاں صحابہ کرام کو اپنے فرض کی تکمیل کرنی تھی۔ انسانیت انکے فیصلے منتظر تھی کہ وہ پیغمبر اسلام کے بعد شہنشاہیت قائم کرتے ہین یا مطلق العنان آمریت خدا کے حکم کے مطابق شوری کے فیصلے اور امت کے اختیار پر عمل پیرا ہوتے ہین<sup>۴</sup> حابہ نے شوری کو ترجیح دی اور اس پر نظر رکھی کہ حضور نے کبھی بھی اپنی ذاتی رائے سے کسی کو حکومت کا قائد مقرر نہیں کیا بلکہ سب کچھ امت کی رائے پر چھوڑ دیا

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۴۲ مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء

۲۔ ایضاً

۳۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۳ مولوی محمد علیم اللہ صدیقی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

۴۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۴۳ مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء



یونکہ یہ حق موروثی یا خاندانی نہ تھا بلکہ رائے عامہ ہی استحقاق کا فیصلہ کرتی تھی۔

حضور کی وفات کے بعد خلافت کی جانشینی کا مسئلہ اٹھا تو تمام لوگ آپس میں

لڑنے جھگڑنے لگے لیکن حضرت عمر نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر حضرت ابوبکر کو

بانشین تجویز کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی حضرت عمرؓ کے بعد ابو عبیدہؓ ، بشیر بن سعدؓ ،

مے آپکی تقلید کی اسکے بعد انصار اور مہاجرین نے بھی بیعت شروع کر دی ۔

یہ بیعت ”بیعت خاصہ“ کے نام سے موسوم ہے اس دن صرف چند مسلمانوں نے بیعت

و تھی جو سقیفہ میں موجود تھے — دوسرے روز حضرت ابوبکر منبر پر تشریف فرما ہوئے

ور تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اسے "بیعت عامہ" کہا جاتا ہے۔

اسکے بعد حضرت عمر کا انتخاب عمر مین آیا جو مسلمانوں کے مشورہ سے طے کیا

یا حضرت ابوبکرؓ کے ممتاز افراد کو ایت جگہ جمع ہونے کے لئے حکم دیا ان

مین عبدالرحمن بن عوف، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، سعد بن زید،

بوالاعور، السید بن حمزہ وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت ابوبکر نے

حضرت عمر کو ترجیح دی بعضی حضرات نے حضرت عمر کے مزاج کی سختی کا ذکر کیا

تو آپ نے فرمایا کہ خلافت کا بوجھ انکو نرم کر دینا اور اس پر تمام اراکین شوریٰ نے

## تفاق کیا —

فاروق اعظم کے بعد حضرت عثمان ذی النورین اسلامی حکومت کے قائد اعلیٰ منتخب

ہوئے آپ کا انتخاب بھی شوری کے فیصلہ اور رائے عامہ کی منظوری سے تکمیل پذیر ہوا

حضرت عمر کو جب ایرانی غلام ابولولو نے زخمی کر دیا اس کے بعد سب سے پہلے مجلس

شوریٰ کا انتخاب کیا اور فرمایا کہ میں اپنی رائے سے کسی شخص کو منتخب نہیں کروں گا بلکہ

سلیمانوں کا نظم مملکت ص ۳۶ مولوی محمد عظیم اللہ صدیق ندوہ الصنفین دہلی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

— ایضاً ”

۲۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۳۷ مولانا حامد الانصاری غازی ” ” ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۳ء

” ٤٤٩ ص ”



نے عہد کی تجدید کا ارادہ کیا اور وقت کی نبی کو پہچانے بغیر اسے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا اور حضرت عثمان کے مقرر کئے ہوئے گورنروں کی معزولی کا حکم جاری کر دیا۔<sup>۱</sup> گورنر کا غیظ و غضب سے دانت پیسنے لگے لیکن حکم کی تعمیل کرنا ضروری نہی صرف حضرت معاویہ انکے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔<sup>۲</sup> کیونکہ انکے پاس زبردست فوج تھی جسکی قوت پر آپ نے انکار کیا تھا جسکا نتیجہ جنگ کی صورت میں ظاہر ہوا تھوڑے عرصہ بعد حضرت علی شہید ہوئے اور منصب خلافت امیر معاویہ کو حاصل ہو گیا انھوں نے دولت بنو امیہ کو بنیاد ڈالی۔<sup>۳</sup>

مندرجہ بالا تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کا انتخاب قوم کی عام رائے سے ہوا۔<sup>۴</sup> حضرت عمر کا واقعہ اسکی تائید کے لئے پیش کیا جاتا ہے حضرت عمر کو ایک شخص نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ بنائیں تو آپ نے اسکو خاموش کر دیا اور انھیں اشخاص کا نام لیا جنکی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور ساتھ ساتھ اسکی بھی توضیح کردی کہ میرے بیٹے کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ خلافت کا منصب صرف بڑے لوگوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ اسمین آقا اور غلام دونوں برابر ہیں کیونکہ اسلام کی تعلیم ہی یہ ہے کہ سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں اسلئے آپ نے فرمایا کہ ”اگر ابو حذیفہ کا آزاد شدہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں خلافت کے لئے اسکا انتخاب کرتا۔“<sup>۵</sup> اس لئے ہر ایک خلیفہ کا انتخاب عام لوگوں کی رائے اور مشورہ سے ہوا۔ خود ریاست بھی اسی کوشش میں رہتی تھی کہ جہاں تک ہوسکے عوام کے مشورہ سے کام کیا جائے۔

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۴۹ مولوی محمد علیم اللہ صدیقی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۸ھ /

۱۹۵۸ء

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ اشتراکیت اور اسلام ص ۴۰ ابوسلیم محمد حفیظ اللہ، ریاست ہند پریس سیرہ

۵۔ ایضاً ص ۳۹

۶۔ ایضاً ص ۳۹

”                    ”                    ”                    ”                    ”

کو لے لیجئے اسمین یہ خرابیان نمایان طور پر نظر آئینگی۔ خواہ وہ انگلستان کی پارلیمنٹ ہو یا فرانس کی۔ یا امریکہ کی یا جاپان کی یا ہندوستان کی سب میں یہ خامیان موجود ہیں لیکن اس پارلیمنٹ سے قطع نظر اسلامی پارلیمنٹ یا دوسرے الفاظ میں مجلس شوریٰ کی طرف ایک تنقیدی نظر دالئے تو یہ تمام خوبیوں کا مرکب ہے۔

اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ حقیقہ حقیقی پارلیمنٹ کا وجود شوریٰ کی شکل دنیا کے سامنے اس وقت آیا جب پارلیمنٹ زمین کے کسی حصے پر پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اسلامی شوریٰ زمانہ حال کی پارلیمنٹ سے کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے۔ اول یہ کہ ایسے معین خدائی قانون کی پابند ہے جس میں کسی تخیرو و تبدل کی گنجائش نہیں۔ پارلیمنٹری نظام میں قوم کی مرضی حکومت کی پابند ہوتی ہے جبکہ شوریٰ اللہ تعالیٰ کی مرضی کی پابند ہوتی ہے۔

”مجلس اہل حل و عقد شوریٰ مجلس ہے۔ وہ ہاؤس آف لارڈ نہیں ہے جسکے ارکان موروثی طور پر ~~نظف~~ نامزد ہوتے ہیں اور شاہی شہزادے سمجھے جاتے ہیں،<sup>۲</sup> شوریٰ کے نظام میں امام کی ہستی مرکزی حیثیت رکھتی ہے لیکن وہ ہر معاملہ میں خدا کے حکم کی تعمیل میں سرنگون رہتی ہے۔ جب امام حکومت کے کسی کلام کو انجام دیتا ہے تو اس میں مفاد عامہ کا ضرور خیال رکھتا ہے۔ امت کا ہر فرد اپنی رائے دینے کے لئے ہر وقت آزاد ہے لیکن جنگ وغیرہ کے دوران اسکو یہ آزادی حاصل نہیں ہوتی اس وقت اسکو اپنے امیر کی مرضی کا پابند ہونا ہوتا ہے۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ”ریاست عامہ کا رئیس ایک طاقتور آمر تو ہے مگر آمر مطلق نہیں بلکہ اس کا مقام بے لگام جمہوریت اور بے قید ڈکٹیٹوشپ کے درمیان ہے“<sup>۳</sup>

امام شوریٰ کے فیصلہ سے منتخب ہوتا ہے ایسی کے انتخاب کے بعد تمام آراء یکجا ہوکر پورے نظام کی قوت بن جاتی ہیں اب اسمین بالبار کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن

۱۔ اسلام کا نظام حکومت ص ۴۶۸ مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء

۲۔ ایضاً ” ص ۴۷ ”

۳۔ ایضاً ” ص ۴۷۰ ”

لیکن موجودہ زمانہ کی پارلیمنٹ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کا صدر بدلتا رہتا ہے شوریٰ کی قوت جمہور کی سچی اور حقیقی مرضی پر قائم ہے۔ شوریٰ ایک متحد شیرازہ بند نظام ہے شوریٰ کے ایوان میں کسی قسم کی جماعت بندی نہیں ہے۔ آجکل کی پارلیمنٹ کا نظام ہی پارٹی بندی پر ہے یعنی ایک پارٹی برسر اقتدار ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں دوسری پارٹیوں کو اتنا بھی حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی رائے سے حکمران جماعت کی رائے بدل دین۔ پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ دار ہونا چاہئے اس لئے کہ اس کو انتخاب کے اخراجات کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کا قانونی حق ہے یہ سرمایہ دار ایوان میں پانچ سال تک عوام کے نام پر کام کرتے ہیں اور ہر حال میں وہ اس ایوان پر قابض رہتے ہیں اور ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کرتے ہیں اسی وجہ سے معاشرہ کا نظام درہم برہم رہتا ہے لیکن اسلام اس تفریق کو تسلیم نہیں کرتا وہ سوسائٹی کی بنیاد جمہور کے مفاد پر جمہور کی نگرانی پر رکھتا ہے اور تمام لوگوں کے مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ عصر حاضر میں تین طرح کی طرز حکومت پر زور دیا جاتا ہے جبری حکومت، قابو یافتہ اکثریت کی حکومت یا مطلق العنان اقلیت کی حکومت۔ لیکن شوریٰ ان تینوں کے برخلاف صرف رائے عام کی پابند ہوتی ہے۔ لیکن شوریٰ یا رائے عامہ قانون الہی کا پابند ہوتی۔ اس لئے اس کو رائے ایسی دینی چاہئے جیسے ایک امین دوسرے کی امانت ادا کرتا ہے۔

## \* اسلام کے معاشی<sup>(نظا)</sup> میں فلاحیت کا تصور

کارخانہ عالم میں کروڑوں انسان آباد ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن انکی معاشی ضروریات یکساں ہیں اور معاش کا مسئلہ انسان کا فطری مطالبہ ہے جسکی تکمیل حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھائے۔ پہننے اور رہنے کے مواقع فراہم کرے۔ لیکن آج مختلف معاشی نظریات نے دنیا کو دو طبقوں میں منقسم کر دیا ہے ایک نے دولت جمع کرنے پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جسکی وجہ سے جائز و ناجائز ہر طریقہ سے دولت جمع کی جائے لگی رہی اور دولت کے نشہ میں ایسا سرمست ہوا کہ اسکو اپنے ارد گرد کی بھی خبر نہ رہی کہ غریب فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ قطع نظر ان معاشی نظریات سے \* اسلام ایک ایسے معاشی نظام کا بانی اور موسس ہے جسکی بنیاد صرف کائنات انسانی کی رفع حاجات و ضروریات اور انفرادی واجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولتمندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ رفع حاجات و تکمیل ضروریات کے لئے ایک خید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اسکی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے \* (۱)

اسلامی معاشیات میں اسکی گنجائش نہیں کہ اپنے نفع کی خاطر دوسروں کے نفع کا خیال نہ کیا جائے اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسروں کی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر دے۔ لیکن اسلام نے انسان کی معاشی ضروریات اور زندگی کے مادی تقاضوں کو کما حقہ ملحوظ رکھا اور ایک عادلانہ معاشی نظام قائم کیا جس سے تمام مسلمانوں کی معاشی حالت

---

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۸ محمد حفظ الرحمن سہواری - ندوۃ المصنفین دہلی

بہتر ہو سکے اور کم از کم اتنی روزی ضرور مل جائے جس سے ان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو جائیں اپنی روزی میں سے دوسروں کو نفع پہونچانے والا بلند اخلاقی رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ انسان کی فلاح و بہبودی کا کس طرح خیال رکھا جائے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَاتِي الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقَرْبَىٰ وَالْيَتَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقْرَبَ الْمَلُولَةِ ۚ وَاتِي الزَّكَاةَ (۱)

اور غلامانِ مال دینا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی کو تا ہو اور زکوٰۃ ادا کرنا ہو یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مال صرف اپنی ذات پر ہی خرچ نہ کرے بلکہ اس کو اللہ کی محبت میں خرچ کرے اللہ کی محبت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ان کا حق ادا کرے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

فرض لکھئے اگر کوئی ریاست اپنے شہریوں کی ضرورت کا خیال نہیں کرتی تو

بے چینی روز بروز بڑھتی رہے گی۔ ریاست کے افراد بھوکے و پیاس سے بے چین ہو کر لوٹ کھسوٹ پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ہر شخص اپنا اور اپنے بچوں کے پیٹ پالنے کی فکر میں سرگردان ہو جائیگا۔ یہ چیز ریاست کے فلاحیت کو مجروح کر دیتی ہے لہذا ریاست کی فلاحیت اسی وقت برقرار رہ سکتی ہے جبکہ وہ اپنے بسنے والے شہریوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کی پوری ذمہ داری اس موصول کے مطابق اسلامی ریاست پورے طور پر فلاحی ریاست ہے کیونکہ یہ دنیا ایک ایسا مکمل معاشی نظام رکھتی ہے۔ شہریوں کی ضروریات کی طرف توجہ دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر عمل نہیں کرتا " تو اسلامی ریاست کو پورا اختیار ہے



کہ ضروری تعزیری کاروائیاں عمل میں لائے تاکہ فتنوں کا سد باب ہو سکے لیکن ان تعزیری احکام کی ضرورت شاذ و نادر ہی پڑتی ہے\* (۱) کیونکہ اسلام کے قانونی اور اخلاقی ضابطے اتنے جامع اور مکمل ہیں<sup>اور</sup> معاشی توازن کو برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوئے ہیں ۔

اسلامی معاشی نظام ایسا جامع مانع نظام ہے جو طبقاتی منافرت جیسی

فام کاریوں سے مبرا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی انسانوں کے دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ یہ

نظام ہے ۔ رزق کا کفیل خدا تعالیٰ ہے قرآن مجید کا لوشاد ہے ۔ یسطلرزق لمن یشا

من عبادہ و یقدر (۲) (وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے روزی فراخ کوتاہے

اور جسکو چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے ایک اور موقع پر فرمایا ان اللہ هو الرزاق ذو القوۃ المشین (۳)

(اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا بڑی قوت والا ہے) قرآن مجید میں بیشتر آیات میں

اسکی تفصیل ملتی ہے ۔

نظریہ معیشت اور اسکی اصولی بنیادیں قرآن کی روشنی میں —

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی نظام

ایسی شعوس معاشی بنیادوں پر قائم ہے کہ حالات کی تبدیلیاں اس پر ہیشک اثر انداز ہو

سکتی ہیں ۔ قرآن مجید نے جو معاشی نظریہ پیش کیا ہے اور جس پر بار بار زور دیا ہے

وہ یہ کہ " تمام ذرائع و وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے اللہ تعالیٰ

کے پیدا کئے ہوئے ہیں اسی نے ان کو اسطرح <sup>بنایا</sup> بنایا اور ایسے قوانین فطرت پر قائم کیا ہے کہ

وہ انسان کے لئے منفعت بخش ہیں اور اسی نے انسان کو ان سے انتفاع کا موقع دیا

(۱) اشتراکیت اور اسلام ص ۱۵۵ مسعود عالم ندوی - مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۶۹ء

(۲)

(۳)

اور ان پر تصرف کا اختیار بخشا \* (۱) قرآن حکم کی رو سے \* رزق کا کفیل خدائے بزرگ و برتر ہے انسانی عقل و تدبیر اور اسکی سعی کوشش کو براہ راست اس میں دخل حاصل نہیں (۲) مندرجہ ذیل آیات سے اس کی وضاحت ہوتی ہے -

(۳)  
وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَاللَّهُ النَّاظِرُ

(وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو رام کر دیا پس چلو اس زمین کی پہنائیوں میں اور کھاؤ اسکا رزق اور اسی کی طرف تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے -

وَالَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَائِي الْأَرْضَ جَمِيعًا (۴) (وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ

سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے )

زمین پر ہر ایک جاندار کی معیشت کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ

ارْطَاد رَبَّائِي هَيْكَ وَامْن دَاهِي فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهُ (۵) (اور زمین پر چلنے

والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اٹھ اپنے ذمہ لی ہے )

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرِّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَكِينُ (۶) (بیشک اللہ تعالیٰ ہی روزی دہنے

والا اور بڑی مضبوط قوت والا )

(۱) معاشیات اسلام - ص ۶۹ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز - لاہور

۱۹۶۹ء

(۲) مسلمانوں کے سیاسی افکار ص ۴۴ پروفیسر رشید احمد - ادارۃ ثقافت اسلامہ لاہور

۱۹۶۱ء

(۳) سورۃ الطہ ۱۵ (۴) سورۃ بقرہ - ۲۹ ع

(۵) سورۃ ہود ۱۷

(۶) الذاریات ۳

قرآن کا یہ حکم تمام انسانوں کے لئے عام ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کہونکہ اسلام معاشی خوشحالی کا ایسا نظام پروئے کار لانا چاہتا ہے جس کے ساتھ میں ہر انسان کو اس کی بنیادی ضروریات کے مطابق کھانے پہننے پہننے اور زندہ رہنے کا سامان مہر آئے۔ (۱)

اب ہم ان بنیادی اصولوں کا جائزہ لیتے ہیں جن پر اسلام کا معاشی نظام استوار ہے۔

### ”کمائی کے ذرائع میں جائز و ناجائز کا فرق“

مسئلہ سے بڑی پابندی جو اسلام نے فرد کی آزادی پر لگائی ہے وہ اس کے ذرائع آمدنی کو محدود کرنا ہے اسلام اپنے پیڑوں کو دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں دے رہے بلکہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز و ناجائز کا امتیاز قائم کیا ہے (۲) ایک طرف وہ فرد کو پوری آزادی دیتا ہے کہ جائز طریقہ سے اپنی معاش حاصل کرے اور جتنی بھی دولت حاصل کرے اسی کی ملکیت ہو کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کی کمائی ہوئی دولت پر ایذا قبضہ کرے۔ لیکن اگر وہ ناجائز طور پر دولت حاصل کرنا ہے تو اس کی اس کو اجازت نہیں دی جائیگی اگر وہ نہیں رکھتا تو پھر سزا دی جائیگی اور مال بھی ضبط کر لیا جائیگا۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس کی واضح تشریح ان الفاظ میں کی ہے کہ ”انسان ذرائع کے اکسب اور استعمال کے معاملے میں نہ تو آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے اور نہ خود اپنی مرضی سے خود حرام و حلال اور جائز و ناجائز حدود وضع کر لینے کا مجاز ہے بلکہ یہ حق خدا کا ہے کہ اس کے لئے حدود مقرر کرے (۳)۔“

(۱) اسلام کا نظام حکومت ص ۵۲۶ مولانا حامد الانصاری غازی - ندوۃ المستفین دہلی ۱۹۲۲ء

(۲) اشتراکیت اور اسلام ص ۱۵۴ مسعود عالم ندوی مکتبہ چراغِ راہ لاہور ۱۳۶۲ھ

(۳) سود - ص ۱۶ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مکتبہ جماعت اسلامی - ۱۹۴۸ء

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا. لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ  
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۖ مَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عَدُوًّا لِلَّهِ ظَلَمًا ظَلَمًا فُسُوفَ نَصْلُهُ نَارًا -  
اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو بجز اس کے کہ  
لین دین آپس کی رضا مندی سے ہو اور تم خود اپنے کو ہلاک نہ کرو اللہ تمہارے حال پر  
مہربان ہے اور جو کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے ظلم کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم  
آگ میں جھونک دین گے ( سورہ نساؑ ( ۱ )

جن ذرائع کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں بیل - خیانت -  
رشوت - چوری - ناپ تول میں کمی - شراب - سود - جوا میں شہ - اور بیع کے وہ تمام  
طریقہ جو دھوکے یا دباؤ پر مبنی ہوں یا جو انصاف اور مذاق عامہ کے خلاف ہوں ( ۲ )  
ان تمام ذرائع کو اسلامی قانون نے اپنی گرفت میں لیکر ان پر پابندی عائد کر دی اگر  
کوئی ان پابند ہون کو توڑتا ہے تو قانون الہی کے مطابق اس کو سزا دی جائیگی  
مال تجارت جمع کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا اور ایسی اجارہ وادیوں کو  
روکنا ہے جو کسی معقول وجہ کے بغیر دولت اور اسکی پیدائش کے وسائل سے عام لوگوں کو  
استفادہ سے محروم کرتی ہوں - ( ۳ )

قرآن دولت جمع کرنے کی ممانعت کرتا ہے یعنی وہ دولت جو جائز طریقوں  
سے حاصل کی جائے اسکو جمع نہ کرو اس سے اسکی گردش رک جائی ہے اور دولت کی مساوی

( ۱ ) سورہ نساؑ ع ۲۹

( ۲ ) اسلامی نظم معشیت کے اصول اور مقاصد ص ۲ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مکتبہ جماعت اسلامی  
ہند ۱۹۶۹ء

( ۳ ) معاشیات اسلام - سید ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۹ء

تقسیم بھی ختم ہو جاتی ہے چنانچہ اسے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ **وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَفْلُحُونَ بِمَا أَتَتْهُمْ مِنَ فَضْلِ اللَّهِ هُمْ يَفْلُحُونَ** (۱) (جو لوگ اللہ کے دے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ فعل انکے لئے اچھا ہے بلکہ درحقیقت یہ انکے لئے برا ہے)

اسلام دولت جمع کرنے کی بجائے اس کا ایسا محو و مصرف تجویز کرتا ہے جس سے نہ صرف مالک دولت کی ضروریات پوری ہوں بلکہ سماج کے ضرورت مند طبقہ کی ضروریات بھی پوری ہوں ارشاد ربانی ہے -

**وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْفَتْحُ -** اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہو کہ جو ضرورت سے بچ رہے (۲)

سورہ نسا کی اس آیت میں تمام لوگوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں جن پر روپیہ خرچ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے **وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِالْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** (۳) اور احسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور نادار مسکینوں اور قریبند اور یتیموں اور اپنے وطن سے جلتے والے دوستوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ

یہاں اس فرق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ دولت کو اس طرح خرچ کرنے سے انسان غلٹ نہیں ہو جاتا بلکہ صدقہ ایسی چیز ہے کہ دولت میں برکت ہوتی ہے برخلاف اس کے ایک دولت مند کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ دولت خرچ ہو جائیگی تو میرے پاس کچھ نہیں

(۲) سورہ بقرہ ع ۲۷

(۱) آل عمران ع ۱۸

(۳) انعام ع ۶

رہے گا ایسا نہیں ہے دولت خوج کرتے کرتے لٹے ہیں اگر خدا کے واسطے غریبوں پر خرچ کریں گے تو اس میں اور ترقی ہوگی اور معاشرہ کی بد حالی کو دور کرنے میں مدد کریگی۔ اس سلسلے میں حکم ربانی ہے کہ *وَمَا تَنْقُوتُ مِنْ خَيْرٍ بِمَا بَوَّعْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ* اور تم نہکے گاؤں میں جو کچھ خرچ کر دے وہ تمکو پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ہو کر ظلم نہ ہوگا (۱)

اسی سورۃ میں آگے <sup>چلے</sup> *مَشُورًا* کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ دولت مند اشخاص یہ سمجھتے ہیں کہ اس روپیہ کو سرور پر دینگے تو دولت میں اور اضافہ ہوگا لیکن اسلام کہتا ہے کہ روپیہ بڑھے گا نہیں بلکہ اور گھٹے گا اور اگر نہکے کام میں خرچ کر دے تو تمہاری دولت میں اور اضافہ ہو گا۔

*يَحِقُّ لِلّٰهِ الرَّبْوٰى وَيَرْوٰى الصَّدَقَاتُ* اللہ سود کا ملحق ماردینا ہے اور صدقات کو نشوونما دینا ہے (۲) اسلامی عقیدہ کے مطابق سود کی ندامت کی انتہا یہ ہے کہ "سود" کو گھر میں شامل کیا گیا ہے (۳) *وَمَا آيْتُمْ مِنْ رِبَا لِيُؤْثَرُوا فِيْ اٰوَالِ النَّاسِ* فلا ہو بوعند اللہ اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مالوں میں ترقی ہو تو وہ اللہ کے نزدیک ترقی نہیں پاتا (۴)

اس آیت میں حرمیت سود کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے بغیر محنت کی کمائی کی ممانعت کی ہے اور صدقات کی ترغیب دیکر ان کی نشوونما کرنا اور لوگوں میں انکو عام کرنا چاہتا ہے۔

(۱) البقرہ ع ۲۴ (۲) البقرہ ۳۸

(۳) اسلام کا اقتصادی نظام - محمد حفظ الرحمن سہواری - رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

(۲) الروم ع (۲)

اسلام کا مقصد یہ ہے کہ دولت ایک جگہ نہ جمع ہونے پائے اگر کسی کو اپنی ضرورت سے زائد دولت حاصل ہو جاتی ہے تو اسکو جمع کر کے نہ رکھے بلکہ خرچ کرے اس کے لئے اسلامی ریاست قانون بناتی ہے تاکہ ان کے مال میں سے کم از کم ایک حصہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا جائے اور حکومت جو شکس مسلمانوں کی زائد دولت پر لگاتی ہے وہ "زکوٰۃ" ہے جس شخص کے پاس دولت ہو اور وہ خوشی خوشی اس کا حق نہ نکالے یعنی زکوٰۃ روانہ کرے تو یہ دولت حلال نہیں ہو سکتی ارشاد ربانی ہے -  
خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكهم بها ان کے اموال میں سے زکوٰۃ لے اور اس کے ذریعہ سے ان کو پاک اور طاہر کرو (۱)

لفظ زکوٰۃ خود اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جب تک اپنے مال میں سے خدا کا حق نہ نکالو گے تو تمہارا مال پاک نہیں ہو سکتا - خدا کے حق کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ معاشرہ میں حاجتمند ہیں ان کی حاجتیں پوری کردو اس سے قوم کی فلاح ہو سکتی ہے - کیونکہ "زکوٰۃ معذروں اباہجون بیماروں یتیموں بیواؤں کا ذریعہ پرورش" (۲)  
اس سے ان کی معاشی حیثیت درست کی جاتی ہے -

اس کے علاوہ اسلامی نظام معیشت کا ایک اور بنیادی اصول قانون وراثت ہے جو معاشی ہوش دولت کے پھیلانے کا ایک اہم ذریعہ ہے اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو شخص مال چھوڑ کر مر جائے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم اس کے حصے مقرر کر کے منے والے کے ورثہ میں اس کو بانٹ دیا جائے اور ایسا ترکہ جس کا کوئی "وارث نہ ہو اس کو بیت المال میں جمع کر دیا جائے کیونکہ دولت کا منشا یہ ہے کہ جمع کر کے نہ رکھو بلکہ اس کو پھیلاؤ - کیونکہ اس سے معاشی حالت بہتر ہوتی ہے -

(۱) سورت ۲۳ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان ۱۹۲۸ء

(۲) سوری ایضاً

(۳) معاشیات اسلام - سید ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ پاکستان ۱۹۶۹ء

مال غنیمت کے سلسلے میں بھی حکم ہے کہ اگر مال غنیمت لشکریوں کے ہاتھ آتا تو اس کے پانچ حصے کئے جائے چار حصے لشکر میں تقسیم کردئے جائے اور ایک حصہ اس لئے رکھ لیا جاتا کہ اس سے عام شہریوں کی ضروریات پوری ہوں - سورہ انفال میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ **واعلموا اننا غنمنا من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربى والیتی والمسکین وابن السبیل** - "جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے رشتہ داروں اور یتیم اور مساکین کے لئے ہے۔" (۱)

\* اللہ اور اس کے رسول کے حصہ سے واد ان اجتماعی اغراض و مصالح کا حصہ ہے جن کی نگرانی اللہ اور رسول کے تحت حکم اسلاف حکومت کے سپرد کی گئی ہے (۲) اور باقی حصہ قوم کے یتیم بچے - مساکین اور مسافروں کے لئے ہے یہ ہی اصول و حدود ہیں جو معاشی زندگی کے لئے مقرر کردئے گئے ہیں -

نظام معیشت کا اولین مقصد یہ ہے کہ "انسان کی آزادی کو محفوظ رکھا جائے اس پر اس حد تک پابندی عائد کی جائے جس حد تک تنوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے ناگزیر ہے (۳)

اسلام سیاسی اور اخلاقی آزادی کے ساتھ ساتھ معاشی آزادی بھی دیتا ہے اگر فرد کو معاشی آزادی حاصل نہ ہو تو اس کا اثر اس کی اخلاقی اور سیاسی زندگی پر بھی پڑے گا اس کے علاوہ اسلام انسان کے اخلاقی نشوونما پر کافی زور دیتا ہے اور اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ اس کو معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں تاکہ انسانی زندگی میں فیاضی ہمدردی - احسان اور دوسرے اخلاقی فضائل پیدا ہو سکیں -

(۱) انفال ع ۵

(۲) سود ص ۲۵ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان ۱۹۴۸ء

(۳) معاشیات اسلام ص ۱۴۵ سید ابوالاعلیٰ مودودی - معارف اسلامیہ کراچی ۱۹۶۹ء



اسلام نے جو نظریات پیش کئے ہیں ان کا بنیادی تصور یہ ہے کہ تمام دولت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کی یہ ملکیت انسان کے پاس امانت ہے چنانچہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس امانت کو مالک حقیقی کی منشا کے مطابق صرف کرے ملکیت کا تصور اقتدار اعلیٰ کے تصور پر مبنی ہے اور سیاسی اقتدار کی طرح معاشی اقتدار کے نتائج منصفانہ اور فلاح و بہبود و عامہ کے ضامن ہیں —

اس نظام میں معاشی دولت کی دو قسمیں ہیں " اجتماعی اور انفرادی زمین معدنیات دیرپا اور تمام قدرتی وسائل اجتماعی دولت ہیں جن کا حقیقی مالک اللہ ہے اللہ کی یہ دولت اللہ کے نائب کے پاس رکھی اسکی امانت ہے (۱)

زمین کی اہمیت پر کافی دیا گیا ہے ہر زمانے میں اسکی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا — تاریخ شاہد ہے کہ زمین کے سلسلے میں قتل ہوتے رہے ایک طبقہ مالک بن بیٹھا دوسرا محروم رہ گیا لیکن اسلام نے ملکیت میں تمام لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا حق دیا قرآن مجید کا حکم یہ ہے —

هوَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ وَلَوْلَا فَاسْخَافِي مَنَّا كَيْفَا وَ كَلَا مِنْ رَوْحِهِ

والہ الثَّوْر " وہی جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کر دیا پس جلو اس زمین کی پہنائیوں میں اور کھاو اس خدا کا رزق اور اسی کی طرف تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر واپس جانا ہے (۲)

(۱) اسلام کا جمہوری نظام ص ۱۸۱ شاہد حسن رزاقی — ادارہ ثقافت اسلامیہ

پاکستان ۱۹۵۷ء

(۲) الطحطاوی ج ۱۵

"وہوالذی حطّ الارض وجعل فیہا رواسی وانہا را ومن کلّ الشّواء جعل فیہا زوجین

انہیں" اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا اور اس میں پہاڑ بنائے - دریا جاری کئے

اور ہر طرح کے پہلون کی دو قسمیں پیدا کیں (۱)

وہوالذی خلق لکم مّا فی الارض جمیعاً" وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب

کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے (۲)

مندرجہ بالا آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین انسان کے فائدوں کے لئے

بنائی گئی اور اس پر اسکو تصرف کرنے کا حق بحیثیت خدا کے خلیفہ کے حاصل ہے

\* حضور کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست میں بیت المال کی یہی حیثیت تھی کہ آپ

بحیثیت صدر ریاست اللہ کے مال کے امین اور خازن تھے" (۳) ان آیات سے ظاہر ہوتا

ہے کہ زمین - کھیت - باغ - گھر - زمین سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں انسان کی

ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہیں -

زمین کی شخصی ملکیت قرآن کی نظر میں -

مندرجہ بالا گفتگو سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ زمین پر انسان کا حق ہے

اس حق کی دو صورتیں ایک زمین پر زراعت کے لئے حق دوسرا سکونت کے لئے پسو قرآن

مجید نے ان دونوں کے لئے شخصی ملکیت کو تسلیم کیا ہے سورہ انعام میں ہے کہ

کلون ثمرہ اذا نثر واتوخمہ یوم حصادہ \* اس کے پہلون میں سے کھاؤ جبکہ وہ پھل لائے

اور اسکی فصل کٹنے کے دن اسکا حق ادا کر دو" (۴)

(۲) بقرہ ع ۲۹

(۱) البقرہ ع ۳

(۳) اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ دوم ص ۶۱ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی - اسلامک

پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۸ء

(۴) الانعام ع ۱۷

اسکا حق ادا کرنے کا مطلب عشر کی ادائیگی ہے یعنی جو لوگ زمین کے مالک ہیں ان لوگوں کا حق اسہین سے نکال دین جن کے پاس اپنی کوئی زمین ہیں پھر سورہ بقرہ میں فرمایا گیا یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم و ما اخرجنا لکم من الارض \* اے ایمان لانے والو خرچ کرو اپنی پاک کمائیوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں - ( ۱ )

خرچ کرنے کے حکم سے زکوٰۃ و خیرات کی طرف اشارہ ملتا ہے اسکی بجائے آوری وہی شخص کرسکتا ہے جسکے پاس اتنی زمین ہو کہ وہ اس پر زراعت کرتا ہو اور انہیں لوگوں پر یہ عائد بھی کیا جائیگا جو صاحب مال و جائداد نہیں ہیں ان پر عائد نہ کیا جائیگا زکوٰۃ کے سلسلے میں میں فرمایا گیا -

خیر من اوالہم صدقہ \* اے نبی انکے اوال میں سے زکوٰۃ وصول کو ( ۲ )

اسکے بعد خرچ کرنے والوں کی طرف اشارہ کیا گیا - مثل الذین ینفقون اوالہم فی سبیل اللہ کذل حۃ انبت سبع سنابل \* جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انکے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے تو اس سے سات بالین نکالیں ( ۳ )

شخص ملکیت کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے جو اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ کسی کے مکان کے اندر جگہ بغیر اسکی اجازت کے نہ جاؤ - یا ایہا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تناسوا وتسلوا علی اہلہا فان لم تجدوا فیہا احدافلاتدخلوها حتی یؤذن لکم \* اے ایمان والو اپنے گھروں

کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ پوچھ نہ لو اور جب داخل ہو تو اس گھر والوں کو سلام کرو اور اگر وہاں کسی کو نہ پاو تو اندر نہ جاؤ تاوقتیکہ تم کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو (۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "قرآن سکونت کے لئے بھی زمین کے شخصی قبضہ و ملکیت کی توثیق کرتا ہے اور ایک مالک کے اس حق کا استقرار کرتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کے حدود میں قدم نہ رکھے (۲)

اسلام صرف زمین کی شخصی ملکیت کو جائز ہی نہیں رکھتا بلکہ وہ اس ملکیت پر کوئی مستقل حق بھی نہیں لگاتا" (۳)

اسلامی ریاست اس پر توجہ دیتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین پر کاشت نہیں کر رہا تو وہ اس کو کرایہ پر دوسروں کو زراعت کرنے کے لئے دے سکتا ہے کیونکہ یہ ایک اسلامی فلاحی ریاست میں سب انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کو ایک دوسرے کی چیزوں سے جائز فائدہ حاصل کرنے کی اجازت ہے -

زراعت — قرآن مجید نے زراعتی پیداوار کی اہمیت پر توجہ دلائی ہے انفرادی بنم مانحون انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون لو نشأ لبھلنا خطا ما فظلمت نفکھون انا لفرعون با نحن محزون "بھلا بتاؤ تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پرتاوان ڈالا کیا بلکہ ہم تو محوۃ رہ گئے" (۴)

(۱) سورہ نور ع ۲

(۲) معاشیات اسلام ص ۱۹۲ سید ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۹ء

(۳) معاشیات اسلام ص ۱۹۲ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۹ء

(۴) سورہ واقعہ - ع ۲

حضور کا ارشاد گرامی ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعافیا کل مثد طیر او انسان او بهیمہ الا کان لربہ صدقہ - حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند - انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے (۱) حجۃ اللہ بالفسد میں شاہ صاحب نے زراعت کی اہمیت پر اس درجہ زور دیا ہے کہ اگر کسی ملک میں زراعت پر توجہ نہ کی جائے تو اس کی تمدنی حالت برقرار نہیں رہ سکتی اور اسکا تباہ و برباد ہو جانا یقینی ہے - اسکی پیدائش کے بغیر نہ تجارت چل سکتی ہے اور نہ صنعت و حرفت کو ترقی ہو سکتی ہے -

فانہ ان کان اکر ہم مکین بالصناعات وسیاسة البلدة والقلیل مکسبین بالرعی وانورقة فسد حالہم فی الدنیا - پس اگر باشندگان ملک کی اکثریت صنعت و حرفت اور شہری سیاست ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور پیشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دینی و تمدنی زندگی فاسد اور خراب ہو جائیگی (۲) پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جو قومیں عیش پرستانہ زندگی کو اختیار کر لیتی ہیں معاشی وسائل کی طرف کوئی توجہ نہیں دھتیں تو وہ زندگی میں کبھی پھل پھول نہیں سکتیں اور یہ عیش پرستی ان کو جلد ہی تباہ کرے غلو کی طرف لیجاتی ہے - دنیا کی تمام قومیں اور ملکین اپنے معاشی وسائل کی طرف توجہ دیتی ہیں - زراعت میں حصہ لیتی ہیں اور وہی خوشحال زندگی گزار سکتی ہیں -

(۱) عینی شرح بخاری جلد ۵ ص ۵۱۱

(۲) حجۃ اللہ بالفسد جلد ۳ ص ۱۰۹

اسلام کے معاشی نظام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زراعت کی ترقی کے لئے مندرجہ ذیل امور کا ہونا ضروری ہے " مالگزاری بالگان کاکم ہونا کاشت کرنے والوں کے لئے خصوصی حقوق و مراعات دینا غیر مزارعہ اور بنجر زمینوں کو مزارعہ بنانے کے وسائل اختیار کرنا آبپاشی کے وسائل کو سہل اور وسیع بنانا (۱)

زراعت دو طرح سے عالم وجود میں آتی ہے ایک یہ کہ کوئی شخص خود اپنی زمین میں کاشت کرے یا پھر اپنی زمین کسی دوسرے کو دیدے وہ محدث کر کے زراعت کرے اس صورت میں پیداوار عشر نکالنے کے بعد دونوں میں مساوی طور پر تقسیم ہو جائیگی اسلام کی نظر میں جو زمیندار ہیں ان کے لئے یہ حکم ہے کہ تخفیف لگان کے علاوہ زمین سے متعلق کسی رعایت کے مستحق نہیں کیونکہ وہ خود مالک زمین ہیں اور جو افراد زمین کو اجارہ پر لیتے ہیں اور زمین کے مالک نہیں ہیں تو اسی صورت میں زراعت کا جو نفع ہوگا اس میں سے وہ اپنا حصہ لے لینگا اور جو زمین کا مالک ہے وہ اپنی زمین پر قابض رہے گا اور عدل و انصاف کے ساتھ باہمی طے شدہ لگان یا بٹائی کے علاوہ اور کسی قسم کا بار اس پر نہ ڈالا جائیگا۔ لیکن ان اصولوں کو علی جامہ صرف عہد رسالت و خلافت پہنایا جاسکا اسلام سے قبل اور خلافت راشدہ کے بعد بھی زمیندار کاشتکار پر ظلم ڈھاتا رہا اور کاشتکار ظلم برداشت کرتا رہا۔

اسلام نے اس ظلم و تشدد کو بالکل ختم کر دیا اور حکم دیا کہ اگر کاشتکار لگان روانہ کر سکیں تو ان کو بہت ملنی چاہئے تاکہ وہ ادا کرنے پر قادر ہو جائیں —

زمینداری اور جاگیرداری — زمین داری اور جاگیرداری نے یہاں تک ترقی کی کہ اللہ کی زمین جو سب کے لئے مشترک تھی اور سب کو اس پر تصرف کا حق حاصل تھا

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام — محمد حفظ الرحمن سہواری — رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

زمینداروں اور جاگیرداروں جابرانہ طور پر اس پر قابض ہو گئے - کاشتکاروں کا طبقہ اس طبقہ کے ظلم و ستم کا شکار رہا " اسکے لئے نہ آزاد کاشتکار جیسے حقوق باقی رہے اور نہ رعایا کے ابتدائی حقوق بلکہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور طبعی استعدادوں کو چھوڑ کر " زرعی غلام " میں تبدیل ہو گیا - ( ۱ )

ان دونوں طبقوں میں زمیندار کو ہر طرح سے آزادی حاصل تھی اور کاشتکار مجبور و لاچار - اگر یہ طبقہ چاہتا کہ کوئی دوسرا ہمیشہ اختیار کر لے تو اسکی بھی اجازت نہ تھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسکی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے -

" طبقہ اوا " کے لئے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی بس یہ شکل باقی رہ گئی تھی کہ کاشتکاروں تاجروں اور دیگر کارپردازوں سے بھاری بھاری لگان اور اکثر قدر میں شیکس وصول کیا جاتا تھا جسکی وجہ سے انکی زندگیاں تنگ ہو گئی تھیں اگر یہ لوگ ان سے انکار کرتے تو انھیں سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں اور اطاعت کرتے تو اتنی زیادہ محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی کہ انکی زندگیاں گدھوں اور بیلوں سے بھی بدتر تھیں جاتیں یہ بیچارے ہر وقت محنت و مشقت اور خدمت گزاری میں لگے رہتے - انھیں اتنا وقت بھی نہ ملتا تھا کہ وہ اپنے دینی ذاتی مفاد کے متعلق کچھ سوچ سکیں اور اخروی سعادت کی طرف

نظر اٹھانے کی تو ان میں بالکل ہمت ہی نہیں رہی

نہی بسا اوقات ملکہ میں ایک شخص بھی نہ ہوتا کہ

اسکو دین کی کچھ فکر ہو \* (۱)

زمیندار طبقہ کاشتکاروں پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتا یہ لوگ بملوں

کی طرح دن رات کام میں جتنے دھرتے لیکن انکی محنت زیادہ ہوتی اور اجرت کم دی

جانی۔ لگان وصول کرنے کے سلسلے میں انکو ہر قسم کی عہر تھاک سزائیں دی جاتیں

زمیندار انکی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا۔

ایسے حالات میں اسلام عالمگیر انقلاب کی شکل میں نمودار ہوا جو اپنے

سانہ محبت و اخوت مساوات و ہمدردی - عدل پروری اور انثار و قربانی کا پیغام لیکر

آیا اور اس نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس میں ظلم و ستم کا ذرا بھی شائبہ نہ تھا

اس نے زمینداری اور جاگیرداری کا نہ صرف قلع قمع کیا بلکہ ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی

"جسمین زمین کی ملکیت کا تصور نہیں بلکہ اسکی امانت ہونے کا تصور غالب تھا" (۲)

خلافت الہی میں ایک قسم ان آراضی کی ملتی ہے جو مفاد عامہ کے پیش

نظر خلافت کی جانب سے لوگوں کو دی جانی تھیں جسکو عربی زبان میں "قطائع" کہتے

ہیں - (۳)

(۱) حجتہ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۲۰۳ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

(۲) اسلام کا زریعی نظام ص ۱۱۲ مولانا محمد تقی امینی - ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۳ھ

(۳) ایضاً ص ۱۱۲ - قطائع اسکو کہتے ہیں کہ اگر کوئی غیر آباد جگہ کسی

کو دیدی جائے اسکے بعد اس سے ٹیکس وصول کیا جائے جس

سے مفاد عامہ کی حفاظت کی جائے



اسلام نے اس جابر و ظالم زمینداری کے خلاف آواز اٹھائی - چند احادیث اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں - "عن رافع بن خدیج قال تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امو کان لنا ثا فما اذا کان لا حدانا ارض ان يعطها بيمص خراجها او يدراهم وقال اذا کان لا حدکم ارض حطبنا اخاء اولیئروعا" حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو ایک ایسے کام سے منع فرمایا دیا جو بظاہر ہمارے لئے نفع بخش تھا وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو وہ اسکو نہ بیٹائی ہو دے اور نہ نقد لگان پر اور فرمایا اگر تم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لئے احسان کے طور پر ہفت دے (۱)

ایک دو سری حدیث میں آپ ﷺ ارشاد فرمایا ہے -

عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لداوض فلیزر عھا اولہ لیسعھا فان ابی فلیسٹ ارضہ " حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس زمین ہو اسکو چاہئے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے ہفت احسان کے طور پر دے اور اگر دونوں میں سے کوئی بات کرنے کو آمادہ نہیں تو اپنی زمین کو بون ہی روکے رکھے" (۲)

عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوخللواوض اجرا وحظ " حضرت جابرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ زمین کے ذریعہ سے عوض کا یا اجارہ کا فائدہ حاصل کرے یا اٹھایا جائے (۳)

(۱) ترمذی شریف - باب الزکوۃ

(۲) مسلم شریف باب المزارعۃ

(۳) مسلم شریف جلد ۱ ص ۲۵۲

ایسے لوگ جو اپنی زمین لگان یا بیٹائی پر دیتے تھے انکی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد نبوی ہے کہ وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یسوی مزارعہ علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم دایں بکر و عمر و عثمان و صدراً من امارۃ معاویہ فرما صحیح حدیث رافع ترکہ ذلک خشیدان یكون النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد احدث قید شیاً " حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) اپنی زمین کو عہد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر ابتداً امارت حضرت معاویہؓ تک کاشتکاروں کو لگان پر دیتے رہے مگر جب انھوں نے رافع کی حدیث سنی تو اس عمل کو اس خوف سے ترک کر دیا کہ شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر مبارک میں یہ فیصلہ دیا ہو (۱) اس سے اندازہ ہوا کہ آپ نے زمین کو لگان یا اجارہ پر دینے کو جائز قرار نہیں دیا - اس طرح زمینداری کچھ گنجائش باقی نہیں رہی یا تو خود اپنی زمین پر کاشت کی جائے یا پھر بغیر کسی احسان یا لگان کے اپنے مسلمان بھائی کو کھد کاشت کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ لیکن اس میں یہ صورت نہ ہونی چاہئے کہ زمیندار بھی پیداوار پر اپنا زمیندارانہ حق برقرار رکھے - کیونکہ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ زمیندار کے حصے کی پیداوار خوب اچھی ہو اور کاشتکار کا حصہ تلف ہو جائے چنانچہ آپس میں دونوں کراخوت و محبت سے کام لینا چاہئے اور اپنے مسلمان بھائی کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہئے - اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے خلافت راشدہ تک اس بات پر زور دیا کہ زمیندار اور کاشتکار کا فرق ختم ہو جائے زمیندار کاشتکار سے بہترین سلوک کرے - اسلام کے معاشی نظام میں اس قسم کی زمینداری تو پائی جاتی ہے جس میں زمیندار اور کاشتکار آپس میں بھائی بھائی ہوں لیکن " دور قدیم اور دور جدید کا یہ جاگیردارانہ سسٹم جس میں زمینداری تعلقہ داری

جاگوداراتی ریاستوں کی شکل میں نظر آتی یا بڑے بڑے زمیندار کاشتکاروں کی جان و مال تک ہر متصرف نظر آتے ہیں " (۱)

اسلام کے معاشی نظام سے اسکا کوئی واسطہ نہیں بلکہ اس کو اسلامی قانون حرام قرار دیتا ہے۔

تقسیم مراث — اسلامی نے قانون مراث کو بنا کر اسکی اہمیت کو واضح کر دیا " مراث وہ مال و جائداد ہے جو کسی کے مرنے پر خواہ عرصہ شریعت کے وارثوں پر تقسیم ہو یا وصیت کے ذریعہ سے کسی اور کو ملے " (۲)

اسلام نے جس طرح زمیندار اور جاگوداری کے سلسلے میں بہت اہم کام انجام دیے اسی طرح جب اسلام نے قانون وراثت کا اعلان کیا تو سرمایہ دارانہ نظام کے والوں سے اس کے خلاف آواز اٹھائی " اگر اسٹیٹ میں تقسیم مراث کا نظام جاری کر دیا گیا تو اس دولت انروٹ کا خاتمہ ہو جائیگا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی جائدادیں تقسیم ہو کر چند کھیتوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گی " (۳)

لیکن توجہ نہ کی گئی اور تقسیم مراث کے سلسلے میں قانون بنا دیا گیا اور صاف اعلان کر دیا گیا کہ دولت کے لئے جمع کرنے کے لئے نہیں ہے۔

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۳۶ مولانا حفظ الرحمن سہواری -

ندوة المصنفین دہلی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۱ء

(۲) اسلام کے معاشی نظریے جلد (۱) ص ۲۷۵ محمد یوسف الدین مطبع ابراہیمہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

(۳) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۱۲ مولانا حفظ الرحمن سہواری - ندوة المصنفین دہلی

۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

تقسیم میراث کی تفصیل سورہ نسا کی مندرجہ ذیل آیات ہیں ۔۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ لَوْ أَنَّ الرِّجَالَ عَلِمُوا لَمَنِ السَّيِّئَاتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۱)

لئے اس مال میں حصہ ہے جو مان باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے ہے اس مال میں حصہ ہے جو مان باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو خواہ تھوڑا ہو عورتوں کا حصہ (اللہ کی طرف سے) بھر ہے (۱)

اس آیت سے کئی نکات ذہن میں آتے ہیں مثلاً یہ کہ ودی ترکے وقت کا وارث نہیں ہے بلکہ عورتوں کو بھی اس میں سے حق ملنا چاہئے ۔ مال کی تقسیم ضرور ہونی چاہئے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گڑ کپڑا چھوڑا ہے اور اگر دس وارث ہیں تو اس کے بھی دس ٹکڑے ہونے چاہئیں \* (۲) میراث کی تقسیم ہر قسم کے مال پر حاوی ہے ۔ تقسیم اسی صورت میں ہوگی جبکہ مرنے والے نے کوئی مال چھوڑا ہو ۔ اگر قریبی رشتہ دار موجود ہے تو پھر دور کے رشتہ دار کو اس میں سے حصہ نہ دیا جائیگا ۔

اگر کوئی صاحب مال و دولت ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ مرنے وقت والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ ۔ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین

\* مسلمانوں تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے مرنے کے وقت آجائے اور مال چھوڑے تو دستور کے موافق والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کوجائے جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے لئے یہ لازم ہے \* (۳) قرآن \* متقی \* (۴) کونے کے طریقے

(۱) سورہ نسا م ۱ (۲) تفہیم القرآن جلد (۱) ص ۳۲۲ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

مکرمہ اسلامی دہلی - ۶۹ - ۱۹۵۸ء

(۳) البقرہ م ۲۲

(۴) معاشیات اسلام ص ۱۰۸ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۹ء

کے خلاف ہے جب اپنے رشتہ دار موجود ہوں میراث میں انہیں کا حق ہے کسی کو بیٹا بنا کر وارث نہیں بنایا جاسکتا ۔

ایک روایت میں " ابن عباس کا بیان ہے کہ اسلام کی ابتدا میں یہ قاعدہ تھا کہ مال اولاد کا ہوتا تھا اور والدین کے لئے وصیت کوئی پڑتی تھی ( ۱ ) اس طرح سے تقسیم میراث کا سلسلہ شروع ہوا اور سورہ نسا میں پوری تفصیل سے میت کے وارثوں کے حصے قرار دیئے ہیں جن پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ضروری ہے اولاد کا حصہ — یوصیکم اللہ فی اولادکم للزکوٰۃ مثل حظ الانثیین " فان کن نسا فوق اثنتین فلهن ثلث ما ترکہ — وان کانت واحدة فلها النصف " خدا تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اگر متوفی کے صرف لڑکیاں ہی ہوں دو سے زیادہ ہوں تو انہیں متروکہ مال سے دو تہائی ملے گا اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اسکو نصف ملے گا ( ۲ )

والدین کا حصہ —

ولابویہ للکل واحد منہما السدس ما ترکہ ان کان لہ ولد " اگر میت صاحب اولاد نہ ہو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے ۔ فان لم یکن لہ ولد ورنہ ابواء ثلاثہ " اور اگر صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے ۔

فان کان لہ اخوة فلائہ السدس من بعد وصیة لوصی بها اودین اور اگر میت کے بھائی - بہن بھی ہوں تو ماں کے چھٹے حصے کی مقدار ہوگی یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور

( ۱ ) بخاری شریف — کتاب الوصیۃ اور کتاب الفرائض

( ۲ ) سورہ نسا ع ۲

شوهر کا حصہ ——— ولکم نصف ما ترکہ ازواجکم الّٰی لم یکن لهنّ ولد

اسطوح سے سورۃ کے آخر میں کلالہ کی تقسیم کی مزید تشریح کی گئی

(۲) انسا' ع ۳

(۱) انشا ع ۲

(۳) اسلام کے معاشی نظریہ جلد ۳ ص ۲۸۲ محمد یوسف الدین - مطبع ابراہیمہ دکن

٥١٩٥٠ / ٥١٢٦٩

(۲) ایضاً ص ۲۸۲

قرآن مجید وراثت کا قانون قرار کونے کے ساتھ وہ یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرنے سے پہلے وصیت کر دے تو زیادہ بہتر ہے اس سلسلے کی آیت اوپر گزر چکی ہے کہ موت آنے سے پہلے اپنے نوکری کی وصیت والدین اور رشتہ داروں کے لئے کر جائے۔ تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو کیونکہ وصیت نہ ہونے کی صورت میں تنزہل تنازعات کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

---

### اسلام کا مالی و اقتصادی نظام \*

اسلام کے مالی و اقتصادی نظام کا مفہوم یہ ہے کہ ذرائع آمدنی کیا ہوں اور انکا صرف کس طرح ہونا چاہئے کس قسم کی ضروریات کے لئے اسکا استعمال کیا جائے یہ آمد و خرچ ریاست کا اہم عنصر ہے اور اسی سے ریاست کے عوام کی فلاح ہوتی ہے۔

بیت المال — جس طرح آجکل کے زمانے میں حکومتوں کے اخراجات کا دورو دار موکری بنکوں پر ہوتا ہے اسی طرح اسلامی ریاست میں آمد و خرچ کا نظام بیت المال کے ماتحت تھا جو اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی قائم ہو چکا تھا لیکن اسکی باقاعدہ تنظیم حضرت عموؓ کے دور میں ہوئی کیونکہ جب آپ نے خلافت کا منصب سنبھالا تو تقریباً ۱۵ھ میں بیت المال کی بنیاد ڈالی (۱) یوں تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں ایک مکان مخصوص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند ہی پڑا رہا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جو کچھ مال آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا جمع کرنے کی نوبت بھی نہ آتی چنانچہ آپکی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا جس پر لوگوں نے کہا کہ خدا ابوبکر پر رحم کرے اور معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ شروع سے اس وقت تک دو لاکھ درہم بیت المال میں آئے (۲) اسلئے اولیت کا مرتبہ حضرت عموؓ ہی کو حاصل ہے لہذا اسکے بعد پھر آپ نے مدینہ منورہ میں ایک بیت المال تیار کرایا اور اسکے تحفظ کے لئے عبداللہ بن ارقم جیسے معتد اور دیانت دہان معزز صحابی کو افسر مقرر کیا جو پوری دیانت کے ساتھ حسابات کی تحریر و ترتیب سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ (۳)

اسلامی ریاست میں بیت المال کو ایک مخصوص اہمیت حاصل تھی۔ یہ مملکت میں پھرتے رہنے والوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ضامن تھا۔ یہ مسلمانوں کی مشترکہ ملک

(۱) الفاروق جلد اول ص ۴۲ مولانا شبلی نعمانی - مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء

(۲) طبقات ابن سعد جلد سوئم ص ۱۵۱

(۳) الفاروق جلد اول ص ۴۵ - مولانا شبلی نعمانی - مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء



سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ مال بیت المال عامۃ المسلمین - بیت المال کا مال عام مسلمانوں کا مال ہے (۱) اس سے نہ صرف مسلمانوں کو فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملتا تھا بلکہ غیر مسلم بھی مستفید ہوتے تھے - بیت المال کی آمدنی سے غریب مسکین حاجت مند ہمکس اپاہج ضعیف کمزور بیواؤں اور یتیم کی کفالت ہوتی تھی علاوہ اس کے دین کی اشاعت اور دفاعی ضروریات کو بھی اسی سے پورا کیا جاتا تھا -

غریبوں کی شادی کا انتظام لوگوں کی تعلیم اور صحت کا اہتمام بھی اسی کے ذریعہ کیا جاتا تھا - غرض بیت المال کی آمدنی سے ہر شخص اپنی حاجت کو پورا کر لیا کرتا تھا - اس طرح بیت المال نہ صرف ملک کے اخراجات کا کفیل ہوتا بلکہ کسب معاش سے معذور لوگوں کی بھی کفالت کرتا تھا -

بیت المال کے ذرائع آمدنی - اب اسکا جائزہ لینا ہے کہ بیت المال کے ذرائع آمدنی کیا تھے جس سے مذکورہ بالا ضرورتیں پوری ہوتی تھیں ان میں سے اہم ذرائع یہ ہیں - (۱) زکوٰۃ (۲) جذبہ (۳) خراج (۴) عشر (۵) خمس (۶) لفظہ (۷) فی (۸) لاوارث لڑکے (۹) اکاز -

زکوٰۃ - اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی میں سے زکوٰۃ ایک اہم ذریعہ ہے - یہ ایک ایسا ٹیکس ہے جسکی ادائیگی ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو صاحب نصاب ہو - یہ اخوت اسلامی کا ایک عملی اظہار ہے اور اسکی غرض و غایت یہ ہے کہ اموات نادار اور ضرورت مند بھائیوں کی مدد کر کے معاشرہ کو خوشحال بنائیں یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جبکہ امیری اور غریبی کے فرق کا خاتمہ ہو جائے - یہ خاتمہ حکومت کرتی ہے چنانچہ حکومت اندوختہ دولت کا ایک حصہ اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے اور اسے اجتماعی فلاح و بہبود پر خرچ

کرتی ہے ۔ " ملکیت خیر و فلاح کو اس سے بھی باخیر رہنا پڑتا ہے کہ دولت ساری  
ہیت اجتماعہ میں گشت کرہی ہے اور کسی ایک حصہ میں ہے جا فراوانی اور کسی  
دوسرے حصہ میں ہے انتہا کی کا باعث بن رہی ہے ۔ ( ۱ )

زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام حکومت کی طرف سے ہوتا ہے یہ ہر قسم کی مسیبتوں  
میں امداد کے لئے ہے دوسرے یہ اسلام کے ارکان کی ایک اہم کڑی بھی ہے جس کا ذکر  
قرآن میں اکثر نماز جیسی اہم عبادت کے ساتھ کیا گیا ہے اور کہیں اس کو مستقل قانونی  
شکل دیکر پہلی کیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا  
ہے کہ

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاقِيهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يَوْمِنُونَ

اور موی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے تو میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ لوں گا  
جو خدا سے ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ( ۲ )  
اس کے بعد خط نماز کے ساتھ سورہ بقرہ میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں ۔

وَاتِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ      اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو ( ۳ )

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد الہی ہے ۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ

اور خرابی ہے حشر کون کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی مشرک ہیں ( ۴ )

( ۱ ) اسلام کا نظریہ حیات ص ۳۹۸ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان

۹۵۷ ط

( ۲ ) اعراف رکن ( ۱ ) ( ۲ ) بقرہ رکن ( ۹ )

( ۳ ) حم سجدہ ع

( ۴ ) صحیح بخاری جلد سوئم کتاب الزکوٰۃ - محمد سعید امین سنو

احادیث نبوی میں بھی اس فریضہ کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے —

عن ابی ہریرۃؓ ان اعرابیاً الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال دلتی علی عمل اذعطتہ دخلت الجنۃ قال بقرا اللہ ولا تشرک بہ شیئاً وتقم الصلوة الحکویۃ و تؤدی الزکوۃ الضروۃ وتقدم رمضان قال والدی نفسی بیدہ لا ازید علی ہذا فاماوتی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ستہ ان ینظر الی لاجل من اهل الجنۃ فلینظر الی ہذا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میں جب اسکو کروں تو جنت میں داخل ہوں آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو ~~نہ~~ اسکا شریک نہ بنا اور فرض نماز قائم کر اور فرض زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ تو اس اعرابی نے کہا کہ قسم ہے اس ذات جسکے قبضہ میں موی جان ہے میں اس پر زیادتی نہ کروں گا جب وہ چلا گیا تو نبیؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی جنتی دیکھتا ہو تو اس شخص کو دیکھیے (۱)

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ کو یمن بھیجا اور فرمایا کہ تم انہیں یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ اسکو مان لیں تو انکو یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اطاعت کریں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انکے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور انکے محتاجوں کو دی جائیگی ۱

ایک اور حدیث میں اسکی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے —

\* روایت ہے کہ ایک عورت اپنی بیٹی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس آئی اسکے ہاتھ میں دو سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے حضور نے فرمایا  
تو اسکی زکوٰۃ دیتی ہے وہ بولی نہیں آپ نے فرمایا تجھکو اچھا معلوم ہوتا  
ہے کہ خدا قیامت کے دن تجھکو دو کنگن آگ کے پہنا دے چنانچہ عورت  
نے اسی وقت کنگنوں کو اتارا اور رسول خدا کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا یہ اللہ  
اور اسکے رسول کے واسطے ہیں \* - ( ۱ )

اس سے اندازہ ہوا کہ قرآن وحدیث دونوں نے اسلام کے اس رکن پر کس قدر زور  
دیا ہے اور بتایا کسی بھی صاحب نصاب کو اسکی ادائیگی میں غفلت نہ کرنی چاہئے جس  
نے ادائیگی میں کوتاہی کی گویا اس نے حکومت سے بغاوت کی نہ صرف حکومت سے بغاوت  
کی بلکہ خدا اور رسول سے بغاوت کی کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول کا حکم ہے جسکا  
بجائنا فرض ہے - اگر کوئی صاحب نصاب زکوٰۃ ادا نہ کرے اسکے لئے قرآن وحدیث دونوں  
میں دردناک عذاب کا ذکر ہے قرآن مجید کی سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے -

وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّقُوا اللَّهَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ  
أَلِيمٍ ۖ يَوْمَ يُحْمَلُونَ عَلَيْهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فِتْنَةٌ يَكْفَىٰ بِهَا جَبَاهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ  
لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ

دردناک عذاب کی خوشخبری دو انکو جو سونا و چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسکو  
خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ( تو اے رسول ) تم انکو دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس  
دن بتایا جائیگا انکی اس دولت کو دوزخ کی آگ میں پھر داغ جائیں گے انکے ماتھے کو وہیں

اور ہیشمین کہا جائیگا لو اب اپنی سیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو" (۱)

سورۃ توبہ کی اس آیت میں عدم ادائیگی زکوٰۃ پر کس قدر وعید ہے۔ احادیث

نبوی سے بھی دردناک عذاب کا پتہ چلتا ہے۔

عن ابن ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتاہ اللہ مالا فلم

یؤت زکوٰۃ مثل لہ مالہ یوم القیمۃ شجاۃ اقرعہ زہمتان بطوۃ قہ یوم القیمۃ ثمۃ یا خذ بلہ زمیتہ یعنی

بشد قیلے ثمۃ بقول انا مالک انا کثرت ثمۃ تلا ولا یحسبن الذین یبخلون بما اشہم اللہ من فضلہ

ہوخیولہم بل ہوشنوا لہم سبطو قون ما یبخلوا بہ یوم القیمۃ

"حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جسکو اللہ تعالیٰ نے

مال دیا اور اس نے اسکی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا مال پر اسے سانپ کی شکل میں

اسکے پاس لایا جائیگا جس کے سرکے پاس دو پتیاں ہونگی۔ قیامت کے دن اسکا طوق بنایا

جائیگا پھر اس کے دونوں جہڑوں کو ٹسے کا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ

ہوں پھر قرآن کی آیت پڑھی اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مال

عطا کیا اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ

برا ہے اور قیامت کے دن وہی مال انکے گلے کا طوق بنایا جائیگا (۲) ایک اور حدیث میں

آپؐ نے فرمایا کہ —

من ابو ہریرۃ ما من صاحب ذہب ولا فضۃ لا یؤتی منها حقہا الا اذا کان

یوم القیمۃ صفحت لد صفائح من نا فاحی علیہا فی نار جہنم فیکوی بها جنہ وجہند و ظہرہ کما

(۱) توبہ — ع (۲)

(۲) صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ

بردت اعبدت لدنی ہوم کان مدارہ خمین الف سند حق بقض بین الصباد فیوی سبیلہ  
اما الی الجنۃ واما الی النار

" مسلم مین ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
سونے چاندی کا کوئی ایسا مالک نہیں جو اسکا حق ادا نہیں کرتا یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا  
مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو آگ سے پگھلا کر اس چاندی سونے کے پتر بنائے جاویں گے  
پھر ان سے مالک کی کوکھ ماتھا اور پیٹھ داغی جاویگی جب وہ پتھر سرد ہو جاویں گے  
تو پھر دھکا کر داغے جاویں گے - یہ عذاب اس دن ہوگا جسکی لیٹائی پچاس ہزار برس  
کی ہوگی یہاں تک کہ جب بندوں کے درمیان فیصلہ ہوچکے گا پھر اسکو اسکی راہ دکھلائی  
جاویگی یا بہشت یا دوزخ کی طرف (۱)

مذکورہ بالا احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس قدر دردناک عذاب قرر کیا گیا ہے  
جس سے انسان کی روح کانپ اٹھتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس عذاب الیم مین  
میتلا ہونے سے بہتر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا دوسرے فوائد کی طرح اہتمام کرے۔ اس سے  
نہ صرف انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ ریاست کا ہر نادار شخص مالی پریشانیوں سے  
نجات پالتا ہے۔ لہذا ریاست کا ہر صاحب استطاعت اس پر توجہ دے کہ زکوٰۃ کا روپیہ بیت المال  
( سرکاری خزانہ مین جمع کرے تاکہ غریب کی مدد کی جاسکے کیونکہ یہی اسلامی حکومت  
کے بیت المال کا محاورہ ہے اور کوئی مملکت اسلامی مملکت کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی  
اگر وہ زکوٰۃ کے احکام سے اعتنائی برتنی ہے کیونکہ اسلام کے نقطہ نظر سے مملکت  
کا مقصد بجز اجتماعی فلاح و بہبود کے اور کچھ نہیں اور اجتماعی فلاح بغیر زکوٰۃ کے ناممکن  
ہے (۲)

(۱) مشارق الانوار - احکام الزکوٰۃ اصح المطابع کراچی

(۲) اسلام کا نظریہ حیات ص ۲۰۱ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء

### جزیہ

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی میں سے ایک ذریعہ " جزیہ " ہے " جزیہ " وہ ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے عوض لیا جاتا ہے اسلامی شریعت میں جزیہ کے نفاذ کی ابتدا نہیں کی ہے بلکہ اسلام سے قبل بھی اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے چنانچہ " یونانیوں نے ایشیائے کوچک کے باشندوں پر ۵۰۰ ق م میں جزیہ عائد کیا تھا - رومیوں اور ایرانیوں نے ان کی تقلید کرتے ہوئے اپنی مفتوحہ اقوام پر لازم کر دیا " - ( ۱ )

مشہور مورخ طبری نے نوشیروان کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے ( ۲ ) بیشتر علماء نے لفظ جزیہ کو " جزی " سے مشتق بنایا ہے لیکن یہ صحیح نہیں - یہ لفظ اپنے ماخذ کے اعتبار سے عربی نہیں اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا استعمال اسلامی حکومت کے قیام سے بہت پہلے ہو چکا تھا - اسلام نے اسے بعد میں اپنایا ہے علامہ شبلی نعمانی نے اس لفظ کا ماخذ عربی ہونے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے غیر زبانوں کے الفاظ و مصطلحات کی اہم ترین کلمہ " تاج العلوم " کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ فارسی کے لفظ " گزیہ " کا مصوبہ صوب ہے جو فارسی میں خراج کے معنی میں مستعمل ہے - ( ۳ )

---

۱۳۷۸

- ( ۱ ) مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۲۶۶ مولوی محمد علیم اللہ ندوۃ المصنفین دہلی / ۱۹۵۸ء  
 ( ۲ ) مقالات شبلی حصہ اول ص ۳۰ - ۲۲۹ علامہ نعمانی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء  
 ( ۳ ) مقالات شبلی حصہ اول ص ۲۲۸ علامہ شبلی نعمانی مطبع معارف اعظم گڑھ

۱۸۹۸ء

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں آیت جزیہ کے نزول سے قبل بھی غیر مسلموں سے معاہدے کئے تھے چنانچہ ۷ھ میں آپؐ نے خیبر فداک وادی القریٰ وغیرہ کے یہودیوں سے معاہدہ فرمایا چونکہ اس وقت تک جزیہ کے احکام نازل نہ ہوئے تھے اسلئے باہمی رضامندی سے جو شرائط طے پائیں ان پر آپؐ نے مصلحت کی<sup>(۱)</sup> اس کے بعد ۹ھ میں آیت جزیہ نازل ہوئی ۔

وَقَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۔  
بارہ واعلمو سورہ توبہ - رکوع ۴

ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں نہ دین حق کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ فروتنی کے ساتھ جزیہ دین \* - (۲)

مندرجہ بالا آیت میں چونکہ \* الثانیین اوتوا الکتاب \* آیا ہے ۔ اس بناء پر بعض لوگوں نے جزیہ کے حکم کو صرف اہل کتاب کے لئے سمجھا لیکن یہ صحیح نہیں جزیہ اسلامی حکومت میں بسنے والے ہر غیر مسلم سے وصول کیا جاسکتا ہے خواہ وہ اہل کتاب ہو یا نہو اس کی تائید مسلم شریف میں سلیمان بن بریدہ کی اس طویل حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے \* فَاَتُوا مِنْ كُرْبَاللَّهِ \* کے الفاظ فرمائے ہیں \* مَنْ كُرْبَاللَّهِ \* سے جو عمومیت ظاہر ہوتی ہے

(۱) سورت النبی حصہ دوم ۷۹-۷۸ - مطبع معارف اعظم گڑھ

(۲) سورہ توبہ رکوع ۳ (۴) سید سلیمان ندوی



اس کی بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ جزیہ کے حکم کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے میں مذکورہ حدیث آپؐ نے فرمادہ ہے کہ "پہلے اسلام کی دعوت دو اگر اسے قبول نہ کریں تو پھر جزیہ دیکر پر امن رعایا کی طرح / دھنے کے لئے کہو اگر اسے بھی نہ مانیں تو پھر ان سے جنگ کرو" (۱)

قاضی ابویوسف نے فرضیت جزیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا جو ظاہر ہے کہ اہل کتاب نہیں تھے (۲)

شریعت اسلامی کی رو سے ضرورت کے وقت ہر مسلمان فوجی خدمت کا مکلف ہے لیکن ذہیوں کو باوجودیکہ کہ اسلامی حکومت انکی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے فوجی خدمات کے لئے مجبور نہیں کرسکتی اسی لئے ان پر جزیہ عاید کیا گیا گویا اسطرح جزیہ فوجی خدمت کا عوض اور حفاظت کا معاوضہ ہے یہی وجہ ہے کہ عورتوں - بچوں اور معذوروں پر جزیہ واجب نہیں - جزیہ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے واجب نہیں ہوتا عورتوں مفلوج - معطل الفصو - نابینا - مجنون اور مفلس پر بھی جزیہ فرض نہیں ہے (۳) اسکے علاوہ ملوک - مکاتب - مدبر اور ام ولد پر بھی جزیہ عاید نہ ہوگا اور نہ انکے آقا انکی طرف سے ادا کریں گے (۴) اسی طرح راہیوں سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۵)

(۱) مسلم شریف - کتاب الجہاد

(۲) اسلام کا نظام محاصل - ص ۹۵ - ۳۹۲ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۶۶

(۳) مقالات شبلی اول ص ۲۳۸ علامہ شبلی نعمانی - اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء

(۴) اسلام اور رواداری حصہ اول ص ۲۸۱ رئیس احمد جعفری ندوی ادارہ ثقافت اسلامہ ۱۹۵۵ء

(۵) اسلام کا نظام محاصل ص ۳۸۲ نجات اللہ صدیقی مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۶۶ء

جزیہ کی وصولیابی کے سلسلے میں اس بات کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ کسی کی سختی ظلم و زیادتی یا ذلت آموز برتاؤ نہ کیا جائے گا چنانچہ نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں بھی اس کی صراحت تھی (۱) مزید برآں آنحضرت ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی اور معاہد کے ساتھ ظلم و زیادتی کو سختی سے منع فرمایا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ —

الامن ظلم معاہد او اشقصہ او کلفہ فوق طاقتہ او اخزمہ شیاً بغیر طیب نفس فانا

حجہہ یوم القیامۃ

خبردار جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا یا اس کا حق دبا یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف بنایا یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی خوشی کے لی تو میں اس شخص سے قیامت کے دن اس کی طرف سے لڑونگا (۲)

۱۲

عہد فاروقی میں علاقہ سواد کے لوگوں پر انکی مالی حالت کے پیش نظر بارہ درہم چوبیس درہم اور اڑتالیس درہم فی کس جزیہ عاید کیا گیا تھا (۳) اور قاضی ابویوسف کے مطابق فقہ حنفی میں شرح جزیہ کی تصریح اس طرح کی گئی ہے کہ خوشحال لوگوں پر اڑتالیس درہم - متوسط الحال لوگوں پر چوبیس درہم اور باقی ماندہ لوگوں سے بارہ درہم فی کس جزیہ لیا جائے گا (۴) جزیہ میں اہل ذمہ اپنی سہولت کے مطابق جو چیز بھی دینا چاہیں معینہ قیمت کا لحاظ کوکے لئے لی جائے گی

(۱) اسلام کا نظام محاصل ص ۴۲ - ۲۱۰ نجات اللہ صدیقی مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۶۶ء

(۲) ابوداؤد - کتاب الامارۃ

(۳) اسلام کا نظام محاصل ص ۹۵ - ۱۸۹ نجات اللہ صدیقی مکتبہ چراغ راہ کراچی - ۱۹۶۶ء

(۴) ایضاً ص ۳۸۲

چنانچہ حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپؐ سوئی بنانے والوں سے سوئی تک قبول کر لیتے تھے تاکہ انھیں کسی قسم کی دشواری نہ ہو (۱) البتہ جزیہ میں حرام اشیاء سور - مردار - شراب وغیرہ نہ لی جائے گی - ہاں اگر وہ خود اسے فروخت کر کے اسکی قیمت دین تو قبول کر لی جائے گی - (۲)

جزیہ کی وصولیابی کے سلسلے میں نئی اور ادائیگی میں سہولت کا لحاظ رکھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے - معذور لوگوں کے لئے نہ صرف جزیہ معاف کر دیا جائے گا بلکہ بیت المال سے انکے لئے وظیفہ بھی مقرر کیا جائے گا اس سلسلہ میں قاضی ابویوسف نے " کتاب الخراج " میں حضرت عموؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ —

" آپ نے ایک نابینا یہودی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا تو فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ بڑھاپے - حاجت مندی اور جزیہ ادا کرنے کے لئے بھیک مانگتا ہوں آپ نے اسے گھر لاکر کچھ دیا پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر کہا کہ یہ کہان کا انصاف ہے کہ انکی جوانی کی کمائی ہم کھالین اور بڑھاپے میں دریدر کی ٹھوکرین کھانے کے لئے چھوڑ دین - پھر آپ نے فرمایا کہ -

" اِنَّا الصَّرَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ " میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں - اس کے بعد

(۱) اسلام کا نظام محاصل ص ۲۸۶ نجات اللہ صدیقی مکتبہ ہجراغ راہ کراچی ۱۹۶۶

(۲) ایضاً ص ۳۹۱



کے علاوہ کسی عہد میں کوئی امتیازی برتاؤ یا اہانت آمیز رویہ نہیں اپنا گیا  
چنانچہ انھوں نے دربار خلافت میں اثر و رسوخ حاصل کر رکھا تھا اور مختلف  
اعلیٰ عہدوں پر یہودی اور نصرانی فائز تھے (۱)

خراج - جس طرح زکوٰۃ جذبہ اسلامی ریاست کے آمدنی کے ذرائع ہیں اسی طرح خراج  
بھی ایک اہم ذریعہ ہے - خراج " خراج " سے مشتق ہے جس کے معنی لگنے کے ہیں  
چنانچہ عرب میں خراج کا لفظ کرایہ - محصول - آمدنی - اجرت اور زرعی پیداوار کے لئے  
مخصوص تھا اسی لئے عرب زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار مکان سے ملنے والا کرایہ  
اور غلام سے حاصل ہونے والی آمدنی کو خراج کہتے ہیں - (۲)

شریعت کی اصطلاح میں خراج اسے کہتے ہیں کہ بعض جن ممالک کو  
اسلامی مجاہدوں نے فتح کر لیا اسکی زمینیں خلیفہ وقت نے گیار کے قبضہ میں ہی رہنے  
دئے - اور جن مشرک حکمرانوں سے صلح ہوگئی اور وہ اسلامی حکومت کے ماتحت ہو کر ذی  
بن گئے تو ایسی ملکوں کی زمینیں " خراجی " کہلاتی ہیں اور خلیفہ وقت ان زمینوں پر  
جو شیکس عائد کرتا ہے اسکو " خراج " کہا جاتا ہے -

قرآن حکیم میں خراج کے متعلق ارشاد ہوتا ہے -

مَا ظَاۗلَہٗ اِلَّا عَلٰی رَسُوْلَہٗ مِّنْ اَہْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْبَنِیِّ وَالْمَسْکِیْنِ  
وَابْنِ السَّبِیْلِ لَا یَكُوْنُ فِیْہِمْ اَعْنِیَۃٌ مِّنْکُمْ -

جو کچھ ہی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف ہٹا دے -  
وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتیم اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے - تاکہ وہ

(۱) النظم الاسلامیہ ص ۶۴ - ۱۶۶ ترجمہ صالح الشماخ - فیصل السامر

(۲) کتاب الاحوال ص ۹۵ - اردو جلد اول - امام ابو عبیدہ القاسم - مترجم عبدالرحمن

طاہر سورتی ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے ۔

سورہ مومنون کی آیت میں اسطرح کے الفاظ آتے ہیں ۔ ( ۱ )

ام تسلّمٰم خوجا فخراج بلک خیر ( ۱۲ )

کہا تو ان سے کچھ مانگ رہا ہے نیچے لٹے نیچے رہا ہوا ہی بہتر ہے

خواجه اور عشری زمین میں امتیاز زمین کی ملکیت کے اعتبار سے ہوگا اور اسکے لئے بنیادی شرط مسلم یا غیر مسلم کی ہے اگر کوئی زمین غیر مسلم کی ہے تو وہ خواجه کہلائے گی اور اگر مسلم کی ہے تو عشری کہلائے گی ۔

سب سے پہلے جس نے خراج نافذ کیا وہ حضرت عوہین ۔ ( ۲ )

اسکے بعد یہ ٹیکس جاری رہا ۔ مسلمان جو زمینیں فتح کرتے ۔

وہ وہیں کے لوگوں کی ملک میں چھوڑ دی جاتیں اور ان پر خراج عائد کر دیا جاتا ۔

خراج عائد کرنے وقت زمین کی نوعیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ۔ کیونکہ زمین کی مختلف اقسام ہوتی ہیں ۔ اور خراج کا تعین زمین کی قسم کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے مندرجہ ذیل امور کو ہمیشہ نظر رکھا جاتا ہے اولاً یہ کہ زمین زرخیز ہے یا بنجر ۔ اس سے یہ اندازہ کیا جائیگا کہ وہ زمین میں پیداوار کی کتنی صلاحیت ہے ۔ ثانیاً یہ دیکھا جائے گا کہ کھیتی کن طریقوں سے کی جاتی ہے ۔ ثالثاً یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ آبپاشی ہوتی ہے یا پیداوار کا انحصار صرف بارش ہے ۔ اگر زمین بارانی نہیں تو یہ بھی معلوم کرنا کہ

( ۱ ) سورہ حشر ع ( ۱ )

( ۲ ) سورہ مومنون ع ( ۳ )

( ۳ ) سیاست شریعہ ص ۲۷۰ ولانارٹیس احمد جعفری ندوی ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۰۹ء

ذرائع آپ پاشی کیا ہیں۔ اس طرح خراجقرر کرتے وقت ان تینوں صورتوں کو ہمیشہ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ او بھی ذہن میں رکھنا نہایت اہم ہے کہ خراج صرف ان ہی زمینوں پر لگایا جاتا ہے جن سے کسانوں کو آمدنی ہوتی ہے نہ کہ بنجر زمینوں پر۔

زمینوں کے مکانات اور ان کی رہائشی معارف کی دوسری زمینیں خراج سے

(۱)

مستثنیٰ ہیں۔ اس کے علاوہ خراج کی عدم ادائیگی کی صورت میں زمینوں کے پھٹنے کے

کپڑے گھر کے برتن خوراک کی مدد کا غلہ ہل بیل اور دوسرے آلات زراعت و صنعت نہ بہ حق

حکومت ضبط کئے جاسکتے تھے اور نہ قرق کئے جاسکتے ہیں۔ (۲)

کتاب الاوال میں ابو عبید نے اس ضمن میں مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا ہے۔

”ایک دفعہ حضرت علیؑ نے ایک شخص کو عکبری کا

تحصیلدار مقرر کیا اور اس سے کہا کہ خراج وصول کرنے

کے لئے نہ کسی کا گدھا بیچا نہ اس کا بیل اور نہ

اس کے سردی کے کپڑے۔ ان کے ساتھ تو کرنا پھرتی

کرنا پھر تو کرنا“ (۳)

خراج وصول کرنے کے دو طریقے رائج تھے۔ ایک پیمائش کا دوسرا ہٹوارہ

کا پہلے میں زمین کی پیمائش کے بعد نقد یا ہٹادار کی خاص مقدار مقرر کر دی جاتی

(۱) کتاب الاوال مترجم اردو حصہ اول - ص ۴۲ ابو عبید مترجم طاہر سورتی - ادارہ

تحقیقات اسلامی - اسلام آباد کراچی

(۲) اسلامی پر سیاست میں غیر مسلموں کے حقوق ص ۳۵ - مولانا امین احسن اصلاحی -

مکتبہ جماعت اسلامی - پاکستان ۱۹۵۰ء

(۳) کتاب الاوال مترجم اردو حصہ اول ص ۴۴ - ابو عبید مترجم طاہر سورتی ادارہ

تحقیقات اسلامی - اسلام آباد - کراچی

تھی اور دوسرے میں پیداوار کا ایک معین حصہ لیا جاتا تھا دوسرا طریقہ آنحضرت کے زمانے ہی میں رائج ہو گیا تھا (۱)

دور خلافت راشدہ میں خراج کی مقدار زمین کی پیداوار اور آب پاشی کی سہولتون کے پیش نظرقرر کی جاتی تھی مسکن حالات کے اعتبار سے ردوبدل ہوتا رہتا تھا (۲) حالات سے مراد آفات ارضی و سماوی ہیں مثلاً زیر کاشت زمین کو باران سے زیر آب ہوگی یا پالے سے فصل خراب ہوگی یا وحوش و طہور نے برباد کر دیا ان صورتوں میں خراج یا تو معاف کر دیا جاتا تھا یا تخفیف کر دی جاتی تھی۔ اگر کسانوں نے زمین کی تیاری جتنائی اور کاشت میں کوتاہی کی یا اگر زمین آب پاشی کی ہے اور ہر وقت سنبھالی نہ ہوتی اور اسکے نتیجہ میں فصل برباد ہوگئی یا باغات کے پودوں کی نگہداشت اور پرورش پر پوری اور ضروری توجہ نہ کی گئی اور باغات کو نقصان پہنچ گیا۔ اور متوقع فصل نہ ہوئی تو خراج میں کوئی کمی نہ کی جاتی تھی بلکہ پورا وصول کیا جاتا تھا۔

خراج کی وصولیابی کے لئے جس آدمی کو بھیقرر کیا جاتا تھا اسکا مندرجہ ذیل اوصاف ہے متصف ہونا ضروری تھا (۱) دانشمند (۲) قانون زراعت سے پوری واقفیت رکھتا ہو خود سرنہ ہو بلکہ وقت پر مشورہ سے کام انجام دینے کو ضروری سمجھتا ہو۔ (۳) دیانت دار ہو۔ اگر دانشمند ہوگا تو ہر کام یہ احسن وجوہ انجام دینگا قانون دان ہوگا تو کار متصی کی انجام دہی میں امتیاز نہ برتے گا۔ خود سرنہ ہوگا تو اہم معاملات میں واقف کار و تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کر کے رائے قائم کرینگا دیانت دار ہوگا تو خیانت کا امکان نہ ہوگا بلکہ متعلقہ لوگوں کا حق ایمانداری اور نیکی بھی ہے ادا کرے گا۔

(۱) مسلمانوں کا نظم مملکت - ۶۱ - ۲۶۰ ڈاکٹر حسن ابراہیم و علی ابراہیم

چہ تدوۃ المصنفین - دہلی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

(۲) ایضاً - ص ۲۶۱



خراج وصول کرنے کے بعد اسکا معرف کیا ہونا چاہئے اسکی وضاحت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب نے اسطرح کی ہے —

\* خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ

وصول ہوا اسکا معرف عام مصالح ملک و اہل اسلام میں

سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور اعمال

حکومت علماء طلبہ - نصیبوں اور قاضیوں کا گزارہ - بقدر

کفایت اس مد سے دیا جائے گا - نیز سڑکوں اور پلوں

کی تعمیر و مرمت کا خرچ بھی اس مد سے کیا جائیگا \* (۱)

زمینی خراج کی آمدنی مذکورہ بالا مدوں پر خرچ کی جاتی تھی - یا دوسرے

الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ رعایا کی ضروریات زندگی پر صرف کی جاتی اور خصوصاً

نادار معذور اور بیوہ عورتوں کی کفالت اسی آمدنی سے کی جاتی - خرچ کی ان مدد

کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ رعایا کی خوشحالی اور آسودگی حکومت کی ذمہ داری

ہے اور حقیقت میں مٹا ہی ریاست کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے -

عشر —

عشر بھی اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہے یہ ایک ایسا

ٹیکس ہے جو مزارعین کو غلہ کی پیداوار پر ادا کرنا ہوتا ہے - یہ فرق نہ بھولنا چاہئے

کہ خراج زمین کا ٹیکس ہے اور عشر غلہ کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے -

گواہن نبوہ اذا انتو واتوا حذوہم حصادہ \* جب یہ چیزیں پہلین تو انکے پھل کھاؤ

اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو \* (۲)

(۱) اسلام کا نظام آمدنی ص ۱۸۷ - حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ادارہ المعارف

(پ - ع)

(۲) القام م (۱۶)

ایک اور جگہ اس قسم کے الفاظ آتے ہیں —

یا ہٰا الذین آمنوا اتقوا ۱ من طیبہ ما کنتوممّا ۱ اخرجنا لکم من الارض  
 "مومنو جو پاکیزہ اور عہدہ مال تم کھاتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے  
 نکالتے ہیں اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو" (۱)

مندرجہ بالا آیات میں وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم زمین  
 سے جو پیدا کرتے ہو اس میں سے خدا کا حق نکالنا ضروری ہے گویا عشر کی ادائیگی  
 واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مال میں سے خدا کا حق ادا کرنے سے خیر و برکت ہوتی  
 ہے اور اس کا حق نہ ادا کرنے کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے —

شرعی اعتبار سے عشر یعنی پندرہواڑ کا دسواں حصہ مسلمانوں کی اس زرعی  
 پیداوار سے لیا جاتا ہے جو بارش کے پانی سے سیلاب ہوتی ہو یا جن زرعی زمینوں کی  
 سینچائی نالاب چشمہ دریا نہروں کی پانی سے کی گئی ہو — اور کاشتکار نے کسی  
 قسم کی محنت نہ کی ہو اور جن زمینوں کی آبپاشی کے لئے کسان کو محنت کرنی پڑی  
 ہو ان کا دسواں حصہ خدا کا حق ہے —

"چنانچہ خلافت راشدہ میں جب نہرین تعمیر کوائی گئیں تو ان سے پانی حاصل  
 کرنے پر کوئی محصول وصول نہیں کیا گیا اس لئے ان نہروں سے سینچی جانے والی زمینوں  
 کی پندرہواڑ پر عشر عائد کیا گیا" (۲)

حجۃ اللہ البالغہ میں بھی عشر کی دونوں اقسام کی طرف اشارہ کیا  
 گیا ہے "جو کھیت بارش یا چشموں سے سیلاب ہوں یا وہ زمین عسری ہو تو اس میں

(۱) بقوہ رکوع (۳۶)

(۲) اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ دوم ص ۳۳ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی —

اسلامک پبلیکیشنز — پاکستان ۱۹۶۸ع

سے دسواں حصہ ہے اور جن کھیتوں میں ہاتھ سے پانی دیا جائے تو ان میں بیسواں حصہ ہے کیونکہ جسمیں محنت کم ہے پیداوار زیادہ ہے اس میں لگان زیادہ ہونا چاہئے اور جسمیں محنت زیادہ ہے پیداوار کم ہے اس کے لگان میں بھی کمی کو دی جائیگی \* (۱)

زمین پر ٹیکس عائد کرنے وقت چند امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے یعنی یہ کہ زمین مسلمان کی ہے یا غیر مسلم کی کیونکہ عشر صرف مسلمان کی زمین کی پیداوار پر عاید ہوتا ہے۔ عشر کا ایک پہلو اسلامی عبادت کا بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہوتا (۲) اگر کافر مسلمان کی زمین کو خرید لے تو اس پر بجائے عشر کے خراج عاید کیا جائیگا۔

اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ کیا عشر کے واجب ہونے کی کوئی نصابی شکل ہے؟ تو عشر کے واجب ہونے کے لئے کسی نصاب کی شرط نہیں۔ قلیل اور کثیر زرعی پیداوار پر عشر واجب ہے۔ \* امام ابوحنیفہ \* کا قول ہے کہ عشر ہر اس قلیل اور کثیر پیداوار پر واجب ہوگا جس کی غرض و غایت آمدنی ہو یعنی اگر گھاس پھوس یا کوئی خودرو پورا جسمیں کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں کئی بلکہ قدرتی طور پر آگ آتا اور اس آمدنی ہوئی تو اس پر عشر واجب نہیں۔ لیکن بھی چیزیں آمدنی کی غرض سے اگائی گئیں تو عشر واجب ہوگا۔ اس کے علاوہ زمین سے پیدا ہونے والی تمام کارآمد اشیاء جیسے غلہ جوٹ کھاس تل پھل پھول سبزیان گنا زعفران پر عشر واجب ہوگا (۳)

اگر زمین سے دو دو فصلیں حاصل کی گئیں تو دونوں عشر واجب ہوگا اگر کوئی درخت سال میں کئی مرتبہ پھل دے تو ہر مرتبہ عشر ادا کرنا ہوگا۔

- 
- (۱) حجتہ اللہ البالغہ حصہ دوم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبع تجارت کتب کراچی  
 (۲) اسلام کا نظام آراضی ص ۱۴۸ مولانا مفتی محمد شفیع - ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۶۷ھ  
 (۳) اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ دوم ص ۳۵ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۸ء

عشر سے اسلاف رہاست کو جو آذنی ہوتی ہے اسکے معارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں - جن لوگوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے وہی لوگ عشر سے بھی امداد کے مستحق ہیں ان مستحقین کی تفصیل سورہ نسا کے رکوع ۶ میں بیان فرمائی گئی ہے --

واعبدوا اللہ ولا تشركوا به شياً و بالوالدين احساناً و بذی القربى والیتیم والمسکین  
والجار ذی القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل

\* اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ مان پاپ کے ساتھ حسن سلوک سے ہمیشہ آؤ قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے ہمیشہ آؤ اور بڑوسی رشتہ دار سے اجنبی ہمسایہ سے پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے - ( ۱ )

خمس --

اسلاف حکومت کے ذرائع آذنی میں ایک \* خمس \* بھی ہے - خمس مال غنیمت کے پانچویں حصے کو کہتے ہیں جو بہت المال میں جم کر دیا جاتا ہے - سید علی اسلام خمس کی تعریف اسطورح کرتے ہیں -

\* پانچواں حصہ مال غنیمت کا ہے اور مال غنیمت وہ ہے جو خونریزی اور جنگ کے بعد دشمنوں سے حاصل ہو \* ( ۲ )

( ۱ ) نسا رکوع ( ۶ )

( ۲ ) اسلام کا جمہوری نظام ص ۲۶۷ ڈاکٹر سید علی اسلام - انسیر برادرز لاہور ( پ - ت )

ابوعبید مال غنیمت کے پانچویں حصہ کے ساتھ دہینوں کا نون اور سمندری ماحصل کو بھی  
خمس میں شامل کرتے ہیں ۔

\* خمس جنگ میں دشمن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت

نیز قدیم دہینوں اور غوطہ خوری یا کانوں سے حاصل

ہونے والے مال کا پانچواں حصہ ہے \* ( ۱ )

اس سے معلوم ہوا کہ جو مال جنگ کے بعد حاصل ہو اسکا پانچواں حصہ حکومت  
کا حق ہے اسکو \* خمس \* کہا جاتا ہے ۔ باقی مال انہیں فوجیوں میں تقسیم کر دیا جاتا  
ہے جو جنگ میں لڑتے ہیں دوسرے لوگ اس کے مستحق نہیں مال غنیمت کے متعلق قرآن حکم  
میں ارشاد ہوتا ہے ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاِنْفَالِ قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ( ۲ )

لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں معلوم کرتے ہیں کہو کہ مال غنیمت تو اللہ اور اس کے  
رسول کے لئے ہے ۔

اسی سورہ کے چوتھے رکوع میں فرمایا گیا کہ ۔

وَاعْلَمُوا اَنَّهَا عِنْتُمْ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ الرِّسُولُ ۔ \* آگاہ رہو کہ جو مال تمہیں بطور

غنیمت کے حاصل ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے اس میں سے پانچواں حصہ ہے \* ( ۳ )

( ۱ ) کتاب الاحوال جلد اول مترجم اردو ص ۱۲۱ ابوعبید مترجم عبدالرحمن طاہر سورنی

ادارہ تحقیقات اسلامی لاہور

( ۲ ) انفال رکوع ۱

( ۳ ) انفال رکوع ۲

چنانچہ جو مال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے گویا وہ اسلامی ریاست کی

ملکیت ہے جو رسول خدا کے نائب کی حیثیت رکھتی ہے \* (۱)

لہذا مال غنیمت کا پانچواں حصہ اسلامی ریاست کی فلاح و بہبود اور مظلوم عامہ کے لئے بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے تفہیم القرآن جلد دوم میں اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے ۔

\* پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے

لئے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری

فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو \* (۲)

سورۃ انفال میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے ۔

نکلو امّا غنم خلا طیباً ۔ جو مال تم نے حاصل کیا اس کو کھاؤ کیونکہ وہ حلال اور

پاک ہے ۔ (۳)

مال غنیمت سے خاص نکالنے کے بعد جو بچے وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا

جائے \* حضور کا بھی یہی معمول تھا کہ خاص نکال کر جو مال بچتا اس کو مجاہدین

میں تقسیم فرما دیا کرتے ۔ خلفائے راشدین نے بھی اس طریقہ پر عمل کیا (۴) اسی

طرح \* بنو امیہ اور بنو عباس کے دور حکومت میں بھی ہوتا رہا اور اسلامی فقہاء بھی اس پر

متفق ہیں کہ خاص نکال کر جو مال غنیمت بچے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے (۵)

(۱) اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ دوم ص ۲۷ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی اسلامک پبلیکیشنز

لمیٹڈ پاکستان ۱۹۶۸ء

(۲) تفہیم القرآن جلد دوم ص ۱۲۸ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جماعت اسلامی ہند دہلی ۱۹۵۸ء

(۳) الانفال ۹ ع

(۴) اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ دوم ص ۲۸ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی اسلامک پبلیکیشنز

۱۹۶۸

(۵) ایضاً ص ۲۸

مال غنیمت کی تقسیم کا یہ طریقہ اسلامی ریاست میں اسوقت رائج تھا جبکہ مال غنیمت سواری کے گھوڑے تیر تلوار ڈھال زرہ وغیرہ پر مشتمل ہوتا اور یہ تمام اشیاء انفرادی طور پر مجاہدین کے لئے بڑی قیمت رکھتی تھیں اسلئے عموماً اس زمانے میں آلات و حرب مجاہدین خود مہیا کرتے تھے ۔

لیکن موجودہ زمانے میں مال غنیمت میں ایسے اسلحہ جات ملتے ہیں جن کو تقسیم کرنا ناممکن ہے مثلاً ہوائی جہاز بحری جہاز غوطہ خور کشتیاں ٹینک جیپ گاڑیاں ٹرک بم مشین گین توپ بندوق وغیرہ جو نہ صرف نہایت قیمتی ہوتی ہیں بلکہ ان کا سپاہیوں کو تقسیم کر دینا فتنہ و فساد کا سبب ہو سکتا ہے نہ صرف تقسیم کے وقت بلکہ قبضہ میں آجانے کے بعد ہی ایسے مہلک ہتھیاروں سے فوجیوں کو انفرادی طور پر اس طرح مسلح کر دینا کہ انکے ہمدست استعمال پر انکو مکمل اختیار ہو معاشرہ میں ابتری کا سبب ہو سکتا ہے ۔ ابتری کے اس امکان کو ختم کرنے کے لئے مال غنیمت کے تمام اسلحہ اسلامی ریاست کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں تاکہ دوبارہ جنگ میں ان کا استعمال کیا جائے ۔ اس کے عوض میں لشکریوں کو ماہانہ تنخواہیں دی جاتی ہیں اور انعامات اور اعزازات سے نوازا جاتا ہے اسلام کی یہی بڑی خوبی ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق انسانوں کو ہر زمانہ میں اصول و ضوابط فراہم کرتا ہے اور ان کو اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ بنیادی اصول عطا کرتا ہے جنکی روشنی میں وہ مختلف ادوار میں تفصیل قوانین بناسکے ۔

فی —

مال فی بھی اسلامی ریاست کی آمدنی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اگر میدان جنگ میں گزار اسلامی لشکر کی تعداد و قوت کو دیکھ کر گھبراجائیں اور موعوب ہو کر جنگ کے بغیر اپنا سارا مال میدان جنگ میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کریں تو اس

ہیں ماندہ مال کو مال " فی " کہتے ہیں اس کے علاوہ ایک دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جنگ کے بعد کفار کی زمینوں کو بطور ٹیکس ان کے قبضے میں رہنے دیا جائے اور اس پر جزیہ اور خراج مقرر کر دیا جائے اس کو بھی " فی " کہتے ہیں اس طرح جزیہ اور خراج بھی " فی " کے اقسام میں جاتے ہیں (۱) اس قسم کے مال کو مال " فی " اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے یہ مال بغیر جنگ و جدل دلوا دیا ہے (۲) چنانچہ ابو عبیدہ نے لفظ " فی " کی تشریح اس طرح کی ہے کہ " لفظ " فی " ان تمام احوال پر حاوی ہوگا جو ذہن سے صلح کے معاہدہ کے تحت وصول ہوتا ہے (۳)

مال فی کو بھی بیت المال میں جمع کر دیا جاتا اور پھر غرباء کی فلاح و بہبود پر صرف کیا جاتا۔ فی کے لئے حکم یہ تھا کہ اس کو افواج میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ریاست کے غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ خلاصی ریاست کا فہم ہی یہ ہے کہ اس کی مالیات سے رعایا کی معاشی حالت درست کی جائے اور دولت کی تقسیم اس طرح نہ ہو کہ ایک طبقہ بہت مالدار اور دوسرا نان شبینہ کو بھی محتاج رہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " فی " کو سرکاری ملک قرار دیا سورہ حشر کی مندرجہ ذیل آیات میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے —

وَمَا أَفَاءُ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مَا أَفَاءُ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِللَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّائِلِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ كَمَا لَا يَكُونُ دَوْلَةٌ بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَفَا انكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا اللَّهَ اِنَّ لِلَّهِ شَدِيدَ الْعِقَابِ " اور

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۲۲ ولانا محمد حفظ الرحمن ندوۃ المصنفین دہلی -

جزیہ اور خراج کی تفصیل گورچکی ہے جزیہ ذہن کے جان و مال کا حفاظتی ٹیکس ہے خراج

انکی زمین سے لیا جاتا ہے -

(۲) سیاست شرعیہ مترجم اردو ص ۱۲۹ محمد اسماعیل گودھروی - کلام کہنی کراچی (ب - ج)

(۳) کتاب الاحوال حصہ اول ص ۱۳۰ ابو عبیدہ مترجم اردو طاہر سورتی - ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی



اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں کے مال و املاک میں سے جو کچھ دلوانا ہے ان پر تم نے نہ کھوڑے دوڑوائے تھے اور نہ اونٹ لہذا اللہ جن پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ نے اس بستی کے باشندوں سے جو کچھ دلوانا ہے وہ سب اللہ کا ہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کے رسول کا اور رسول کے قرابت داروں کا بیٹوں کا مسکینوں کا اور مسافروں کا تاکہ یہ مال تمہارے مالدار افراد کے درمیان ہی چکر نہ لگتا رہے پس رسول تمہیں جو کچھ دین اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو دین اس سے باز رہو اللہ سے ڈرو یہی شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے - (۱)

اس آیت کے مطالعہ سے یہی اور کی وضاحت ہو جاتی ہے (۱) میدان جنگ میں کسی قسم کی لڑائی کی نوبت نہیں آتی کیونکہ گھوڑے اور اونٹ اس وقت دوڑائے جاتے ہیں جب جنگ شروع ہو جاتی ہے (۲) مجاہدین کو جہاد نہیں کرنا پڑا اور بغیر جنگ و جدال کے مال غنیمت ہاتھ آگیا - اگر مجادلہ کے بعد مال حاصل ہوتا تو اسکی تقسیم ان مجاہدین میں مساوی طور پر کر دی جاتی جو لڑائی میں شریک تھے۔ اب چونکہ یہ آیت اس بات کی وضاحت ہے کہ مال غنیمت بغیر جنگ و جدال کے حاصل ہوا اسلئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اپنے تصرف میں لے لیا اور سال بھر کے اخراجات نکال کر اپنے عزیز اقرباء کو دئے اور باقی مال غریبوں مسکینوں یتیموں اور مسافروں وغیرہ میں تقسیم کر دیا اس تقسیم کے وقت مساوات کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا جتنا جسکے حصہ میں مال آیا اتنا اسکو دیا -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بطور مثال پیش کی جاتی ہے -

عن مالک بن اوس بن الحدثان قال قال عو بن الخطاب ان اللہ قد خص رسولہ فی

هَذَا الْفَقْرُ بَشَرِيٌّ لَمْ يَحْطَهُ أَحَدٌ غَيْرُهُ عَمَّ قَرَأَ مَا أَنَا اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ أَنِي قَوْلُهُ قَدْ يَرُ  
فَكَانَتْ هَذِهِ نَاصِيَةً الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفَقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سَتَنَّهُمْ مِنْ  
هَذَا الْمَالِ ثُمَّ اخَذَ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُ مَجْعَلُ مَالِ اللَّهِ (بخاری اسلم)

\* حضرت مالک بن اوس بن حنٹان حضور عم بن خطاب نے کہا کہ خداوند  
تعالیٰ نے مال " فی " میں سے ایک خاص چیز کو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے لئے مخصوص کر دیا تھا کہ وہ چیز کسی دوسرے کو عطا نہیں کی گئی پھر حضور عموں  
خطاب نے یہ آیت پڑھی مَا أَنَا اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ قَدْ يَرُ یہ مال خالص حضور  
کے لئے تھا آپ اسکو اپنے گھر والوں پر صرف فرماتے تھے اور سال بھر کا خرچ اس مال  
میں سے نکال لیتے تھے - پھر جس قدر بچتا تھا اسکو خدا کا مال قرار دیکر مسلمانوں کے  
مصلح میں خرچ فرماتے تھے (۱)

یہ مال صرف مذکورہ بالا لوگوں میں ہی تقسیم نہ ہوتا تھا بلکہ اس مال  
میں سے عورتوں اور بچوں کے وظائف بھی قور کئے جاتے تھے چنانچہ تاریخی شہادتیں وجود  
ہے کہ بچہ جس وقت سے پیدا ہوتا تھا اسی وقت سے " فی " کی آمدنی سے وظیفہ  
کا مستحق ہو جاتا تھا اور عمر کے ساتھ ساتھ وظیفہ میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا (۲)  
اسکے علاوہ غلاموں اور لونڈیوں کے وظیفے بھی مال فی ہی سے قور کئے جاتے تھے - حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جس وقت مال " فی " آتا آپ اسکو فوراً تقسیم  
فرمایا دیا کرتے تھے - اگر مال صبح کو آتا تو دوپہر تک تقسیم کر دیا جاتا اور اگر شام  
کو آتا تو رات گزرنے سے پہلے تقسیم ختم ہو جاتی جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں مذکور  
ہے کہ —

(۱) مشکوٰۃ المصابیح - کتاب المغازی -

(۲) کتاب الاحوال ص ۳۹۹ ابو عبیدہ مترجم اردو - طاہر سوری ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی

" حضرت عوف بن مالک کہتے ہیں کہ جس وقت رسولؐ

خدا کے پاس مال آتا تھا تو آپؐ اسی وقت بانٹ دیا کرتے

تھے اور جو شخص شادی شدہ ہوتا اسکو دو حصے عطا فرماتے

تھے اور جو ناکھدا ہوتا تھا اسکو ایک حصہ ملتا تھا اور

پھر مجھے بلایا گیا مجھے آنحضرتؐ نے دو حصے دئے

کیونکہ بیوی بیوی بھی تھی اور میرے بعد حضرت بن یاسرؓ کو بلایا

اور انھیں ایک حصہ دیا " ( ۱ )

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علاوہ اس کے کہ " فی " کا مال

فوراً تقسیم کر دیا جاتا تھا شادی شدہ کو دو حصے اور ناکھدا کو ایک حصہ ملتا تھا ۔

یہی خصوصیت اسلاف ریاست کو دنیا کی دوسری ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے ۔

مال " فی " میں سے حصہ ان لوگوں کو بھی دیا جاتا تھا جو اللہ کی

خاطر ہجرت کر کے آئے اور اسلام میں داخل ہوئے تھے چنانچہ حضورؐ نے بنی نصر کی جائداد

کا ایک حصہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور وہ نخلستان جو انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں

کی مدد کے لئے ان کو دیدئے تھے وہ انکو واپس کر دئے ( ۲ )

خلاصہ یہ ہے کہ مال " فی " اسلاف ریاست کا ایک اہم ذریعہ آمدنی ہے

اس سے بچا غریب کی مدد کی جاتی ہے ۔ کوئی ریاست اس وقت ہی فلاحی کہی جا

سکتی ہے جبکہ ریاست میں بسنے والے غریب کی آرام و آسائش کا خیال رکھے اور انکی مدد اس

قسم کے احوال سے برابر ہوتی رہے ۔

( ۱ ) مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۲

( ۲ ) تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۳۹۴ ولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مکتبہ جماعت اسلامی

اسلامی ریاست کے جو ذرائع محاصل ہیں ان میں سے ایک رکاز بھی ہے رکاز وہ سونا چاندی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے زمین کے اندر پیدا کر رکھا ہے (۱) ترمذی شریف باب الزکوٰۃ میں رکاز کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے "رکاز" زمین کے گئے ہوئے مال کو کہتے ہیں خواہ کسی نے رکھا ہو جسے خزانہ خواہ خزانہ قدرتی ہو جسے جواہرات کی کان گویا خزانہ اور کان دونوں رکاز کی قسمیں ہیں - (۲)

اس قسم کا خزانہ حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ (خمس) حکومت کی ملکیت ہوگا اور باقی پانچ والے کو دیدیا جائیگا -

رکاز کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے -

حَدَّثَنَا دَنَا سَفِيَانُ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمَيْمُونِ وَابْنِ سَلَمَةَ سَمِعَا أَبَا هُرَيْرَةَ يَحْذَرُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الرِّكَازِ الْخُمْسُ -

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا رکاز میں سے پانچواں حصہ لیا جائے گا (۱) اور باقی پانچ والے کا ہے (۲)

اگر کسی حوی کاغذ کو دفینہ (رکاز) ملے تو اسی سے پورا دفینہ لے

لیا جائیگا خواہ امان لیکر دارالسلام میں داخل ہوا ہو - (۳)

(۱) اسلام کا نظام محاصل ص ۱۵۲ محد نجات اللہ صدیقی - مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۶۶

(۲) خمس ترمذی شریف - باب الزکوٰۃ -

(۳) سنن ابو داؤد شریف باب رکاز

(۴) اسلام کا نظام محاصل مترجم اردو ص ۱۵۳ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

مکتبہ چراغ راہ - کراچی ۱۹۶۶ء

برخلاف اسکے اگر پانے والا ذی با غلام ہے تو اس سے پانچواں حصہ لینے کے بعد باقی مال اسکو دے دیا جائیگا --

رکاز کے مصرف کے سلسلے میں حاکم وقت کو اختیار ہے کہ پانچواں حصہ ساکنین وغیرہ کو دے دے اگر پانے والے نے ساکنین کو دے دیا تو درست ہے اگر پانے والا خود غریب مسکن ہے تو یہ پانچواں حصہ اپنے مصرف میں لاسکتا ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اس کے پاس اتنا نہ بچے جو اسکے لئے کافی ہو --

بہان بھی یہ ہو قابل غور ہے کہ اسلاف ریاست کے دوسرے ذرائع آمدنی کلرژ رکاز \* کا مصرف بھی وہی ہے جس سے ریاست کے باشندوں کو آسودگی و خوشحالی حاصل ہو اور اس طرح <sup>مندی</sup> ریاست کی بنیادین ضبوط ہوں --

لقطہ

مذکورہ بالا ذرائع آمدنی کی طرح " لقطہ " بھی ریاست کا ایک ذریعہ آمدنی ہے -- ایسا مال جسکا کوئی مالک نہ ہو " لقطہ " کہلاتا ہے " اسپن مری پڑی چٹون کے علاوہ وہ اموال بھی شامل ہیں جو کسی کی ملک رہے ہیں لیکن اسکے بعد انکے مالک لاپتہ ہو گئے (۲)

جب کوئی مال دستیاب ہو اور اسپر کوئی خاص علامت و نشانی ایسی موجود نہ ہو کہ جسکی وجہ سے اسکے مالک کی شناخت کی جاسکے تو اس مال کو اس تصدراۓ کے ساتھ اٹھا جاسکتا ہے کہ کسی ملک ہو جائے لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس مال کو اسکے واقعی مالک کی طرف سے صدقہ کردے --

حضور کی چند احادیث اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں --

(۱) اسلام کا نظام محاصل مترجم اردو ص ۱۵۳ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی -

مکتبہ جواہر راہ کراچی ۱۹۶۸ء

(۲) اسلام کا نظریہ ملکیت جلد دوم ص ۵۵ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی - اسلامک پبلیکیشنز

۱۹۶۸ء

و عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اولى ضالة فهو هاضال مالم يحزنها ( حضرت زید بن خالد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کم شدہ چیز کو گھر میں اٹھا کر رکھ دے وہ گمراہ ہے جب تک اسکا اعلان نہ کر دے ( مسلم )

و عن الجارود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ضالة المسلم صرق النار \* حضرت جارود کہتے ہیں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں کی کم شدہ چیز آگ کا شعلہ ہے ( یعنی جو شخص اسکو اٹھا لےگا اور نقطہ کی احکام کی پابندی نہ کرے گا تو وہ اسکو دوزخ کی آگ میں سے جائیگا ) ( دارق )

من وجله نقطه فليشهد ذاعدل اوذوى عدل ولا يكتم حكم ولا يضيب فان وجد صاحبها فليرد عليه والا فهو مال الله يوتيه من يشاء \*

\* کہ رسول نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسکو غائب کرے یعنی اسکا اعلان ترک نہ کرے اور نہ اسکو کسی دوسری جگہ بھیج دے اگر اسکا مالک آجائے تو اسکو واپس دے اور مالک نہ آئے تو پھر وہ خدا کا مال ہے جسکو خدا چاہے عطا فرمائے \* ( احمد - ابوداؤد - دارق ) ( ۳ )

ان احادیث کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے مال پانے والا مالک کو مطلع کرنے کا کام برابر انجام دیتا رہے اور جب مالک مل جائے تو مال اس کے سپرد کر دے - اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو پھر اسکا صدقہ کر دے آخری حدیث میں خدا کے مال سے مطلب یہ ہے کہ اسکو خدا کی راہ میں صدقہ کر دے اسکو اپنی مالک نہ قرار دے اگر پانے والا بہت غریب ہے تو ایسی صوات میں اس مال کو لے لے کر اپنے تصرف

( ۱ ) مشکوٰۃ شریف

( ۲ ) ایضاً ص ۶۵

( ۳ ) مشکوٰۃ شریف ص ۶۵

میں لاسکتا ہے۔ لیکن یہ صورت اسی وقت ممکن ہوگی جبکہ وہ بہت غریب ہو۔

اگر لفظہ کا مال قہقہی ہے تو ایسی صورت میں اس مال کو بیت المال میں جمع کر دیا جائیگا تاکہ اسلامی ریاست اسکا صرف ادائیگی بہتو طریقہ پر کرسکے۔ جب کوئی شخص کچھ رقم پائے تو اسکی خبر فوراً حکومت کو کرے تاکہ حکومت سرکاری طور پر اسکا اعلان کردے اور مالک اصلی نہ ملنے پر اسکا صحیح مصرف ہوسکے اور اگر مقدار کم ہے تو اس مال کو مال پائے والے کے سپرد کر دیا جائے۔ مختصر یہ کہ ہر وہ مال جو کسی مسلمان کی ملک ہو اور اسکا اور اسکے وائے کا پتہ نہ چلے تو یہ مال اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائے گا اس مال کو بیت المال میں جمع کر دیا جائیگا اور ریاست نادار اور ضرورت مند شہریوں کی کفالت اس مد سے کرے گی تاکہ ریاست میں خوشحالی برقرار رہ سکے۔

لاوارث ترکے — ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ ترکہ بھی ہے جسکا کوئی وارث نہ ہو اسلام نے حکومت کو یہ حق عطا فرمایا ہے کہ لاوارث لوگوں کے مال کو انکے ویرے کے بعد بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور حکومت اس سے قوی ضروریات پوری کرے حکومت کا یہ حق فطری ہے اور اسکو اسلامی دستور و قانون نے تسلیم کیا ہے۔ (۱) اسلئے اسلامی ریاست کو اسکے تصرف کا اختیار حاصل ہے

مذکورہ بالا تمام مذاات اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی سے تعلق رکھتی ہیں لہذا

ان آمدنیوں سے ریاست اپنے بسنے والوں کی ضروریات پوری کرتی ہے اور یہی ایک فلاحی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اب آئندہ صفحات میں ان تمام مدوں کے اخراج پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے۔

(۱) اسلام کے معاشی نظریے جلد دوم ص ۶۵۵ محمد یوسف الدین طبع ابراہیم

حیدر آباد ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

## ( اخراج کی تدبیر )

اسلامی حکومت کے ذریعہ آمدنی تفصیل کے ساتھ گزشتہ اوراق میں بیان کئے جا چکے ہیں اور مجلاً ان کے مصارف کا تذکرہ آچکا ہے۔ اس باپ میں ہم مصارف پر تفصیلی گفتگو کوہن کئے۔ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہر آمدنی کا مصرف جداگانہ ہے مال فی کے مصارف میں حکومت کے ضروریات عامہ داخل ہیں۔ (۱) عوام کی فلاح اور بہبود سے متعلق ضروریات اس سے پوری کی جاسکتی ہیں۔ اسی لئے مال فی مسلمانوں کے لئے جائز اور حلال کو دیا گیا ہے تاکہ اسلامی حکومت اس سے قوت حاصل کرے (۲)

حضور سرور کائنات مال فی کو اپنے قبضے میں رکھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ

نے ۲ ہ جب میں بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا تو انکے باغات کھیتبان مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں۔ اسکے بعد بنو قریظہ کا علاقہ اور مال و اسباب جو بغیر کسی جنگ و جدال کے مسلمانوں کو حاصل ہوا (۳) اور اس مال کو سرکاری ملک قرار دیکر رسول اکرم نے مسلمانوں کے لئے محفوظ کر لیا آپنے تمام مہاجرین اور انصار کو فی کا مصرف بتایا (۴) اسی وجہ اور بنو نضیر کا کچھ علاقہ مہاجرین اور نادار انصار میں تقسیم کیا (۵)۔

چنانچہ مال فی کی صورت میں جو کچھ حاصل ہوتا وہ بیت المال کی ملک

قرار دیکر آپکے قبضہ میں دیدیا جاتا تھا اور آنحضرت اس کے نصف کا پورا حق رکھتے اور

(۱) سیاست شرعیہ ص ۲۸۸ مولانا رئیس جمفری ندول ثقافت اسلامہ ۱۹۵۹ء

(۲) سیاست شرعیہ اردو ص ۱۳۰ مترجم - محمد اسماعیل گودھروی کلام کہنی کراچی

(۳) اسلام کے معاشی نظریے جلد دوم ص ۷۲۰ محمد یوسف الدین طبع ابراہیم حیدر آباد ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

(۴) اصح المسو - ص ۲۱۳ ابوالبرقاع عبدلروف - تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۹۵۷ء

(۵) اسلام کے معاشی نظریے جلد دوم ص ۷۲۱ محمد یوسف الدین ابراہیم حیدر آباد دکن

۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء



آپ فلاح عامہ کو ہمیشہ نظر رکھ کر اس کو صرف فرماتے اس کی تفصیل یہ ہے۔ سب سے پہلے آپ مال فی مین سے ازواج مطہرات اور اہل بیت کو ایک سال کا نقدہ مرحمت فرماتے تھے (۱) اور بھتہ مال سے نادار مسلمانوں کی شادی بیاہ - بیوہ اور معذور عورتوں کا نان لفقہ عورت کا مہر بچوں کی تعلیم رفاہ عام کی ضرورت صحت عامہ وغیرہ پر مال فی صرف فرماتے تھے -

مذکورہ بالا اخراجات " فلاحی ریاست " کے نقطہ نظر سے ایک تنقیدی نظر

ڈالنا ضروری ہے تاکہ ان کی وضاحت ہو سکے -

( الف ) تعلیم - بعض بچے فطری طور پر بہت ذہین ہوتے ہیں اور تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں ہوتے ہیں لیکن ان کے والدین اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکیں تاکہ یہ بچے اپنی خداداد استطاعت اور ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور ریاست کے لئے قوی سرمایہ بن سکیں - ایسی صورت میں اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ ایسے بچوں کی معقول اور مناسب تعلیم کا خرچ برداشت کرے۔ چنانچہ بیت المال کے مال فی مین سے رسول اکرم ایسے بچوں کی تعلیم پر صرف فرماتے تھے پھر خود آپ کو ذاتی طور پر بچوں سے اس درجہ محبت تھی کہ ان کی ہر طرح دل چاہی جوئی فرماتے تھے اور اگر آپ کسی بچے میں تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پاتے تو اس کی - تعلیم کا خرچ برداشت کیا جاتا چونکہ عرب میں تعلیم کا عام رواج نہ تھا اس لئے آپ کو تعلیم کی طرف خاص

---

(۱) اصح السہر - ابوالبرکات عبداللہ ذوق - وکارخانہ - تجارت کتب - کراچی

توجہ تھی اور اسی بنا پر بدو کی لڑائی میں مشرکین جو قید ہوئے ان میں سے بعض تعلیم یافتہ قیدیوں کا جذبہ آپ نے بھی قرار دیا کہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں (۲) اور آزادی حاصل کر لیں - صحت - صحت عامہ کے لئے ضروری اقدامات کوتا اور اسکے لئے سہولتیں بہم پہنچانا ایک فلاحی ریاست کے اہم فرائض میں سے ہے۔ ریاست میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اتنے نادار اور مفلس ہوتے ہیں کہ وہ علاج کے اخراجات کو برداشت نہیں کر سکتے - ایک فلاحی ریاست کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ رعایا کے مفت علاج کی سہولتیں مہیا کرے - اس کے علاوہ بستیوں کی صفائی اور پانی کی نکاس کا انتظام کرے تاکہ بیماریاں پیدا نہ ہوں - اسلامی ریاست میں یہ اخراجات " مال فی " سے ادا کیے جاتے ہیں -

### لاوارث بچوں کی پرورش

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اسلام کی ذرائع آمدنی میں سے ایک ذریعہ لقطہ ہے یعنی ایسا لاوارث مال جسکا کوئی وارث نہ ہو اس مال کو بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے اور اسلامی ریاست میں اسی مال سے لاوارث بچوں کی پرورش کی جاتی ہے - حضرت عو کے عہد خلافت میں اگر کوئی بچہ گزرگاہ پر ڈال دیا جاتا اور وہ حضرت عو کے پاس لایا جاتا تو آپ اسکی خوراک اور دوسرے مصارف کے لئے بیت المال سے رقم مقرر فرما دیتے اسکا ولی ہو مہیشے اسکا وظیفہ وصول کرتا (۱) جس طرح ایک معذور کا خرچ حکومت برداشت کرتی ہے اس طرح ایسے بچوں کی پرورش و پرداخت حکومت کے ذمہ ہوتی ہے - جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس شخص کے لئے جس نے بچے کی پرورش کی ہے ضروری ہے کہ اسکو کسی ایسے کام میں لگا دے کہ وہ بڑا ہو کر اپنی ضروریات پوری کر سکے - اسلامی ریاست پر اس شہری کی کفیل اور اسکی ضروریات کی ذمہ دار ہوتی ہے جسکا کوئی کفیل نہ ہو - ایسی صورت میں ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ حاجت مندوں کی شادی بیاں کی طرف بھی توجہ دے اس وجہ سے مال فی کو

(۱) اسلام کے معاشی نظریے جلد دوم ص ۷۲۶ محمد یوسف الدین - مطبع ابراہیمہ حیدرآباد

حاجت مندوں کی شادی بیاہ میں بھی خرچ کیا جانا تھا - اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص شادی کرنا چاہتا اور اسکے پاس اتنا روپیہ نہ ہوتا جس سے وہ اپنی شادی کا خرچ برداشت کرسکے تو اس صورت میں حضور مال فی میں سے کچھ روپیہ اسکو دیکر اسکی شادی کا انتظام فرماتے - کیونکہ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھے جب ریاست کے شہری مطمئن ہونگے تب ہی ریاست ترقی کرسکتی ہے لہذا اپنی فلاح کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت مند اشخاص کا خیال رکھتی اور انکی ہر ضرورت پوری کرتی یعنی بیاہ کا خرچہ -

### مہر

باشندگان ریاست کی ضرورت کی تکمیل کے لئے اسلامی ریاست بحیثیت ایک فلاحی ریاست کے اسکی ذمہ دار ہوتی ہے کہ ان کی جائز ضروریات کو پورا کرے خصوصاً اس طبقہ کی ضروریات کا پورا کرنا اسکا فرض ہے جو خود کفیل نہیں ہوتے - ان ضروریات میں سے ایک ضرورت " مہر " بھی ہے - مہر عورت کا حق ہے جو نکاح کے بعد شوہر پر واجب ہو جاتا ہے اسکی تفصیلات قرآن و حدیث میں اسطرح مذکور ہیں -

(۱)

وانوالنساء صد قتمن نطقاً (۲) - اور عورتوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو

ماکرمعن باذن اهلن وانومعن اجورهن بالمعروف - پس انکے سرپرستوں کی اجازت سے لونڈیوں سے نکاح کرو اور مناسب طور پر انکے مہر ادا کرو -

ان کے ساتھ نکاح کرلو اور معروف طریقہ سے انکے مہر ادا کرو

والمحصنت من البوشت والمحصنت من الدین - لمحو محفوظ عورتیں تنہا رہنے کے حلال

اونوالکعب من قبلکم اذا آتینو هن اجورهن (۳) - ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ

سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن

کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی  
بشرطیکہ تم اسکے مہر ادا کرکے نکاح میں  
انکے محافظ ہو -

مہر کے متعلق سرور کائنات کا ارشاد ہے -

” اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم عورتوں کو ہنسی خوشی  
 مہر و داور زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کتنا مہر ہو  
 جائز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم کسی عورت کو مہر میں  
 بے انتہا مال دیدو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو -  
 حضور نے فرمایا مہر ضرور دو جاہے لوہے کی انگوٹھی ہی  
 کیون نہ ہو - (۱)

نکاح کے وقت عورت اور مرد کے درمیان مہر کی جو مقدار متعین ہوئی ہو  
 اسکا ادا کرنا مرد پر لازم ہے۔ اور اگر مرد اسکو ادا کرنے سے انکار کرے تو عورت کو یہ  
 حق حاصل ہے کہ اپنے نفس کو اس سے روک لے اگر مرد کی ناداری کی وجہ سے عورت  
 اس حق کو خوشی خوشی معاف کر دیتی ہے (۲) تو یہ مرد پر اسکا احسان ہے -

اگر مرد اپنی ناداری کی وجہ سے اس حق کی ادائیگی سے قاصر ہے تو بھی  
 ایسی صورت میں ریاست اسکی کفیل ہو جاتی ہے یعنی مہر کی ادائیگی ریاست کی ذمہ داری  
 ہو جاتی ہے اور وہ ان ذرائع آمدنی سے جو مسلمانوں کی فلاح پر خرچ کئے جاتے ہیں  
 مہر ادا کر دیتی ہے لیکن یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب مرد اپنی ناداری کا سبب  
 بنائے اور وہ سبب واقعی اور قابل قبول ہو جو لوگ محض عورت کو پریشان کرنے کی غرض سے  
 اسکے اس حق کو سلب کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کی ذمہ داری ریاست پر نہیں ہے  
 ریاست تو صرف انہیں لوگوں کی کفیل ہو سکتی ہے جو اس حق کی ادائیگی سے اپنی ناداری  
 کی وجہ سے قاصر ہوئے ہیں -

(۱) بخاری شریف جلد سوئم کتاب و نکاح ص ۹۵

(۲) حقوق الزوجین - سید ابوالاعلیٰ مودودی - ترجمان القرآن ص ۲۲ ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء

(۳) ایضاً ص ۲۲

شریعت میں نقذہ کھانا کپڑا اور مکان کا نام ہے اگرچہ اس کے لغوی معنی اپنے مال سے اہل و عیال پر خرچ کرنا ہے ۔ نقذہ کی ادائیگی شعر پر کے فرائض میں داخل ہے اور وہ اس فرض سے اس وقت تک سبکدوش نہیں ہوسکتا جبکہ وہ اپنے اہل و عیال کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کپڑا مکان اور دوسری ضروریات زندگی خوشی کے ساتھ مہیا نہ کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ بیوی ضروریات زندگی کی طرف سے مطمئن ہوگی تو گھر کے فرائض خوش دلی کے ساتھ بہ احسن وجوہ انجام دے سکیگی بال بچوں کی تربیت اعلیٰ پیمانے پر ہوگی برخلاف اس کے اگر ضروریات زندگی کی طرف سے فکر مند ہوگی تو وہ دماغی انتشار کا شکار ہوگی اور نہ گھر کی ذمہ داریوں کو پورا کرسکیگی اور نہ بچوں کی پرورش صحیح طور پر ہوسکے گی ۔ اسلئے قرآن مجید کا ارشاد ہے —

لَیَنْفِقْ ذَوْسَعَةً مِّنْ سَعَتِهِ وَ مِنْ قَدَرِ عَلَیْهِ رِزْقَهُ فَلَیَنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهُ اللّٰهُ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

اَلَا مَا اٰتٰهَا

خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نقذہ دے اور جسکو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کے لیے دیا ہے اللہ نے جسکو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا ۔ (۲)

مندرجہ بالا آیت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ <sup>خداوند</sup> صانع کریم ~~خداوند~~ ~~صانع~~ کریم

کسی پر بھی اسکی وسعت سے زائد بار نہیں ڈالتا بلکہ اسکی حیثیت کے مطابق حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے ۔

(۱) اسلام کا نظام عفت و عصیت ص ۱۷۵ مولانا محمد ظفر الدین صاحب

تذوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۲ء

(۲) سورہ الطلاق ۱ ع

نفقہ کے سلسلہ میں حضور اکرم کا ارشاد گراں ہے ۔۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ  
بِاسْمِهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَنَحْوِهَا لَيْلَى مَالِكِيَّةٌ وَدُلْرَى أَلَمَّا اخَذَتْ مِنْهُ  
أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عَتَبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ وَهْلًا يَحْلُمُ فَقَالَ خَذِي مَا يَكْفِيكِ وَلَدَكَ بِالْمَعْرُوفِ ( ۱ )  
( محمد بن مثنیٰ یحییٰ ہشام اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انہوں  
نے بیان کیا کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اور  
مجھ کو نہیں دیتا ہے جو میرے بچوں کو کافی ہو مگر وہی جو میں اس میں سے اس کی لا  
علیٰ میں لے لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا جس قدر میرے بچوں کو کافی ہو اس میں سے بقدر  
ضرورت لے لیا کرو ۔

اس حدیث کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ رسول اکرم نفقہ  
کی ادائیگی کو جس قدر اہم خیال فرماتے تھے اور باوجود اس کے کہ شوہر کے مال میں سے  
بغیر اجازت لینا منع ہے لیکن اس صورت میں کہ شوہر نفقہ ادا نہ کرے تو بیوی کو صرف  
بچوں کی ضرورت کے لئے لے سکی ہے اس کا آپ کو اس قدر اہتمام تھا کہ آپ اس کا اتنا خیال  
فرماتے ۔ اگر کوئی مرد اس قابل نہ ہوتا کہ وہ نفقہ ادا کرسکے تو " مال فی " سے اس کے  
اہل و اعیال کی ضروریات پورا فرمادیتے علاوہ مجاہدین کے مال بچوں کا نفقہ بھی مال فی  
ہی میں سے قرر فرما دیتے ۔ جس دن بھی آپ کے پاس فی کا مال آتا اس کو اسی وقت  
تقسیم فرما دیا کرتے تھے ۔

حضور کے وصال کے بعد صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کا بھی یہی معمول  
تھا کہ اس مال کے نفقات اسی طرح قرر فرماتے جس طرح حضور کے زمانے میں قرر  
ہوتے تھے کیونکہ قرآنی احکام کی رو سے یہ مال حضور کی ملکیت قرار دیا گیا ہے اور آپ

جس طرح سے چاہتے اسکی تقسیم فرما دیا کرتے لیکن آپ کو <sup>انت</sup>وجہ کی ضروریات کا ہر وقت خیال رہنا تھا اور ہر ممکن طریقے سے انکی ضروریات کو پورا فرماتے تاکہ وہ آسودہ <sup>ہیں</sup>پائمنے - کیونکہ انکی آسودگی ہی کسی ریاست کو فلاحی بناسکتی ہے -

### بے روزگاری

جس طرح ایک فلاحی ریاست کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مؤدوروں کی بھی کفیل ہو اور ان کے لئے روزگار مہیا کرے -

حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے زبردستی بلا معاوضہ کام لے یا معذور اور بوڑھوں کو کام کرنے پر مجبور کرے بلکہ جو لوگ کام کرتے کے قابل ہوں انکو حسب صلاحیت کام مہیا کرنے کی کوشش کرے اور جب تک اسکو اسکی صلاحیتوں کے مطابق کام نہ مل سکے اسکی کفالت کا فرض ریاست پر عاید ہوتا ہے -

(۲) قرآن مجید میں ایسے بے روزگار مؤدوروں کے لئے "تقیر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے - یہ مؤدور دیکھنے میں توانا و تندرست معلوم ہوتا ہے اور اسکی دیانت پر بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا لیکن ناسازگار حالات نے اسکو بے روزگار بنا رکھا ہے اس کے علاوہ تقیر کا لفظ ایسے بے روزگار طبقہ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے جو ظلم سے بچنے کے لئے وطن سے بے وطن ہوگیا ہو تقیر کا لفظ ایسے بے روزگار مؤدوروں پر بھی صادق آتا ہے جو جنگ کی وجہ سے بے روزگار ہوگئے ہوں (۳)

فقرا کا لفظ ان مسلمانوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جنہوں نے قریش کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے مدینہ میں پناہ لی تھی اور روزگار کے متلاشی تھے (۴)

(۱) اسلام کے معاشی نظریے جلد دوم ص ۴۲۶ محمد یوسف الدین ابراہیمہ حیدرآباد دکن

(۲) ایضاً ص ۴۲۴

(۳) ایضاً ص ۴۲۴

ص ۴۲۴

(۴) اسلام کے معاشی نظریے / محمد یوسف الدین - ابراہیمہ کتب کوچی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ —

لِلْفَتَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَوْالِهِمْ يَتَنَوَّنَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ  
وَرِضْوَانًا ( ۲۸ الحشر ع ۱ )

وہ مال ان مہاجر قیدیوں کے لئے ہے جو اپنے مال اور اپنے گھروں سے  
نکال دیئے گئے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کی تلاش میں ہیں —

اسے باروزگر قیدیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسلاف ریاست کے ذرائع آمدنی  
یعنی زکوٰۃ سے آپ کی مدد کی جانی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کی خوشحالی  
قائم رہے اور حقیقت میں غربا کی آسودگی اور خوشحالی پر معاشرہ کی خوشحالی منحصر  
ہے ۔ اے اللہ ! یہ عظیم کی فتح و پیروزی پر غور رکھئے ۔ یہ غلط  
کہ اعتقاد غلط و احمق کہ قلم " معاشرہ کی اصلاح " بلکہ کی سرکشی

خلافت کے نزاع میں (۲)

خلافت کا اہم ترین فرض امن و امان قائم رکھنا ہے جس کے بغیر

صحیح معنوں میں حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ صرف ایسا کلام جو انسانوں کی معاشیات  
کے لئے معذور نہیں کرتے بلکہ ان کی بھلائی تعلیم بھی نہیں دے سکتا۔ معاشرہ میں امن قائم کریں۔

( ۱ ) اسلام کے معاشی نظریے - محمد یوسف الدین - ابراہیم کتب گراہی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء  
ص ۷۲۷

( ۲ ) سلطانوں کے سیاسی افکار ص ۱۰۰ پروفیسر رشید احمد - ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۳۶۱ھ



لِلْفُقَرَاءِ الْمَعَاجِرِينَ الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاٰوَالَهُمْ بِتُنُوْنٍ فُضِّلَ مِنْ اِلٰهٍ وَّرِضْوَانًا  
( ۲۸ الحشر ع ۱ )

وہ مال ان مہاجر قبیروں کے لئے ہے جو اپنے مال اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے  
ہیں اور اب تک کے فضل اور اس کی رضامندی کی تلاش میں ہیں -

اسے یا روزگار قبیروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسلاف و باپوں کے ذرائع  
آمدنی یعنی زکوٰۃ سے آپکی مدد کی جاتی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کی خوشحالی  
تایم رہے اور حقیقت میں غربا کی آسودگی اور خوشحالی پر معاشرہ کی خوشحالی منحصر  
ہے -

#### یتیموں اور یتیموں کے وظائف

یہ معاشرہ کا سب سے زیادہ بے بس طبقہ ہے والدین کے مرنے کے  
بعد بچے بالکل بے سہارا ہو جاتے ہیں اور شوہر کے مرنے کے بعد عورت اپنے بیوی کے  
دن معصوم بچوں کی نگہداشت میں وقت گزاری ہے ان کی مدد اور دستگیری خدا اور  
رسول کا پسندیدہ عمل ہے - اسلاف حکومت بیت المال سے اس مظلوم طبقہ کی مدد  
کرتی ہے اور اس طبقہ کے لئے وظائف قرار کرتی ہے تاکہ یہ باعزت طریقہ سے زندگی  
گزار سکیں - متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا  
ہے کہ جو مال تمکو ملے وہ ان لوگوں میں تقسیم کرو -

وہ بچہ جو شعور کی آنکھ کھولنے سے پہلے ہی باپ کی محبت و  
شفقت سے محروم ہو جائے اسکو یتیم کہتے ہیں اور یہ بچہ پوری سوسائٹی کی محبت و  
شفقت کا مستحق ہوتا ہے لیکن بعض اعزا و اقارب اس کے ساتھ وہ حسن سلوک روا نہیں  
رکھتے جسکا وہ مستحق ہے اسکا مال غصب کرنے کی فکر میں دھتے ہیں اس کے والی ہنر

اسکی ملکیت کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتے ہیں اور یتیم لڑکھوں کو اس نہت سے اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ انکے مال ہو قبضہ کر لیں عرب میں تو یہاں تک ظلم ہوتا تھا کہ انکو وراثت سے بھی محروم کر دیا جاتا تھا اور اولاد زینہ وراثت کی مستحق ہوتی تھی (۱) اور نہ چھوٹے بچوں کو وراثت میں شریک کرتے تھے اگرچہ دوسرے مذاہب میں یتیموں کے ساتھ رحم دلی کے سلوک کی تلقین کی گئی ہے (۲) اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے یتیموں کے حقوق کو ادا کرنے کی شدت سے تلقین کی ہے چنانچہ دوسرے احکامات کی طرح یتیموں کی خبرگیری ان کے حقوق کی ادائیگی پر بڑی شدت سے تلقین کی ہے - مندرجہ ذیل آیات اور احادیث میں نبائی کے حقوق کی ادائیگی ان سے سلوک و محبت اور اس کے اجر کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے مال کے نسب کرنے کو گناہ بتایا ہے -

سورہ نسا کی ایک آیت میں ارشاد خداوندی ہے -

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرُكُوا بِهِ شَيْئًا وَالَّذِينَ احْسَنُوا بِنَدَى الْقَرَبِ وَالْبَتَانِ

والمساكين - (۴)

اور لوگو اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ نہ کہ برتاؤ کرو -

یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے -

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اسے طریقہ سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائیں -

(۱) دین رحمت ص ۱۲۵ شاہ معین الدین احمد ندوی - مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۸۶ھ

(۲) سیرت النبی ص ۲۸۴ سید سلیمان ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ

۱۹۶۶ء

۱۹۶۱ء

(۳) ایضاً ص ۲۸۸

(۴) سورہ نسا رکوع ۶

(۵) سورہ النعام رکوع ۱۹

یٰٰمَنِّیْنَ بَلْکَہُ سُوْرَةُ نَسَاۃً مِّنْ اَسْطُوْرَہِ اَشَارَہُ کَمَا کَانَ ہُوَ کَہُ عَلٰی کَلَمَہِ اَحَدٍ حَوَالِہِ کَوْنِہِ  
اَحَدٌ اَحَدٌ مَّا کَانَ سِوَاہِ اَحَدٍ ہُوَ حَالِہِ کَوْنِہِ مَقْصُوْدُہُ ۔

وَاتَوَالِبْنٰی اِوَالِہِمۡ وَلَا تَنْہٰۤیۡ نُوْرَ الْخِیۡثِ بِالطَّبِیۡبِ وَلَا تَاۡکُلُوْا اٰوْرَ لَہِمۡ اِلٰی اِوَالِکُمۡ  
اِنَّہٗ کَانَ حَوْبًا کَبِیْرًا ؕ ( ۱ )

اور یتیموں کا مال انکے حوالے کر دو ان کے اچھے حال کو اپنے برے حال سے  
نہ بدلو اور نہ انکے حال میں اپنا مال ملا کر کھاؤ یہ بہت بڑا گناہ ہے ۔  
اس کے علاوہ اگر کوئی یتیم لڑکی کسی کی کفالت میں ہو ھ تو اسکے حال پر  
قبضہ کرنے کے لئے اس سے نکاح کر لیا کرتے تھے اسکے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے منع  
فرمایا کہ اگر تم ان کے مال کی وجہ سے نکاح کرتے ہو " یہ سخت گناہ کی بات ہے  
اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تم کسی دوسری لڑکی سے شادی کرلو ۔  
احادیث نبوی میں تباہی کی پرورش اور حسن سلوک کے متعلق جو ارشاد فرمایا  
ہے وہ مندرجہ ذیل ہے ۔

عَنْ اَبِی ہُرَیْرَہٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ خَیْرُ بَیۡتٍ فِی الْمُسْلِمِیۡنَ بَیۡتٌ

فِیہِ یَتِیْمٌ یَّحْسِنُ اِلَیْہِ وَ شَرُّ بَیۡتٍ فِی الْمُسْلِمِیۡنَ بَیۡتٌ فِیہِ یَتِیْمٌ یَّسَاۡ اِلَیْہِ وَ اَبْنٌ یَّاجِدُہُ (۲)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ  
ہے جس میں یتیم ہو اور گھر والے اس سے اچھا سلوک کرتے ہوں اور سب سے برا گھر وہ ہے  
جس میں یتیم ہو اور گھر والے اس سے برا سلوک کرتے ہوں ( ۲ )

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ہے ۔

(۱) سُوْرَةُ النِّسَاءِ  
ع ۱۴

(۲) مَشْکُوٰۃُ الْمَصَابِیِحِ جِلْدِ دُوۡثَمِ ص ۲۳۱ کِتَابُ الشَّقَدَہِ وَالرَّحْمَۃِ عَلٰی الْخَلْقِ

حد ثنا عبد اللہ بن عبد الوہاب قال حد شنی عبد العزیز بن ابی حازم قال حد ثنی ابی  
قال سمعت سهل بن سمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال انا و كافل اليتيم في الجنة  
هكذا وقال باصبصيه السبابة والوسطى

عبد اللہ بن عبد الوہاب عبد العزیز بن ابی حازم ابو حازم سهل بن سعد  
نہی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی نگرانی  
کرنے والے اس طرح قریب ہونگے اور آپ نے سپاہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے  
اسکی نزدیکی بتائی (۱)

تھوڑے سے فوق کے ساتھ اس حدیث میں تباہی سے حسن سلوک اور شفقت کرنے  
والے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ۔

عن ابی امامہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مسح راس یتیم لم یسحہ  
الا اللہ کان لہ بکّل شجرة یسّر علیہا حنات و من احسن الی یتیمہ اوتیم عندہ کنت  
انا ہونی الجنة لکھا تیس و تون بین اصبعہ (رواہ احمد و ترمذی) ابو امامہ سے روایت ہے  
آنحضرت نے فرمایا جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اسکو ہر اس مال کے بدلے  
نیکی ملے گی جسپر وہ ہاتھ حس ہوا ہے اور جس نے یتیم لڑکی اور یتیم لڑکے کے ساتھ  
احسان کیا وہ اور میں جنت میں اتنے قریب ہونگے جتنی یہ دو انگلیاں آپ نے اپنی دونوں  
انگلیوں کو ملا کر دکھایا (احمد ترمذی) (۲)

(۱) بخاری شریف جلد سوئم ص ۳۶۲ کتاب الاداب - محد سعید اینڈ سنز تاجران کتب  
کراچی

(۲) مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم ص ۳۳۱ کتاب القفہ

فرمان خداوندی اور ارشاد نبوی کو پڑھ کر لوگوں کے دل موم ہو گئے سختی کی جگہ

نوی ہے رحمت کی جگہ رحم دلی - تنگ نظری کی جگہ فراغ دلی نے لے لی اب یہ حال

نہی کہ ہو صحابی کا گھر یتیم خانہ تھا (۱) ہر شخص یتیم کی کفالت کے لئے کوشاں

تھا حضرت عائشہ صدیقہ <sup>ؓ</sup> مہاجرین اور انصار کی لڑکیوں کو اپنے گھر لہجا کر انکی

دیکھ بھال کرتیں اور ان پر شفقت فرماتیں - (۲)

یتیموں کی پرورش و نگہداشت صرف انفرادی ہی نہ تھی بلکہ ریاست کی آمدنی کے جو

ذرائع تھے اس میں سے بھی انکے وظائف مقرر کئے جاتے - جسکا اشارتاً تذکرہ <sup>اور</sup> کیا جا

چکا ہے چنانچہ قرآن شریف میں پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ خمس میں یتیموں کا

حق ہے -

واعلموا انما غنمتم من شیء فان الله خمسہ و للرسول ولذالعرین والتہای والمساکین

السیبل ء (۲)

اور مسلمانو جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت جنگ میں حاصل ہو اسکا پانچواں

حصہ خدا اور رسول کا ہے اور قریبداروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔

غنیمت من شیء اس بات کی کھلی ہوشی دلیل ہے کہ جنگ میں جو چیز بھی

بطور مال غنیمت ہے اس میں پانچواں حصہ جو اللہ اور رسول کا حق ہے اس میں یتیم

کا بھی حق ہے اس آیت سے یتیم کی پرورش <sup>اور</sup> کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے

(۱) دین رحمت ص ۱۵۲ شاہ معین الدین احمد ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ  
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

(۲) یہ تفصیل موطا امام مالک اور مسند احمد جلد ۶ ص ۲۶۹ میں ملتی ہے۔ باب احوال

الیتیم وغیرہ میں

(۳) دین رحمت ص ۱۵۲ شاہ معین الدین احمد ندوی - مطبع معارف اعظم گڑھ  
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

(۴) سورہ انفال ۵ ع

صرف اسلام نے بھی نہیں کیا کہ مال غنیمت میں انکو حصہ دار بنایا بلکہ

جہان جہان اور جس جس ملک میں اسلام نے توحید کا نعرہ بلند کیا اس مظلوم طبقہ کے لئے یتیم خانے بھی تعمیر کرائے ان کے وظائف مقرر کئے اور انکی تعلیم کا انتظام کیا تاکہ ان کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ آج بہت سے یورپیہ ممالک میں بہت سے یتیم خانے اسلام کی یاد تازہ کرتے ہیں نہ صرف یورپ میں ممالک بلکہ ہندوستان میں بہت سے ایسے شہر ہیں جہان یتیم خانے یتیموں کی کلا کالت کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں۔ ان میں یتیموں کی پرداخت کا خاص طور پر خیال کیا جاتا ہے یہ صرف اسلام ہی کا طرہ امتیاز ہے ورنہ آج بھی اس مظلوم طبقہ کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو عرب میں عہد جہالت میں ہوتا تھا۔

عورتوں میں مظلوم طبقہ بیواؤں کا تھا شوہر کے مرنے کے بعد اسکی زندگی تاریک ہو جاتی تھی عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ عورت شوہر کے توکے سے محروم کر دی جاتی تھی نہیں بلکہ شوہر کے عزیز و اقارب جسمین قسم کا سلوک چاہتے کرتے تھے اور اسکو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق دوسری شادی کر سکے۔ (۱) یہودی مذہب میں یہ چیز باعث فخر سمجھی جاتی کہ بھائی کے مرنے کے بعد بیوی دوسرا بھائی اسکی بیوہ کو اپنی ملکیت میں لے لیتا اور اس سے ہر طرح کے معاملات کر سکتا تھا اور عورت کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کا کوئی حق نہ تھا ہندو مذہب اس بڑی لعنت میں اس درجہ گرفتار تھا کہ اسکے وجود کو مضحکہ ہستی سے دنیا ایک مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا بیوہ شوہر کی جنا کے ساتھ ساتھ خود بھی

(۱) دین رحمت ص ۱۴۲ شاہ معین الدین احمد ندوی - مطبع معارف اعظم گڑھ

۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۵ع

(۲) سیرت النبی جلد سوئم ص ۲۹۶ سید سلیمان ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ

۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ع

جل کر ختم ہو جاتی تھی اگر زندہ رہنا چاہتی تو دنیا کی تمام آرائشوں زیبائشوں -  
راحتوں اور مسرتوں سے محروم کر دی جاتی تھیں دوسرا جہنم میں بیوہ کو منحوس سمجھا جاتا  
ہے اور کسی خوشی کی رسم میں اس کی شرکت گوارا نہیں کی جاتی -

لیکن جب اسلام آیا تو جہان اس نے دوسرے مظلوم طبقوں کے ساتھ  
ہمدردانہ سلوک کیا اس طبقہ کی طرف بھی توجہ کی - بیوہ ہونے کے بعد عورت کی  
ایک نسبت ضرور کی جس میں بیوہ دوسری شادی نہیں کر سکتی اس کی مصلحت یہ تھی کہ  
چار مہینے دس دن ایسے <sup>تربت</sup> ( ) میں یہ ظاہر ہو سکے کہ اس کے موحوم شوہر سے کوئی بچہ  
تو پیدا ہونے والا نہیں ہے - یہ مدت گزارنے کے بعد عورت کو یہ حق حاصل ہو جاتا  
ہے کہ خواہ وہ دوسرا نکاح کر لے یا اگر صاحب استطاعت ہے تو اپنے کسب بچوں کی  
باقاوت طریقہ سے پرورش کرے ایسی جوان بیوہ عورت جو اپنی نفسانی تم خواہشات کو  
محض بچوں کی اعلیٰ نگداشت کی خاطر زیر کرتی ہے اس کو نہ صرف لہذا دنیا میں عزت  
واستقام کی نگاہ سے نکل دیکھا جاتا ہے بلکہ آخرت کے اجر کی بھی مستحق ہوتی ہے -

اسلام نے شوہر کے ترکہ میں اس کا حصہ ضرور کیا ہے اگر شوہر کی اولاد  
موجود ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا ( ۱ ) اور اولاد نہیں تو چوتھائی حصہ ملے  
گا ( ۲ ) اس کے علاوہ حال غنیمت میں سے ان کے لئے وظائف ضرور کئے جائیں گے جن سے  
وہ اپنی اوو اپنے بچوں کی ضروریات زندگی پوری کر سکیں -

اسلام پہلا مذہب ہے جس میں جوڑا شادیوں کی نصیحت کی ہے اور اس کی  
توغیب دی ہے کہ سن رسیدہ مرد بیوہ عورتوں سے شادی کر کے ان کو بار بار شادمانی سے

( ۱ ) دین رحمت ص ۱۲۲ شاہ معین الدین احمد ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۸۵ / ۱۹۶۷ء

( ۲ ) سیرت النبی جلد ششم ص ۲۹۷ سید سلیمان ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

ہم آغوشِ کردہن اور احساسِ بیوگی کو ختم کر دیں -

خود حضور ﷺ کی قدسِ زندگی اس معاملہ میں علیٰ نحوہ ہے ازواج

ملہرات میں علاوہ حضرت عائشہ کے سب بیوہ تھیں۔ (۱) ان کی تفصیل مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی (جلد ششم) میں اس طرح کی ہے -

حضرت خدیجہ حضرت سودہ - زینب ام المساکین ام سلمہ جو بیوہ

ام حبیبہ - بیوہ صفیہ بیوہ تھیں (۲)

اسکے علاوہ صحابہ کرام کا عمل بھی ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے کثرت

سے بیوہ عورتوں سے شادیاں کیں دوسرے خود بہاؤں نے اپنے صحابی شوہروں کے بعد

دوسری تیسری شادیاں کیں - (۳)

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے -

الساعي على الارملة والمساكين كالجاهد في سبيل الله و كالذي يحوم النهار و يقوم الليل

بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے دن بھر

روزے رکھنے والے اور رات بھر نماز پڑھنے والے کے مثل ہے - (۴)  
اس انفرادی عمل کے ساتھ ساتھ جو اسلامی تعلیم کا آئینہ دار ہے اسلامی حکومت برائے بیت المال سے وظائف مقرر کرتی ہے اور بیواؤں کی شادی کا انتظام کرتی ہے -

(۱) اسلام کا نظام عفت و عصبہ<sup>۱</sup> مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۲ء

(۲) سیرت النبی جلد ششم ص ۲۹۹ سید سلیمان ندوی - مطبع معارف اعظم گڑھ

۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

(۳) اسلام کا نظام عفت و عصبہ ص ۱۲۱ مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۲ء

(۴) بخاری شریف - کتاب الاداب



ہر قوم پر معاشرہ میں ایسے معذور ، مسکین اور محتاج ہوتے ہیں جو بنیادی رورتوں سے محروم اور کسب معاش سے معذور ہوتے ہیں — اسلام نے انکی مدد اور ستگیری پر خاص توجہ دلائی ہے اور نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب بھی انکی مدد ستگیری کا حکم دیتے ہیں لیکن اسلامی تعلیم میں جو جامعیت ہے اور جس طرح اس نے اس سابقہ کی غریبیاں کے ہر پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے وہ کسی مذہب کی تعلیم بن نہیں ملتی — دوسرے مذاہب انکی مدد اخلاقی طور پر اور اجر و ثواب کی نیت سے کرتے ہیں لیکن مذہب اسلام تکمیل اخلاق اور اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست یہ بھی فرس دے کہ وہ انکی فلاح میں تعاون کرے — چنانچہ انکے لئے احوال غنیمت میں سے مقرر کئے گئے ہیں — جو مال غنیمت بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے ضرورت کے تحت اسلامی ریاست اسکو حاجت مندوں میں تقسیم کرتی رہتی ہے — چنانچہ غرباء مساکین پر معذوروں کا سب سے بڑا حصہ بیت المال میں ہے — ” جن پر دنیا کے ہر نظام حکومت نے اپنے دروازے بند کر دیئے ہیں اور اگر کچھ دیا بھی ہے تو بطور احسان دیا“<sup>۱</sup> لیکن اسلام کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس نے اس مظلوم طبقہ کے لئے اپنے ذرائع حکومت کا دروازہ نہ صرف کھولا بلکہ اسکو سب سے بڑا حقدار قرار دیا اور مملکت اسلامیہ نے انکی حیثیت کو تسلیم کر کے انکی بے کسی ، ناتوانی ، بے چارگی کو ختم کر دیا — قرآن مجید نے صاف الفاظ میں مال غنیمت کے مصارف کے سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ

واعلموا انما غنم من شیء فان الله خمسہ وللرسول ولذی القربى  
والیتامی والمساکین و ابن السبیل“

( اور جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت حاصل ہو اسکا پانچواں حصہ خدا کا رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے )<sup>۲</sup> —

اس کے بعد صدقات کے مصرف کے متعلق ایت جگہ ارشاد ہوتا ہے

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفہ قلوبہم  
و فی الرقاب والفرمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل فریفہ من اللہ واللہ علیم  
حکیم<sup>۱</sup>

( بیشک صدقات فقراء و مساکین کا حق ہے اور ان کا رکنون کا  
جو صدقات وصول کرتے ہیں اور جو لفہ القلوب کا اور صدقہ کے  
مال کو گردن چھرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے  
میں اور مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافروں پر صرف کیا جائے اللہ  
کا مقرر کیا ہوا فرس ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے )  
پھر ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا جو دولت مند ہیں نشہ میں سرشار غریبوں ،  
حتاجوں ، مسکینوں اور معذوروں کو بھوں جاتے ہیں ۔

وما افاء اللہ علی رسولہ من اصل القرۃ فللہ وللرسول ولذی القربی  
والیتہای والمساکین و ابن السبیل لایکون دولہ بین الاغنیاء<sup>۲</sup>  
( جو مال اللہ رسول کو بستیوں سے دلوائے وہ انکے لئے رسول کے  
لئے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تم  
جو لوگ دولت مند ہوں ان ہی میں یہ مال گردش نہ کرتا رہے )<sup>۳</sup>  
مندرجہ بالا حکم باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی آمدنی جو اسلامی  
یاست کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے اس میں بھی ان کا حق مقرر فرمایا گیا ہے ،  
مسکین<sup>۴</sup> وہ ہے جو انتہائی سکون کی حالت میں ہو<sup>۳</sup> امام بیضاوی تفسیر بیضاوی  
میں لکھتے ہیں کہ مسکین کا لفظ سکون سے مشتق ہے جسکو عجز نے مساکن کر دیا ہو۔<sup>۴</sup>

۔ توبہ ع ۶

۱۔ الحشر ع ۱

۱۔ دین رحمت ص ۱۵۶ شاہ معین الدین احمد ندوی معارف اعظم گڑھ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۷ء

۲۔ تفسیر بیضاوی جلد اول ص ۳۳۸ نولکشور تخیراً انما الصدقات للفقراء

اسی

مسکین وہ ہے جس کو بیماری، برہائے نے اس درجہ معذور کر دیا ہو کہ وہ اپنی گزر بسر کے لئے نہ کما سکتا ہو۔ ”اسلام کے معاشی نظریے“ میں جنگ میں اندھے، لولے، لنگڑا، اپاہج ہوجانے والے لوگوں کے لئے بھی مسکین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے<sup>۱</sup> اسی لئے اسلام نے معذوروں، اپاہجون کو امداد کو اسلامی ریاست کا فروع بتایا ہے بلکہ اس بات پر زور دیا ہے کہ انکو اتنا دیا جائے کہ وہ معذوری اور محتاجی کی پستی سے نکل کر آسودگی کے درجے تک پہنچ جائیں۔ اسلامی نظام حکومت یہ جزو لانیفک ہے کہ ناداروں، محتاجوں اور معذوروں کی ہر طرح سے مدد کا جائیگی۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی ہے تو افلاس میں بجائے کمی ہونے کے اور اضافہ ہوتا جائیگا اور معاشرہ ابتری کا شکار ہوجائیگا۔

چنانچہ ”اسلامی معاشرہ میں معذور، محتاج لوگ بھی روٹی کے دو نولوں کے لئے اپنی خودی نہیں بیچتے“<sup>۲</sup> مثلاً ”سرمایہ دارانہ نظام میں اس“ طبقہ نے دو نوالے روٹی کے لئے اپنی بہو بیٹیوں کی عصمت تک فروخت کر دی“<sup>۳</sup> لیکن اسلامی ریاست کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس نے اس نادار، لاچار بے کس اور مجبور طبقہ کی نہ صرف پوری امداد کی بلکہ انکو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچا کر کارآمد شہری بنایا۔

مذکورہ بالا آیات اسکی شاہد ہیں کہ اسلام نے اپنے فلاحی ریاستی نظام میں حاجت مندوں کی امداد کی طرف خاص توجہ کی ہے عنائم میں بھی ان کا حصہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلی عنیت جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ غرباء میں تقسیم فرمایا۔ بنو قیقاع<sup>۴</sup> کی عنیت تھی۔

۱۔ اسلام کے معاشی نظریے جلد ۲ ص ۷۲۹ محمد یوسف الدین مطبع ابراہیمہ حیدرآباد دکن

۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

۲۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۳۷۷ شاہد حسین رزاقی ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۷ء

۳۔ ایضاً ص ۳۷۶

۴۔ اسلام سیاست شرعیہ ص ۴۷۵ مولانا رئیس احمد جعفری ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۹ء

یہ پانچواں حصہ بیتالماں میں جمع کر دیا جاتا اور اسکے مصارف میں ناداروں ،  
 مون ، محتاجوں ، اور مسافروں وغیرہ کی دستگیری شام تھی ماں "فی" <sup>۱</sup> اور دیگر صدقات میں  
 ۔ اس طبقہ کا حصہ مقرر تھا "حس" کی آمدنی کا بھی ایک بڑا حصہ ملت ہی کے  
 الخ عامہ ناداروں ، یتیموں ، اور مسافروں کی امداد پر صرف ہوتا تھا ۔  
 ایک حدیث میں حضور نے مسکین کی مدد کرنے والے کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے  
 لے کی طرح بتایا ہے ۔

عبداللہ بن مسلم ، مالک ، ثوربن زید ، ابوالخیث عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ تال مال  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السماعی علی الارملہ والمسکین کالمجاهد  
 فی سبیل اللہ

( عبداللہ بن مسلم ، مالک ، ثوربن زید ، ابوالخیث ، حضرت ابوہریرہ سے  
 روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین اور  
 بیواؤں کے لئے محنت مزدوری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے  
 کی طی ہے "۳

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معذوروں ، غریبوں ، مسکینوں اور محتاجوں کے ساتھ اس درجہ  
 بت سے پیش آتے کہ انکو دولت کی محرومی کا احساس بھی نہ ہوتا ۔ سید سلیمان ندوی  
 لکھتے ہیں کہ

" ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کچھ روسائے قریش کے ساتھ محو گفتگو  
 تھے اور اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آنکھوں سے  
 معذور اور غریب تھا آگیا آپ نے توجہ نہ فرمائی کیونکہ آپ ان لوگوں کو  
 اسلام کو تعلیم دے رہے تھے تاکہ یہ لوگ اسلام کی سعادت قبول  
 کولیں انکے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ بات  
 پسند نہ آئی اور سورہ " عبس کی آیت نازل فرمائی جسکے الفاظ یہ تھے

۔ اسلام کے معاشی نظریے جلد ۲ ص ۷۱۹ ، محمد یوسف الدین ، مطبع ابراہیمہ حیدرآباد دکن  
 ۔ ان دونوں لفظوں کی تفصیل آمدنی کی مد میں گزر چکی ہے ۔ ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

۔ ایضاً " ص ۷۱۹

۔ صحیح بخاری شریف ص ۳۶۳ کتاب الاداب

” اے پیغمبر تونے منہ پھیر لیا وہ تیری توجہ کا مستحق ہے جو  
بے پروائی برتتا ہے اسکی طرف متوجہ ہوتا ہے نہین ہرگز نہین  
تجھے ایسا نہین کرنا چاہئے“<sup>۱</sup>

اس کے بعد حضور پر اتنا اثر ہوا کہ آپ نے ان کے کو اپنے ساتھ رکھا اور  
نہ صرف یہ بلکہ حرم میں لجا کر نماز پڑھاتے ، رؤسائے قریس انکی بد حالی کو دیکھ  
مذاق اُراتے آوازیں کستے لیکن آپ ان کے مذاق کو خوشی خوشی قبول کرتے<sup>۲</sup> ۔  
اس کے بعد آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ آپ مسکینوں کی ہر طرح سے مدد اور  
فرماتے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ و مسکین اور بیواؤں کے لئے محنت و مزدوری کرے  
اس سلسلے کی حدیث سطور بالا میں گزر چکی ہے کہ جس شخص نے ان کے لئے کچھ  
کام کیا گویا کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ۔

حضرت امّ یحید ( جو حضور سے بیعت کرچکی تھیں ) فرماتی ہیں کہ

” میں نے رسول خدا سے معلوم کیا کہ مسکین میرے دروازے پر آکر  
کھرا ہے اور میرے پاس اس وقت کوئی چیز نہین ہوتی کہ اسکو دے دوں  
ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے رسول خدا نے فرمایا کہ اگر  
تیرے پاس اسے دینے کیلئے کوئی چند جلی ہوئی روٹی کے علاوہ نہ ہو  
تو وہی دے دیا کو<sup>۳</sup> ۔

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ سائل کو کسی بھی حالت میں مایوس نہین کرنا  
چاہئے اور جو کچھ بھی ہو دے دیا جائے ۔

رسول اکرم، حضرت عائشہ کی اس طرح تلقین کرتے ہیں

” اے عائشہ کسی مسکین کو اپنے دروازے نامراد نہ پھیرو گو چھوڑے  
کا ایک ٹکرا ہی کیوں نہ ہو ۔ اے عائشہ عریبوں سے محبت رکھو

۱۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو سیرت النبی جلد اول ص ۲۹۷ سید سلیمان ندوی معارف اعظم گڑھ،

۲۔ ایضاً ” ص ۲۹۸

۳۔ ترمذی شریف جلد اول ص ۱۴۸ باب الزکواہ

انکو اپنے نزدیک کرو تو خدا بھی تمکو اپنے نزدیک کرے گا <sup>۱</sup>۔

اسلام نے ایک طرف تو حاجت مندوں کی حاجت روائی کی پورے شد و مد سے ترغیب دی ہے اور دوسری طرف دست سوال دراز کرنے اور پیشہ کے طور پر گداگری کی جو مت کی ہے وہ حضور اکرم کی احادیث کی روشنی میں صاف نظر آتی ہے۔

”حضور نے فرمایا کہ غنی اور توانا و تندرست کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے اور اگر غنی، توانا و تندرست سوال کرے گا تو قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ اس سوال خراشوں کی شکل میں اسکے چہرہ پر نمودار ہوگا <sup>۲</sup>۔

ک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ

حضور نے فرمایا کہ امیر، قوی تندرست بدن والے کے لئے مانگنا ہی درست نہیں ہاں جبکہ کوئی شخص محتاج اور حاجتمند ہو اور اسکے پاس کچھ نہ ہو تو بقدر کفایت اسکو دے دینا جائز ہے <sup>۳</sup>۔

ایک مرتبہ ایک حاجتمند صحابی نے آپ سے خیرات مانگی آپ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے انہوں نے جواب دیا ایک ثلث اور پیالہ ہے آپ نے اسکو منگا کر خود نیلام فرمایا اور اسکی قیمت سے کلہاری خرید کر سائل کو دی اور فرمایا جاؤ جنگل سے لکڑیاں کٹ کر بیچو انکی محنت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ انکی حالت اتنی بہتر ہوگئی کہ پھر انکو کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہوئی <sup>۴</sup>۔

اسلام اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اسکے معاشرے میں ابتری اور زبوں حالی پھیلے وہ ك خوشحال اور پرسکون معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے۔ معاشرہ کے ہر فرد کو اپنا ماجی فرض ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ایک طرف غربا کی امداد کا حکم دیتا ہے ر دوسری طرف دست سوائل دراز کرنے پوری قوت سے مذمت کرتا ہے ایک طرف امداد

۔ مشکواہ شریف باب فصل الفقراء ( بروایت ترمذی و بیہقی )

۔ ترمذی شریف ۔ جلد اول ص ۱۴۷ باب الزکواہ

۔ ایضاً ” ص

۔ ابوداؤد ۔ جلد دوم کتاب الزکواہ

ن اندازے سے کرنے کا حکم ہے کہ ایک ہاتھ کی دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔  
 دوسری طرف حاجت مند کو اس قدر غیور بنانا ہے کہ اسکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ  
 کی ناداری کا حال کسی کو نہ معلوم ہو۔ ایک طرف امیرالمومنین رات کی تاریکی  
 ن اپنے کاندھے پر آٹے کی بوری لیجا کر بھوکے بچوں کی گرسنگی رفع کرتا ہے تو  
 دوسری طرف مان بھوکے بچوں کو تسلی کے لئے ہانڈی میں پانی رکھ کر چولہے  
 رکھتی ہے کہ انکو تسلی ہو۔ لیکن غیرت اسلامی اسکو دست سوال دراز کرنے  
 سے روکتی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ  
 اسلامی ریاست ہی مکمل فلاحی ریاست ہوتی ہے۔

### اسلام میں زمینوں کے حقوق

اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے اس بناء پر کہ اس میں بحیثیت رعایا کے مسلم و  
 دوسلم کی کوئی تفریق نہیں اس سے زمینوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ ان کو خود اپنی  
 مذہبی حکومت میں بھی حاصل نہ تھے<sup>۱</sup>۔ بلکہ وہاں ان کی حالت غلاموں سے بھی  
 تر تھی ان کی حیثیت یہ تھی کہ خون پسینہ بہا کر حکام اور روساء کیلئے عیش و عشرت  
 سامان فراہم کریں اور اگر کوئی قصور سرزد ہو جائے تو وحشیانہ سزا کے مستحق قرار پائیں  
 کن اسلام کا فیضان یہ ہے کہ وہ زمینوں کیلئے بھی رحمت ہے اور اس کا حکم یہ ہے  
 اسلامی ریاست میں جس طرح مسلم آسودگی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں اسی  
 طرح غیر مسلم بھی سکون اور اطمینان سے رہیں اس کی تفصیل قرآن و حدیث دونوں میں  
 واضح طور پر موجود ہے اور انکے حقوق کی وضاحت بھی پوری طرح کردی گئی ہے۔  
 حقوق کی وضاحت کرنے سے پہلے ذمی کی تعریف کر دینا ضروری ہے۔ اسلامی ریاست

---

۱۔ دین رحمت ص ۲۳۶ شاہ معین الدین احمد ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۷ء/۱۳۸۶ھ

کی غیر مسلم رعایا کو اسلامی اصطلاح میں دمی نہتے ہیں یعنی جنہوں نے خدا اور رسول سے جنگ کی اور پھر حق سے شکست کھا کر اسلامی حکومت کی حفاظت پر مجبور ہوئے اہل فقہ ان کو اپنی اصطلاح میں اہل عنہ<sup>۲</sup> کہتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں ذمیوں کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) جو کسی معاہدے کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کے تابع ہوئے ہوں۔

(۲) وہ جو بزور شمشیر مغلوب ہوئے ہوں۔

(۳) وہ جو نہ مفتوح ہوں اور نہ جن سے کوئی باقاعدہ معاہدہ ہی ہوا ہو۔<sup>۳</sup>

اسلام چونکہ سرار رحمت ہے اس نے غیر مسلموں کو جو حقوق دئے ہیں اس کی

نظیر اس سے پہلے کسی نظام حکومت میں نہیں ملتی ان حقوق کی اہمیت خدا اور

رسول کے احکام کی روشنی میں واجبات اور غلہ فرائض کی سی ہے اس لئے ان کے حقوق

کی ادائیگی ضروری ہے اگر کسی کے حق کو تلف<sup>۴</sup> ہوگا تو اسلامی ریاست نہ صرف اس

زمین پر جواب دہ ہوگی بلکہ خدا تعالیٰ کے سامنے بھی مواخذہ ہوگا۔ جتنے حقوق خدا

اور رسول کی طرف سے عطا ہوئے ہیں اس میں شہہ برابر کمی کرنے کا حق بھی اسلامی

حکومت کو حاصل نہیں۔ حقوق میں اضافہ تو کرسکتی ہے لیکن کم نہیں کرسکتی۔<sup>۵</sup>

قرآن کریم میں ان لوگوں کے متعلق اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں۔

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ لَمْ يَلْقَاوْا كُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخَيِّرْ كُمْ مِنَ

دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَلِحُسْطُوَالِيهِمْ أَنْ تَتَّخِذُوا عَلَيْهِمُ الْحَرْبَ وَاللَّهُ يَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ

يَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ

ان تُولُوهُمْ وَمَنْ يَتُولَهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ<sup>۵</sup>

(اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ

۱۔ اسلامی ریاست ص ۲۷ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیشر لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۲ء

۲۔ اسلامی ریاست غیر مسلموں کے حقوق ص ۳۲ مولانا امین احسن اصلاحی جماع اسلامی ۹۵ء

۳۔ اسلامی ریاست ص ۲۴۲ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیشر لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۲ء

۴۔ اسلامی ریاست غیر مسلموں کے حقوق ص ۳۳ مولانا امین احسن اصلاحی مکتبہ جماعت اسلامی

۱۹۵۰ء

۵۔ سورہ ممتحنہ ع ۱



نیکی اور انصاف کا برتاؤ کو جنھوں نے دین کے معاملہ میں  
 تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھارے گھروں میں سے نہیں  
 نکالا ہے اللہ انصاف کرنے والوں کو بلند کرتا ہے وہ تمھیں جس  
 بات سے روکتا ہے وہ توبہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو  
 جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمھیں  
 تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے اخراج میں ایک دوسرے  
 کی مدد کی ہے ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں ۔)

سی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے ۔

”الا من ظلم معاہدا او استقصہ او کلفہ فوق طاقته او اخذ منه شیئا“  
 بغیر طیب نفس فانا حجیجہ یوم القیامہ ۔

(خبردار جو کسی معاہدہ (غیر مسلم) پر ظلم کریگا یا اس کے  
 حقوق میں کمی کریگا یا طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اس کی  
 مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لیگا تو قیامت کے دن میں اس  
 کا دعویدار بنونگا ۔)

قرآنی ارشادات اور حدیث نبوی سے یہ بات ثابت ہے کہ ذمیوں کے حقوق کا کس قدر

حفاظت کیا گیا ہے اس کا اندازہ ان معاہدوں سے بخوبی ہوتا ہے جو کتب تواریخ میں  
 محفوظ ہیں ان میں اہل نجران کا معاہدہ<sup>۲</sup> ، بیت المقدس کا معاہدہ<sup>۳</sup> ، جرجان کا معاہدہ<sup>۴</sup> ،  
 ذریعجان کا معاہدہ<sup>۵</sup> ، ماہ دینار کا معاہدہ<sup>۶</sup> ، تونس کا معاہدہ<sup>۷</sup> ، آرمینہ کا معاہدہ<sup>۸</sup>

غیرہ ہیں جن میں جو حقوق متعین کئے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ زور  
 جان و مال کے تحفظ پر دیا گیا ہے ان سب معاہدوں کی روح یہ ہے کہ ذمیوں کے

۱۔ مشکواہ شریف باب الصلح ص ۳۵۴ رواہ أبوداؤد

۲۔ الفاروق حصہ دوم ص ۶۶۔ ۱۶۵ شبلی نعمانی ، معارف اعظم گڑھ

۳۔ ایضاً ” ص ۱۴۹ ”

۴۔ دین رحمت ص ۴۳ ، ۴۲ ، ۲۴۰ ، ۲۳۷ ، شاہ معین الدین احمد ندوی ، معارف اعظم گڑھ

۵۔ الفاروق حصہ دوم ص ۱۶۸ ، مطبع معارف اعظم گڑھ

ان و مال کا تحفظ کے ساتھ ان کو ان کی زمین جائداد وغیرہ سے محروم نہ کیا  
 ائے نہ صرف مذہبی تعلیم کی اجازت مذہبی ادب کی اشاعت کی آزادی ہوگی اور  
 ہبی رہنما اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے ، بتوں کو نقصان نہ پہونچایا جائیگا ۔ ان  
 کسی فوجی خدمت کے لئے مجبور نہ کیا جائیگا ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائیگی ۔  
 کے پرسنل لا میں تبدیلی نہ کی جائیگی ، انہیں اجازت ہوگی کہ وہ اپنی مذہبی  
 سوم آزادی کے ساتھ ادا کرسکیں گے ۔ اس طرح نکال و طلاق کے معاملہ میں بھی وہ  
 لکل آزاد ہوں ۔ ا کے معاملات و مقدمات میں انصاف کرتے وقت کوئی امتیاز نہ برتا  
 ائیگا ۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائیگا ۔ نہ ان پر عشر لگایا جائیگا ۔ معاشی  
 دگی میں ان کو وہی مواقع حاصل ہونگے جو مسلمانوں کو حاصل ہوں ۔ بیت المال میں  
 سلمان کی طرح ذمی بھی حقدار ہے ، خون کا بدلہ ہر حالت میں خون ہی سے  
 ا جائیگا حواہ قاتل مسلمان ہو یا ذمی ۔

ایک موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا ۔

ان کے جارے گرمی کے کپے ان کے کھانے کے سامان اور ان کے جانور  
 جن سے وہ کھیتی باری کرتے ہیں خراج وصول کرنے کی خاطر ہرگز  
 نہ بیچنا نہ کسی کو درہم وصول کرنے کیلئے کوڑے مارنا نہ کسی کو  
 کھرا رکھنے کو سزا دینا نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا  
 کیونکہ ہم ان کے حاکم بنائے گئے ہیں تو ہمارا کام نرمی سے وصول  
 کرنا ہے ۔ اگر تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا تو اللہ میرے بجائے  
 تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہونچی تو  
 میں تمہیں معزول کردونگا ۔<sup>۱</sup>

جزیہ کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اس کی وصولیابی کے سلسلہ میں کسی قسم کی

سختی نہ کی جائے کی بلکہ محصل نرمی کے ساتھ وصولیابی کا کام کرے۔<sup>۱</sup> جزیہ صرف ایسے عاقل و بالغ لوگوں پر لگایا جائیگا جو فوجی خدمت کے قابض ہوں۔ نابالغ بچے، عورتیں، بوڑھے مسکین، بیمار، اندھے، گنجرے، غلام و عیرہ جزیہ کے ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے۔<sup>۲</sup> نادار مذہبو پیشواؤں کو بھی اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔<sup>۳</sup>

اگر کوئی ذمی فوجی خدمت انجام دینا تو جزیہ معاف کر دیا جائیگا یا اگر کسی ذمی نے اپنی اہلیت سے ریاست کو کوئی فائدہ پہنچایا تو جزیہ سے مستقل طور پر بری کر دیا جائیگا چنانچہ ”حضرت عمرؓ کے عہد میں قاہرہ سے بحرا حمر تک جو نہر نکالی گئی اس کے نقشہ کی تیاری میں جس ذمی نے مدد دی تھی اس کو جزیہ سے بری کر دیا گیا تھا۔“<sup>۴</sup>

جان کی حفاظت۔

مولانا شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ حقوق میں سب سے مقدم حق قصاص کا ہے یعنی قتل و خون کے معاملے میں فاتح اور مفتوح کے حقوق برابر سمجھے جائیں۔<sup>۵</sup> ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کریگا تو قصاص اسی طرح لیا جائیگا جس طرح مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا لیکن آجکل کی بہت سی حکومتیں جو تہذیب و تمدن کا گہوارا ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں انصاف میں امتیازی سلوک اس لعنت میں بری طرح گرفتار ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے ان متمدن ممالک میں قتل کی وارداتوں کی تعداد بہت عبرتناک ہے۔ ایک مشہور روایت ہے ”صاحب کی ٹھوکر قلی کی قلی پھاڑ دیتی ہے صاحب کا سفر جاری رہتا ہے اور قلی سفر آخرت اختیار کر لیتا ہے۔“<sup>۶</sup> لیکن اسلام کا انصاف یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان

۱۔ اسلامی ریاست غیر مسلموں کے حقوق ص ۳۷ مولانا امین الحسن اصلاحی جماعت اسلامی ۱۹۵۰ء

۲۔ اسلام کا نظام امن ص ۱۸۴ محمد ظفر الدین مفتاحی، مفتاح العلوم اعظم گڑھ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء

۳۔ اسلام کا نظام محاصل ص ۳۸۳ محمد نجات اللہ، مکتبہ چراغ کراچی، ۱۹۶۶ء

۴۔

۵۔ مقالات شبلی، حصہ اول ص ۱۹۳، علامہ شبلی نعمانی، مطبع معارف اعظم گڑھ

۶۔ اسلام اور رواداری حصہ دوم ص ۳۲۳، مولانا رئیس احمد جعفری ندوی، ادارہ ثقافت

اسلامی، ۱۹۵۹ء

کسی ذمی کو قتل کر دیتا ہے تو اس کی گردن بھی سلامت نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اسلامی ریاست میں ایک شہری کی حیثیت سے غیر مسلم کو وہی حق حاصل ہے جو ایک مسلم کو اور اسلام نے قتل کو سزا قصاص مقرر کی ہے۔ النفس بالنفس ”جان کے بدلے جان“ اگر کوئی مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے یا اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کو قتل کرتا ہے تو بھی اس سے قصاص لیا جائیگا۔ چند مثالیں مزید وضاحت اور سند کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

احکام القرآن جلد اول میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

یوجب القتل بالذی اذلم یفرق شیء<sup>۱</sup> منها بین المسلم والذی و. قولا  
تعالیٰ (کتب علیکم القصاص) عام فی الكل ولیس فی الایہ فرق بین المسلم  
والکافر و جباجرا حکمها علیها۔

(مقتول ذمی کے بدلے میں قاتل مسلمان کا قتل واجب ہے کیونکہ عام حقوق میں ایک ذمی اور مسلمان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے اور قصاص کے واجب ہونے کا حکم عام ہے۔ سب میں اس آیت کریمہ کی رو سے عام معاملات میں ایک کافر اور مسلمان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے قصاص کا حکم دونوں کیلئے جاری ہوگا<sup>۱</sup>۔

مقالات شبلی کے حوالے سے دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے قصاص کی

اہمیت کی مزید وضاحت ہو جائیگی ایک روایت ہے کہ

قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی انھوں نے لکھ بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ قاتل حسنین نام کے ایک شخص کو جو مقتول میں تھا سپرد کر دیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا<sup>۲</sup>۔

۱۔ احکام القرآن جلد اول ص ۱۶۴ مطبوعہ مصر

۲۔ مقالات شبلی حصہ اول ص ۱۹۴ علامہ شبلی نعمانی، مطبع معارف اعظم گڑھ

حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی اس کی مزید وضاحت کوتا ہے ۔

من کان له ذمتنا فدمه كدو دینه کریتنا  
( یعنی جو لوگ ذمی ہوچکے ان کا خون ہمارا خون ہے )  
اور ان کا خون بہا ہمارا خون بہا ہے<sup>۱</sup> ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے اسلامی ریاست میں ذمیوں کی جان کی حفاظت کا کتنا اہتمام کیا ہے ۔ اس کے قاتل کے لئے اتنی بری وعید ہے کہ وہ جنت کی خوشبو سے محروم کر دیا جائیگا ۔ چنانچہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر مسلم کی جان کا تحفظ اس طرح کرے جس طرح کسی مسلمان کی جان کا کوتا ہے ۔  
مال کا تحفظ ۔

ذمیوں کی املاک کی حفاظت ان کی جانوں کی حفاظت کی طرح کی جاتی تھی ۔ اس میں کوئی مسلمان تصرف نہیں کرسکتا تھا ۔ اگر کوئی ملک فتح ہوتا تو اس کی زمین انہیں لوگوں کے قبضہ میں رہنے دی جاتی تھی صرف اس پر ٹیکس عائد کر دیا جاتا تھا اور ذمیوں پر کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق باقی رہتے اور اسلامی ریاست کے کسی بھی حاکم کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اس زمین پر قبضہ کر لے ۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کو پالنے کے لئے حضرت عمرؓ سے ایک زمین کی درخواست کی آپ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی ملکیت نہ ہو اور اس میں ان کی نہر اور کنوین سے پانی نہ آتا ہو تو سائل کو دیدی جائے<sup>۲</sup> ۔ اسی طرح خلیفہ منصور عباسی نے جب بغداد کو دارالخلافت بنانا چاہا تو قرب و جوار کی زمینوں کے مالکوں کو قیمت دیکر زمین لی گئیں<sup>۳</sup> ۔ ان کے مال کے تحفظ کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کے یہاں مہمان ہو کر جاتا تو ذمی چوبیس گھنٹہ تک اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیتا تھا لیکن اگر

۱۔ مقالات شبلی حصہ اول ص ۱۹۴ علامہ شبلی نعمانی، مطبع معارف اعظم گڑھ

۲۔ ایضاً ص ۱۹۸

۳۔ اسلامی ریاست ذمیوں کے حقوق ص ۴۷، امین احسن اصلاحی، مکتبہ جماعت اسلامی، ۱۹۵۰ء

سلمان بارش بیماری یا کسی اور وجہ سے رک جاتا تو مزید قیام کے ملطف خود برداشت کرتا۔

اَنَا جَعَلْنَا اَيْضًا فِهْ عَلٰى اَصْلِ التَّوَادِ يَوْمًا\* وَلِيَهْ وَاَنْ حَبْسَهْ مَطَر

او مرض الفق من ماله و كايصرى من طعام او علف -

( ہم نے اہل عراق پر وف ایک دن رات کی ضیافت لازم قرار دی ہے )

اور اس میں کھانے اور چارہ سے زیادہ لینے کا کچھ حق نہ ہوگا

اگر کسی کو بارش یا بیماری کیوجہ سے زیادہ رکنا پڑے تو وہ اپنے پاس

سے خن کرے -

غرضکہ ان تمام باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مال ان کی اجازت کے بغیر

نہیں لیا جاسکتا اور اس کی حفاظت مسلم کیلئے ضروری ہے -

### مذہبی آزادی -

بعض یورپین مورخوں نے اسلامی ریاست پر یہ بہتان باندھا ہے کہ اسلامی ریاست

میں غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کی حفاظت نہیں کی جاتی بلکہ انکو پامال کیا جاتا ہے

لیکن یہ حقیقت کے بالکل خلاف اور بے بنیاد ہے کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام شروع

ہی سے بھلائی اور نیکی کا سرچشمہ رہا ہے جب اس نے ذمیوں کے جان و مال کا

تحفظ کیا تو کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں مذہبی حقوق کو پامال

کیا جائیگا خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمیوں کے قتل کے بدلے قتل کا حکم

دیا اور ذمیوں کے قبضہ کرنے پر مخالفت کی ہے تو کیا یہ یقین کیا جاسکتا ہے اسلامی

ریاست میں جس کے اصول خود رسول اکرم کی حیات اقدس میں مرتب ہوچکے تھے غیر

مسلموں کو مذہبی آزادی نہ دی گئی ہوگی؟ - اس سوال کا جواب تاریخ کے اوراق دینگے

مندرجہ ذیل واقعات جو تاریخی حقائق ہیں اس اتہام کا مسکت جواب ہیں -

---

۱- اسلامی ریاست ذمیوں کے حقوق ص ۴۷، امین احسن اصلاحی، مکتبہ جماعت اسلامی ۱۹۵۰ء

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری پوری آزادی حاصل تھی وہ ہر قسم کے مذہبی رسوم ادا کرتے تھے یعنی علانیہ ناقوس بجاتے تھے ، صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے مذہبی تہوار پوری آزادی سے مناتے تھے ۔

عہد صدیقی میں حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ بھی تھا کہ

لا یهدہ لهم بیقہ ولا کینہ وہ یفون من ضرب من ضرب النواقیس ولا  
اخراج صلباھم فی یوم عیدھم ۔

( ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے اور نہ  
ان کے عہد کے دن ان کو ناقوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے نہ  
روکا جائیگا ۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کے متعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی  
نے لکھا ہے ۔

لا یمفون من اظھار شیئ\* مما نکرنا من بیع اظم والنخزیراوالصلیب و ضرب الناقوس  
فی قریہ اوموضوع لیس من امصارالمسلمین و لوکان فیہ عدد کثیر من  
اہل الاسلام و انما یکرہ ذالک فی امصار المسلمین وہی التی بفام  
منیھا الجمع والا عباد والحدو واما اظھار فسق یقیدون حرمتہ  
فالزنا وسائرالفور حشی التی حرام فی دینھم فانھم یمفون من ذالک  
سواء کانو فی امصارالمسلمین اوفی امصار ہم ۔

( جو بستیاں امصارالمسلمین میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب  
اور خنزیر بیچنے صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائیگا  
خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد موجود ہو البتہ یہ  
افعال امصارالمسلمین میں ناپسندیدہ ہیں ۔ یعنی ان شہروں میں  
جن میں جمعہ و عیدین اور اقامت حدود کے لئے مخصص کیا گیا ہو ۔  
ابادہ فسق جسکی حرمت کے وہ خود بھی قائل ہیں مثلاً " زنا اور دوسرے

۱۔ الفاروق حصہ اول ص ۱۵۵، شبلی نعمانی، مطبع معارف اعظم گڑھ

۲۔ کتابالخراج ص ۸۴، قاضی ابوسف

تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں - تو اس کے  
 علانیہ ارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائیگا خواہ وہ امصار المسلمین  
 میں ہوں یا خود اپنے امصار میں<sup>۱</sup> -

ذمیوں کی عبادت گاہیں اگر اسلامی آبادی میں ہوں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے  
 گا اگر منہدم ہو جائیگی ان کو تو دوبارہ اسی جگہ تعمیر نو کا حق حاصل ہوگا - لیکن  
 نئی عبادت گاہ بنانے کا حق نہ ہوگا<sup>۲</sup> -

ذمیوں کا پرسنل لاء<sup>۳</sup> -

اہل ذمہ کے شخصی معاملات میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی جائیگی -  
 اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا اگر کوئی بات اسلامی قانون میں ناجائز  
 ہے اور انکے یہاں جائز ہے تو اسلامی ریاست ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کے قانون  
 کے مطابق کریگی - مثلاً "بخیر گواہوں کے نکاح، بخیر مہر کے نکاح، عدت کے زمانے  
 میں نکاح کرنا یا محرمات کے ساتھ نکاح کا غیر اسلامی قانون میں جائز ہونا اور غیر  
 مسلموں کے معاملات میں اسی کا نفاذ ہونا"<sup>۳</sup> -

مسلمان تاجروں کی طرح ذمی تاجروں سے بھی ان کے ماں و تجارت پر ٹیکس لیا  
 جائیگا لیکن ذمیوں کو قومی خدمات پر معذور نہیں کیا جائیگا ملک کی حفاظت کرنا مسلمان  
 کا کام ہے جن اصولوں پر ریاست قائم ہے ان اصولوں کی خاطر وہی لوگ کرسکتے ہیں جو  
 ان اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہوں -

ذمیوں کا لباس مسلمانوں کے لباس سے مختلف ہوگا اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر پکٹن  
 یکساں استعمال کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو مسلم اور غیر مسلم میں تفریق نہ ہوسکتی  
 ذمی کو فوجیوں جیسی وردی استعمال کرنے کی اجازت نہیں اس لئے کہ ذمی فوجی خدمت

۱- اسلامی ریاست ص ۲۵۳، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام پبلیکیشنز لمیٹڈ کراچی، ۱۹۶۲ء

۲- ایضاً ص ۳۴۵

۳- ایضاً ص ۳۵۱



کے مکلف نہ ہیں ۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی ریاست کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو اید مسلم کے ساتھ ۔ ا کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری ہر مسلم پر عائد ہوتی ہے ۔

اسلام کا وہ اخلاقی نظام جس نے فلاحی رہاست کا تصور دیا

اخلاق ان حقوق کی ادائیگی کا نام ہے جو ایک انسان کے دوسرے انسان پر عائد ہوں خواہ وہ آپس میں رشتہ دار ہوں یا غیرہ دوست ہوں یا دشمن ہوں۔ ہم مذہب ہوں یا ہم وطن یا مذہب و وطن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ اسلامی نقطہ نظر سے اخلاق عبادت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ درحقیقت اخلاق ہی عبادت کی اصل روح ہے اور اس کی غرض و غایت یہی ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تقرب پیدا ہو اور اس طرح خود غرضی، نفس پرستی اور انانیت جو فاسد اخلاق کی جڑ ہے وہ کٹ جائے۔ ایسی صورت میں لازمی طور پر انسان اعلیٰ اخلاق اور پسندیدہ کردار کے ساتھ ہو جائیگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں نماز کی صفت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ "ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنکر" یعنی نماز یقیناً برے اور نا پسندیدہ کاموں سے روکتی ہے یہی حال روزے کا ہے کہ وہ پرہیزگاری، تقویٰ اور ضبط نفس کی تعلیم دیتا ہے اور یہی فضائل اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ زکوٰۃ اور حج بھی انسان ہمدردی و غم گساری، فروتنی و خدمت خلق، اور اخلاقی اصلاح کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اندر ایسا اخلاقی اور اصلاحی نظام موجود ہے جس نے فلاحی رہاست کا تصور لوگوں میں پیدا کر کے باہمی انسانی مساوات کا درس دیا۔ اس لحاظ سے اسلام میں ایسی عبادت کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے جو ظاہری رسوم کو ادا کرنے کے بعد اخلاقی معیار کو بلند نہ کر سکے اور اعلیٰ کردار پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد یہی ہے کہ آپ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے جیسا کہ خود حضور کا ارشاد ہے۔ "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"۔ "یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ نیز قرآن میں بھی اس چیز کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اس لئے مبعوث کئے گئے ہیں کہ لوگوں کے قلب و نفس کا تزکیہ کر کے ان کو برے اخلاق سے پاک و صاف اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آراستہ کریں۔ "هو الذی بعثت فی الامیین رسولاً منہم بقلو علیہم آیات و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمة"۔ وہی خدا ہے جس نے بے پڑھے لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے

۱۔ سورہ عنکبوت رکوع (۵) ۲۔ موطا امام مالک صفحہ ۳۶۳ کتاب الجامع

۳۔ سورہ جمعہ رکوع (۱)

اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔  
 اسلام کی یہ خصوصیت اس کے دین فطرت ہونے کی روشن دلیل ہے اور یہ  
 ثابت ہو تا ہے کہ اسلام ہماری دنیوی زندگی کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ  
 سنوارتا اور بناتا ہے اور انسانوں کو اس لائق بناتا ہے تاکہ وہ اپنے کردار  
 اور اخلاق کے ذریعہ پوری سوسائٹی کے لئے رحمت و برکت اور خیر و صلاح  
 ثابت ہوں ۔

### " انسانی مساوات "

انسانی مساوات اخلاقی نظام کا ایک اہم عنصر ہے اور اسلام کے  
 اخلاقی نظام کی بنیاد انسانی مساوات پر ہے ۔ اس کا اندازہ اس اقتباس سے  
 بخوبی واضح ہو جاتا ہے ۔

" اسلامی مملکت جمہوری ہے اور اسلامی جمہوریت حریت و مساوات  
 انسانیت کے بنیادی اصولوں پر قائم ہے ۔ جو اقتدار اعلیٰ کے اسلامی نظریہ کا لازمی  
 نتیجہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے مقتدر اعلیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر  
 انسان کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو گیا اور اس اقتدار کا خاتمہ ہی حریت و مساوات  
 انسانی کی اساس ہے ۔ حقیقی حریت وہی ہے جو انسان کو انسان کی غلامی سے  
 آزاد کرے ! " انسانی مساوات پر بحث کرنے سے پہلے لفظ مساوات کو ذہن نشین  
 کر لینا چاہئے لسانی اعتبار سے مساوات کے معنی ہیں ہر چیز میں برابری گویا ہر  
 معاملہ میں ایک شخص کو دوسرے کے ساتھ مساوات حاصل ہو ۔ لیکن علم سیاسیات  
 میں اس کا مطلب یہ نہیں ہے اور عملاً بھی ایسی مساوات ممکن نہیں ہو سکتی  
 کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ۔

" ایک سست رفتار شخص نیز رفتار کے برابر کر دیا جائے یا ایک انجینئر  
 ایک مزدور کے برابر ہو جائے یا ایک ریاضی دان ایک مستری کے ہم پلہ ہو جائے۔<sup>۲</sup>

۱۔ تاریخ جمہوریت صفحہ ۱۲۶ شاہد حسین رزاقی ۔ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۴ء

۲۔ نظریہ سیاسیات صفحہ ۳۸۱ تا ۳۸۲ — شاہ فرید الحق

اس کے علاوہ فطری اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو قدرتی طور پر ایک انسان ہر حیثیت سے دوسرے انسان کے برابر نہیں ہے۔ کوئی توانا و تندرست ہے تو کوئی لاغر و کمزور، کوئی زیادہ ذہین ہے کوئی بالکل کند ذہن۔ کوئی تیز ہے کوئی بالکل سست، کسی میں کام کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہے کسی میں یا تو کم ہے یا بالکل نہیں ہے۔

لہذا اس بحث سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو دراصل مساوات کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ

" معاشرہ میں جو حقوق دئے جائیں وہ غیر جانبدار اور متناسب ہوں۔"

یعنی یہ کہ آزاد نہ زندگی بسر کرنے کا حق ہر انسان کو یکساں حاصل ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ معاشرہ کا ایک طبقہ تو آزادانہ زندگی گزار رہا ہے اور دوسرا طبقہ اپنی زندگی سے بیزار ہے۔ اس کے علاوہ معاشرہ میں ترقی کے مواقع ہر انسان کو یکساں حاصل ہونے چاہئے۔ یعنی یہاں ہر مکمل مساوات ہونی چاہئے یہ نہیں کہ ایک انسان تو ہر موقع سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور دوسرا ہر ایک کا منہ تک رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ فقہ معاشرے کے تمام انسان قانون کی نظر میں مساوی ہوں اور یکساں طور پر ان کی عزت و ناموس کا تحفظ ہو۔ فرض کیجئے کہ ایک امیر باپ کا بیٹا کسی غریب کو قتل کر دے تو اس کی امیری سے مرعوب ہو کر اس کو رہا کر دیا جائے اور ایک غریب کو اس جرم میں قتل کر دیا جائے یہ معاشرتی مساوات کے منافی ہے۔ اصولی طور پر ہونا یہ چاہئے کہ امیر غریب دونوں کو یکساں سزا ملنی چاہئے۔ مگر آج کل اس بات پر قطعاً توجہ نہیں دیجانی۔ البتہ اسلامی نظام اخلاق ہر اگر ظور ڈالی جائے تو یہ چیز اس میں صراحۃً موجود ہے کہ قتل کے بدلے قتل یعنی قصاص لیا جائے نیز سیاسی اعتبار سے بھی تمام انسان برابر ہیں یعنی ہر مکتبہ انسان کو ووٹ دینے کا مساوی حق حاصل ہے۔ حکومت کے کاموں میں برابر حصہ لینے اور حکومت کے عہدوں پر فائز ہونے کے لئے یکساں مواقع حاصل ہوں اور معاشی طور پر ہر شخص کو روزی کمانے کے لئے یکساں مواقع دئے جائیں۔ اور وہ ہر ایسے پیشہ کو اختیار کر سکیں جس سے اس کی ضروریات زندگی پوری ہو جائیں۔

اس طرح تعلیم کے سلسلہ میں بھی سب کو برابر کے حقوق ملنے چاہئیں تاکہ ہر شخص کو اپنی صلاحیت کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وزیراعظم یا کسی وزیر و رئیس کبیر کا لڑکا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بڑی سی یونیورسٹی کا طالب علم ہو جائے اور ایک معمولی آدمی چہر اس یا کلرک کا لڑکا جو اعلیٰ صلاحیت کا مالک بھی ہے اور ذہین بھی ہے وہ صرف اسوجہ سے یونیورسٹی کا منہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ ایک غریب طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اسلام کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ وہ پوری نسل انسانی کے لئے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے ہر انسان کے لئے حصول تعلیم کے امکانات کو یکساں اور برابر تصور کرتا ہے۔ لہذا اس تمام تفصیلی بحث کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی نظریۂ مملکت پر اگر نظر ڈالی جائے تو اسلامی ریاست میں تمام روئے زمین کے انسان برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ایک ہی مرد اور عورت یعنی حضرت آدم و حضرت حوا سے پیدا فرمایا ہے۔ اگر کسی انسان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے تو وہ تقویٰ و پرہیزگاری اور اعلیٰ اخلاق کی بناء پر ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد ہے۔ یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شموبا و قبائل لئلا رفوا ان اگر مک عند اللہ انتقام !

"اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری برادریاں اور کنہیں بنا دیئے تاکہ آپس میں شناخت رکھو۔ بیشک تم میں سب سے زیادہ بزرگ و افضل اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔"

اس آیت کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے ہیں یہ مختلف نسلیں، مختلف رنگ، مختلف زبانیں انسانیت کے لئے کوئی حقیقی تقسیم نہیں ہے اور نہ کس قوم یا طبقہ کو اپنی نسل و رنگ پر فخر نہ کرنا چاہئے اور نہ اس بناء پر ان کو انسانی سماج میں بلند مرتبہ دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تقسیم تعارف کے لئے ہے تاکہ ایک دوسرے انسان میں فرق محسوس کیا جاسکے۔ لیکن انسانی اعتبار سے ساری

دنیا کے انسان ایک دو سرے کے بھائی ہیں۔ لہذا انسانیت کی تکمیل اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ ہر انسان کے اندر مساوات کا جذبہ موجود ہو۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ " لا فضل یقے لعربی علی عجبی ولا لعجبی علی عربی ولا لا حمز علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بالتقوی ولا فضل لا نساب <sup>۱</sup>۔"

یعنی کسی عربی کو کسی عجبی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجبی کو کسی عربی پر نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر ماسوا تقوی کے اور نہ ہی بنیادوں پر بھی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

یہ حدیث اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ فضیلت اور برتری صرف دینا نت اور تقوی پر ہے ( گورے کالے کی وجہ سے نہیں کہ کوئی شخص چاندی سے پیدا کیا گیا ہے یا کوئی پتھر یا مٹی سے۔) بہر حال اسلامی رہا ست کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہر شخص کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کر کے دولت کو ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے دے۔ مالداروں سے زکوات کی وصولیابی کر کے بیت المال کا بہتر بہتر انتظام کرے تاکہ غریبوں اور یتیموں کی مدد ہو سکے۔ اسلام نے انسانیت کی تکمیل کے لئے امارت اور غربت کے فرق کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ اسلامی مملکت میں ایک مسلمان اور خلیفہ قانون کی نظر میں برابر ہیں۔

انسانی مساوات کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے مساوات انسانی پر کس قدر زور دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ہر انسان آپس میں ایک دو سرے کا بھائی ہے۔ اخوت کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے۔

"المسلم اخو المسلم" <sup>۲</sup> المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔"

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ مسلمان کی صفت یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔ نہز قرآن کریم میں بھی ارشاد ربانی ہے۔ "انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بینہم وابتغوا اللہ لعلکم ترحمون" <sup>۳</sup>

۱۔ مستد احمد جلد ۵ صفحہ ۳۱۱ مطبوعہ مصر

۲۔ بخاری شریف جلد اول۔ کتاب الایمان ۳۔ سورة الحجرات رکوع (۱)

میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ تمام مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں  
میں اپنے بھائیوں کے درمیان صلح و آشتی پیدا کرو اور (اس معاملہ میں)  
للہ تعالیٰ سے ڈرتو رہو۔ تاکہ تمہارے اوپر رحم کیا جائے۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے :-

"مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے اور شفقت کرنے میں جسم  
نسانی کی طرح ہونا چاہئے کہ اگر اس کے کسی عضو میں تکلیف ہوگی تو اس سے  
میں کے تمام اعضاء متاثر ہو جائیں گے۔" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امت کے  
تمام مسلمانوں کو ایک جسم کے مانند ہونا چاہئے جس طرح جسم کے کسی ایک  
حصے کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس سے پورا جسم متاثر ہو جاتا ہے۔ اس طرح  
اگر کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے تو سارے مسلمانوں کو اس کی تکلیف کا احساس ہونا  
چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص غریب و لاچار ہے تو ایسی صورت میں ہر مسلمان کا  
نرخہ ہے کہ وہ اپنے غریب بھائی کی ہر طرح سے مدد کرے۔ چنانچہ اس بارے  
میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر  
ہر ظلم کرے اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالہ کرے۔ جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت  
پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کوئی  
مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کے بدلے مسیحا قیامت کے دن اس کی  
تنگی کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ  
اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

صحیح بخاری میں ایک اور حدیث ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ وسلم  
کا یہ ارشاد گرامی ہے اور یہ تمام احادیث اس کا ثبوت ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم ہر مسلمان کو اس بات کی تعلیم فرماتے تھے کہ سب لوگ اکٹیل و محبت سے  
رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اس میں سب کی بھلائی ہے۔

اسلام سے پہلے متمدن اقوام میں غلامی کا بڑا رواج تھا اور اس کو نوع انسانی میں مستقل ایک صنف قرار دیا تھا۔<sup>۱</sup> غلاموں کی یہ لعنت معاشرہ میں اس درجہ سراپت کر گئی تھی کہ اس لعنت کی خرابی کا احساس بھی باقی نہ رہا تھا۔

"غلامی کے رواج میں سب سے زیادہ لڑائیوں کو دخل تھا۔ ان میں جو تک شکست خوردہ گرفتار ہونے تھے یا تو ان کو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لیکر چھوڑ دیا جاتا تھا یا غلام بنا لیا جاتا تھا۔<sup>۲</sup> معاشرہ کی اقتصادی نظام کا انحصار غلامی پر ہی تھا۔" یونان قدیم میں افلاطون اور ارسطو جیسے مفکر بھی اس کو معاشرہ کا ایک لازمی عنصر قرار دیتے تھے۔<sup>۳</sup> "روم، مصر، ہندوستان وغیرہ ہر ملک میں غلامی رائج تھی۔ بعض بعض ملکوں میں تو غلاموں کی تعداد ملک کی اصلی آبادی کے برابر تھی۔" روم میں غلامی کا اس قدر دور دورہ تھا کہ رومن شہریوں کے پاس جتنی دولت، عزت و شہرت تھی وہ سب غلاموں کی ہی دیتی تھی کیونکہ غلاموں کے ذریعہ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کماتے تھے۔ اس طرح ان کی عزت کی دھاک جی ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن غلاموں کی وہ عزت نہ تھی جو صحیح معنوں میں ہونا چاہئے۔ انہیں بہت ذلیل و خوار سمجھا جاتا تھا ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا وہ معاشی، سیاسی، اقتصادی، سماجی ہر قسم کے حقوق سے محروم تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کئے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے بیوی بچوں کو بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قرونِ قدیم تہذیبوں میں مصر کی تہذیب کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ لیکن یہاں بھی غلامی کا رواج تھا۔ جہاں غلام ہر خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور ان کے آقا ان پر ہر طرح سے تسلط قائم رکھتے تھے لیکن جیسے جیسے قومیں متمدن ہوتی گئیں سختی نرمی میں، بد سلوکی سلوک میں، نفرت محبت میں تبدیل ہوتی گئی۔ اور قدیم میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ جو شخص کسی غلام کو قتل کرے اس کا انتقام میں اس کو

۱۔ غلامان اسلام صفحہ ۱۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء

۲۔ دین رحمت صفحہ ۱۲۵ شاہ معین الدین احمد ندوی (غلام رزوی) ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۳۔ تاریخ جمہوریت صفحہ ۱۴۵ شاہد حسین رزاقی ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۷ء



بھی قتل کر دیا جائے گا۔<sup>۱</sup>

اس کے علاوہ فرانسیسی غلاموں کے سلسلہ میں سب سے زیادہ بے رحم و تنگ دل تھے اور طرح طرح کی سختیاں ان پر کرتے اور ہر مشکل سے مشکل کام ان سے لیتے تھے اور اس کے باوجود ان کا حق نہ دیتے تھے۔ "یورپ میں انیسویں صدی کے وسط میں غلامی رائج ہوئی۔<sup>۲</sup> یورپین اقوام صرف جنگ میں شکست خوردہ اشخاص ہی کو غلام نہ بنائیں بلکہ وحشی قوموں کو بھی زبردستی غلام بنا لیتی تھیں۔ ان کی حیثیت جانوروں سے بدتر تھی۔<sup>۳</sup> آقا ان کی جان تک لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اگر غلاموں کو قتل کر دیا جاتا تو قاتل کے لئے کوئی سزا نہ تھی۔ اگر کسی مذہب نے ان کو کچھ حقوق دئے بھی تب بھی سوسائٹی میں ان کو انسانیت کا مرتبہ نہ دیا جاتا تھا غرض کہ ہر جگہ غلاموں پر عرصہ زندگی تنگ تھا۔ اور ان کے ساتھ نہایت بہیمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں غلامی کا انسداد مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے دو سرے مظلوم طبقوں کے ساتھ ساتھ غلاموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا سبق دیا۔ انسانیت کے سارے حقوق بھی دلوائے اور سوسائٹی میں ان کو اونچا مقام دلانے کی کوشش کی۔ لیکن سوسائٹی میں غلامی اس درجہ سرایت کر چکی تھی کہ اس کو بالکل ختم کرنا ناگزیر تھا اس لئے اسلام نے غلامی میں قابل قدر اصلاحات کیں اور غلاموں کو ان کے تمام حقوق دلوائے اور آقا و ن پر اس قدر ذمہ داریاں عائد کیں کہ غلامی کی شکل یکسر بدل گئی گئی۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم نے "بحوالہ غلامان اسلام" صحیح لکھا ہے کہ اسلام نے غلاموں کی حالت کو بہت سدھارا اور آزادی کی راہ میں کافی دستگیری اور مدد کی۔ اسلام نے کھانے پینے، پوشاک لباس اور تعلیم و تعلم، تہذیب و تمدن اور دوسرے بڑے بڑے مدنی و شہری حقوق میں آقا و غلام دونوں کو برابر کے درجہ میں رکھا۔ اور اس طرح غلامی کا انسداد کیا۔

۱۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت صفحہ ۳۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نذرۃ المہینین دہلی ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

۲۔ دین رحمت صفحہ ۱۶۵ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ اعظم گڑھ ۱۹۶۷ء

۳۔ غلامان اسلام صفحہ ۲ مولانا سید احمد اکبر آبادی نذرۃ المہینین دہلی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

غلامی کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے اس کی واضح تعریف حقائق اسلام میں

اس طرح کی گئی ہے :-

" ایک آدمی کے تمام حقوق انسانیت سلب و فنا ہو کر کسی دوسرے آدمی کی مرضی کے تابع ہو جائیں یہاں تک کہ اس کی موت و زندگی بھی اس کے اختیار میں اور غلام کو آقا کے مقابلہ میں خود اپنی ذات پر کچھ حق باقی نہ رہے " ۱ " ہر زمانے میں غلامی کا مفہوم یہی رہا ہے لیکن اسلام نے کبھی بھی ایسی غلامی کی اجازت نہیں دی کہ اس کے سارے حقوق سلب کر کے کسی دوسرے آدمی کے سپرد کر دئے جائیں اور اس کا کچھ حق باقی نہ رہے ۔

" اسلام نے صرف غلاموں کی حیثیت جنگی قیدیوں کی قرار دی لیکن اس صورت میں بھی منصفانہ برتاؤ اور شفقت کے پہلوؤں کو بیکار نہ رکھا ہے ۲ نیز قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے ان میں چند آیات درج ذیل ہیں ۔

(۱) وَلَکُمْ نِعْمَةٌ مِّنْہَا عَلٰی اَنْ عِبَدْتَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ ۚ " یعنی اے فرعون بھی احسان تو مجھ پر (موسیٰ) جتنا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ۔

(۲) وَاَنْکَحُوا الْاِیْمٰنِیِّ مِّنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاَمَّا اَنْتُمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا فَرَقًا ۚ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلَمْ یَجْعَلْ لَّکُمْ اَللّٰہَ فَضْلًا ۚ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ " یعنی اپنی قوم کی بیوہ عورتوں اور جو غلام اور باندیان تمہاری نمک ہین سب کے نکاح کر دیا کرو اگر وہ مفلس ہونگے تو خدا ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دیگا ۔ اور اللہ سب کچھ جانتے والا ہے ۔

(۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلِ ۚ الْحَرُّ بِالْعَبْدِ وَالْاَنْثٰی بِالْاَنْثٰی ۚ " یعنی اے ایمان والوں مقتول کے بارے میں تم پر قصاص یعنی قتل کے بدلے میں قتل ( فرض کیا گیا ہے ۔ (اس طرح پر) کہ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے مسکین

۱ - حقائق اسلام صفحہ ۲۸۲ مفتی محمد انوار الحق ۲ - مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۳

۳ - سورۃ النساء رکوع (۲)  
۳ - سورۃ النور - رکوع (۳)

لام اور عورت کے بدلے میں عورت قتل کی جائیگی - مطلب یہ ہے کہ جو بھی قاتل ہوگا مقتول کے بدلے میں اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا - اس میں مرد عورت آزاد و غلام کوئی تخصیص نہ ہوگی اور نہ بیٹے اور جھوٹے کا کوئی فرق ہوگا نہ امیر و غریب کا کوئی امتیاز جسکا جو جرم ہوگا اس کو اس جرم کی سزا ضرور ملے گی - حضور نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی محمد کی بیٹی فاطمہ بھی جو ری کرے تو اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹا جائیگا۔ اور مساوات اسلامی کا تقاضا یہی ہے اور عین مصلحت یہی ہے کہ کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھا جائے - سورۃ النساء کی آیت میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں -

(۴) واعدوا للہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربی والیتیمی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایماءکم ان اللہ لا یحب من کان مختلاً مخفراً ۵ یعنی اے لوگوں اللہ کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ شہراؤ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں و مسکینوں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ خواہ وہ قرابت والے ہوں یا اجنبی ، نیز پاس کے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور جو لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے تمہارے قبضہ میں ہوں ان سب کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آؤ - یہی شک اللہ تعالیٰ مقرر فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں فرماتا -

ان آیتوں میں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کس طرح سب کو آزادی دی ہے اور کس طرح سب کے حقوق متعین کئے ہیں اور کیسے قوانین نافذ کئے ہیں اور کس طرح سب کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک و احسان کرنے کی تعلیم دی ہے اور بغیر کسی ظلم و تشدد کے غلاموں کو آزاد کرنے کی ہدایت دی ہے - نیز جنگ کرنے والوں کے ساتھ بھی کچھ ہدایات پیش کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ بچوں عورتوں اور زیادہ بوڑھے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے اسی طرح اگر کسی کو جان کی امان دیدی ہے تو پھر اسکو دھوکہ دیکر نہ قتل کیا جائے نیز لڑائی سے پہلے منکرین کو دعوت اسلام پیش کرنا چاہئے جب وہ تسلیم نہ کریں تو پھر یہ دھڑکاؤ کو مارو یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے - کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا ذکر سورۃ محمد میں

۲ - صحیح البخاری - کتاب الحدود

۲ - سورۃ النساء رکوع (۶)

اس طرح سے آیا ہے - فاذا لقيتم الذين كفروا فاضرب الرقاب حتى اذا  
 اتخنمهم فشدو الوثاق فاما من بعد واما فدا<sup>۱</sup> حتى تضع الحرب اوزارها ذلك<sup>۲</sup>۔  
 پھر جب تم مقابل ہو منکروں کے تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک جب تم ان کو خوب  
 قتل کر چکو تو انہیں خوب مضبوط باندھ لو قید میں - پھر یا تو بطور احسان  
 چھوڑ دو یا فدیہ لے لےو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے - " اس آیت  
 میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے - کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو مقابلہ میں دشمنوں  
 کو خوب قتل کرو اور جب زور ٹوٹ جائے تو لڑنے والوں کو گرفتار کرلو لیکن ان پر نہ ظلم  
 و زیادتی کرو اور نہ ان کو قتل کرنیکی کوشش کرو بلکہ بطور احسان یا فدیہ لیکر  
 چھوڑ دو بلکہ اگر کوئی مجاہد کچھ اسیران جنگ کو بغیر فدیہ کے ہی چھوڑ دے تو  
 یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ خیال کیا جائیگا - اور اجر و ثواب کا مستحق ہوگا -

چنانچہ جنگ بدر کے قید یوں کے متعلق آپ نے ان کے لئے صحابہ سے  
 پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے - حضرت عمر نے کہا کہ ان کو قتل کر دیا  
 جائے کیونکہ یہ سب کلا مشرک تھے - دو سرے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو بہت پریشان کیا ہے اور طرح طرح کی تکلیفیں دی ہیں - لیکن حضرت ابو بکر  
 صدیق نے مشورہ دیا کہ لوگوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے - کس نے  
 کہا ان کو جلا دینا لڑھکے - غرض کہ ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی لیکن حضور اکرم  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کی رائے کو پسند فرمایا اور حکم دیا کہ جب  
 تک قیدی تمہاری قید میں رہیں تم ان کے کھانے پہنچے اٹھنے بیٹھنے اور ہر  
 قسم کے آرام کا خیال رکھو - چنانچہ صحابہ خود کھجوریں کھا کر بسر کرتے اور قیدیوں  
 کو کھانا کھلاتے تھے - اس کے بعد بعض کو فدیہ لے کر رہا کیا گیا اور بعض کو بغیر  
 فدیہ رہا کر دیا گیا - اور جن کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی لیکن وہ لکھنا پڑھنا جانتے  
 ان کو حکم دیا گیا کہ وہ صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھائیں - (سیرت النبی)  
 غزوہ حنین میں جتنے اسیر تھے سب چھوڑ دئے گئے - صرف چھوڑ ہی نہیں  
 دئے گئے بلکہ حضور نے ان کے لئے پہننے کے کپڑے یعنی تقریباً چھ ہزار جوڑے (مصری  
 کپڑے کے) عنایت فرمائے -

سورہ محمد رکوع (۱)

۲ - سیرت النبی صفحہ ۵۵۲ سید سلیمان ندوی اعظم دارم ۱۳۳۲ھ  
 ۳ - " " ۵۵۲ " " ۱۹۶۵ھ

غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب قرآن کریم اور احادیث نبوی میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن سے انسداد غلامی کا صاف اور صراحتہ پتہ چلتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں اس طرح ارشاد باری ہے ۔

”لِلسَّعْيِ لَوْلَا وُجُوهُكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ الْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبَرَّ مِنْ آتٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالْبَشَرِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَقْبَابِ وَالْقُرْبَى وَالْمَتَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ“ ! یعنی بھلائی کڑکی بات یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے کو مشرق و مغرب کی جانب پھیرلو ۔ بلکہ بھلائی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور ہوم آخرت اور فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال کی محبت کے باوجود اس کو رشتہ داروں یتیموں • محتاجوں • مسافروں اور مانکنے والوں اور گردنوں کے جھڑانے ( یعنی غلاموں کی آزادی میں صرف کرے ) اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے ۔

گویا اس طرح قرآن کریم نے انسداد غلامی کے لئے راہ ہموار کر دی اور جو غلام بنتے چلے آ رہے تھے ان کو آزاد کرانے کی ترغیب دی ۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کے واجبات میں سے سب سے زیادہ مقدم چیز غلام آزاد کرنا ہے جیسا کہ آیت بالا میں اللہ کا نیکمندانہ بننے کے لئے جہاں بہت سے دوسرے اعمال صالحہ کی ترغیب دی گئی ہے وہاں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ~~اللَّهُ مُتَلَلِّقٌ كَقِي~~ استطاعت ہوئے غلام کو آزاد کیا جائے ۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف یہ بھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا جائے ۔ نہز اگر کس سے کوئی کفایت نا خطا سرزد ہو جائے تو کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرے ۔ ایسا کرنے سے اس کو بڑا اجر و ثواب ملے گا اور اس کی توبہ بھی قبول ہو جائیگی ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہدایت کی کئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کرے تو وہ ایک مسلمان بردہ آزاد کرے ۔ چنانچہ

سورۃ نساء میں اس طرح وارد ہوا ہے - ومن قتل مومنا خطأ فتحریر قبة مومنة  
 ورد بة مسلمة الى اهله الا ان يصد قواة <sup>۱</sup> - یعنی جو شخص کسی مومن کو غلطی سے  
 قتل کر دے فتنو اس کو ایک مومن بردہ آزاد کرنا چاہئے اور مقتول کے وارثوں کو  
 خون بہا بھی دے مگر یہ لوگ اس بات کی تصدیق کر دیں کہ وارث نے خون  
 بہا قتل معاف کر دیا ہے - نیز اگر کوئی شخص قسم کھاتا ہے اور وہ اس کو پورا  
 نہیں کر پاتا تو اس کے کفارہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک غلام آزاد  
 کرے - جیسا کہ سورہ مائدہ میں اسکی تفصیل موجود ہے - لایواخذکم اللہ  
 باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الا یمان فکفارته اطعام عشرة مساکین  
 من اوسط ما نطعمون اهلکم او کسوتهم او منحریر قبة لم یجد تمسید فصیام  
 ثلثة ایام <sup>۲</sup> ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلقتم واحفظوا ایمانکم <sup>۳</sup> کذا لک یمین اللہ لکم  
 آیاتہ لعلکم تشکرون <sup>۴</sup> - یعنی سبقت لسانی سے اگر تم نے بلا ارادہ قسم کھالی تو  
 اس پر اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ البتہ تم نے قصد کر کے قسم کھائی ہے  
 اور اس کو توڑ دیا تو اس پر ضرور مواخذہ ہوگا۔ پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو  
 اوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا ان کو کپڑا پہنانا ہوگا۔ یا ایک غلام آزاد کرنا پڑیگا۔  
 لیکن جو اسکی طاقت و قدرت نہیں رکھتا تو اس کو تین دن کے روزے رکھنا ہوئے  
 یہ تمہاری قسموں کا کفارہ و جرمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اس طرح  
 کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اسکی شکر گزاری کرو۔ " علی هذا جولوک اپنی  
 بیویوں سے ظہار کر لین یعنی اپنی بیویوں کو محرمات ابدیہ کے ساتھ تشبیہہ دیں اس  
 پر کہ نومبری مان یا بہن کی جگہ ہے - یہ الفاظ کہہ کر پھر وہ ان کو لوٹانا  
 چاہیں تو ایک غلام آزاد کریں چنانچہ اس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح آیا ہے  
 والذین یظہرون من نساءکم ثم یعودون لما قالو فتحریری قبة من قبل ان یتما ساط۔<sup>۵</sup>  
 یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر وہ اپنے الفاظ واپس لینا چاہتے  
 ہیں تو اس سے قبل کہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے قریب ہوں تو ان کو ایک  
 غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دیتا  
 ہے تو کفارہ کے طور پر اس کو ایک روزہ کے بدلے ساٹھ روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں

کو کھلانا ہوگا۔ یا ایک غلام آزاد کرنا پڑیکا! غرض کہ قرآن کریم نے غلام آزاد کرنے کے سلسلے میں یہی حکم دیا ہے کہ ہر طرح سے مدد کی جائے بلکہ ان کو خرید کر آزاد کر دیا جائے یا جو غلام اپنی قیمت کی رقم اپنی محنت سے پیدا کر کے مالک کو اپنی آزادی کے لئے پیش کر دے تو اسکو منظور کر لینا چاہئے اس کا نام بدل کتابت ہے۔ یہ سب قرآنی ارشادات و نظریات غلاموں کی آزادی کے سلسلہ میں بیان کئے گئے۔ اب ذرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بھی ایک نظر ڈالئے تاکہ غلامی کے انسداد کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنا مستحب ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اسماء بنت ابی بکر کی روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۴ھ لوگون کو سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔<sup>۱</sup> نیز حضور نے مسلمان بردہ آزاد کرنے کو آتش جہنم سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی اس طرح سے منقول ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص مسلمان غلام کو للہ آزاد کرے یا اللہ تعالیٰ اس کے عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے ہر عضو کو جہنم سے بچائیکا۔<sup>۲</sup> ایک دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن البسر بصر قال بصر عینای ہا نان وسمع ان نای ہا نا ن ووعاء قلبی ہذا و اشارہ الی مناط قلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یقول اطعموہم مما تاکلون والبسوہم مما تلبسون۔<sup>۳</sup> حضرت ابی بصر سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میری ان دونوں آنکھوں نے حضور کو دیکھا اور ان دونوں کانوں نے حضور سے سنا اور میرے اس قلب نے فرمان نبوی کو محفوظ رکھا کہ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ ایک اور حدیث میں اس طرح سے آ یا ہے۔

عن ابی ذر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لا ثمکم من ہلوککم فاطعموہ عما تاکلون واکسوہ مما تلبسون ومن لم یلا ثمکم منهم فبیعوہ ولا تعدّوا بوا خلق اللہ۔<sup>۵</sup>

۱۔ بخاری شریف الصیام ۲۔ بخاری شریف کتاب الرہن  
۳۔ مسلم شریف کتاب العتق ۴۔ ابوداؤد شریف۔ باب العتق  
۵۔ ابوداؤد والترمذی کتاب العتق

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ و سلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے ملو کون میں جو تمہارے مزاج کے مطابق ہو تو اسے وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو تم کھاتے اور پہنتے ہو اور جو مزاج کے مطابق نہ ہو تو اسے فروخت کر دو۔ اور مخلوق الہی کو سزا نہیں نہ دو۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

عن ابی مسعود قال کنت اصرب غلاماً لّی فسمعت صوتاً من خلفی۔ اعلم یا ابا مسعود مرتین۔ اللہ اقدر علیک منہ فالتفت فاذا هو النبی صلی اللہ علیہ و سلم فقلت یا رسول اللہ ہو حر لوجہ۔ قال لولم تفعل۔ او لمسک النار۔ حضرت ابو مسعود نے یہ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس سے بڑے زیادہ قادر ہے جتنا تم اس پر ہو۔ میں نے ہلٹ کر دیکھا تو حضور تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ یہ اللہ کے آزاد ہیں۔ فرمایا ہاں اگر تم ایسا نہ کرنے تو جہنم کی آگ کے لپیٹ میں آ جائے۔

مولانا انیس احمد جعفری کی کتاب "اسلام اور رواداری" میں حضرت علی سے منقول ہے کہ مجھے ایسے شخص کو غلام کہتے ہوئے شرم آتی ہے جو یہ کہتا ہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے غلام کو کچھ درہم دئے اور فرمایا دو مختلف قیمتوں کے کپڑے خرید لاؤ۔ پھر آپ نے قیمتی کپڑا غلام کو دیا اور معمولی اپنے پاس رکھا پھر فرمایا تم جوان ہو تمہیں زیب و زینت کی خواہش زیادہ ہو ہوگی میرا کیا ہے میں تو عمر رسیدہ ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اپنی ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے۔ حضرت عائشہ کے بھائی عبد الرحمن ابن ابی بکر کا سونے کی حالت میں انتقال ہو گیا تو آپ نے ان کی طرف سے بہت سے غلام آزاد کئے۔

اسلام کے آغاز کے وقت جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اس میں کافی

۱۔ ابوداؤد الترمذی کتاب المتق ۲۔ اسلام اور رواداری حصہ ۲ - ۱۱۲

۳۔ اسلام اور رواداری حصہ ۲ ص ۱۱۲ مولانا رئیس احمد جعفری

۴۔ بخاری شریف کتاب الاداب - ۵۔ اسلام اور رواداری



نعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے آقاؤں کے آغوش ہنجون میں گرفتار تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان پر ظلم و ستم کیا جانے لگا ۔ حضرت ابو بکر نے بہت سے غلاموں کو آزاد کیا ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں ۔ حضرت ہلال حضرت عامر بن فہیرہ • لونڈیوں میں زہیرہ • ہندیہ • بنت ہندیہ !

مندرجہ بالا حقائق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے مختلف احکامات و ترغیبات کے ذریعہ غلامی کے انسداد کا بندوبست ہی نہیں کیا بلکہ غلاموں کو معاشینی • سیاسی • اقتصادی • سماجی اور قانونی حقوق بھی عطا کئے اور ہمیشہ ان کا احترام کیا گیا ۔ مسلم اسلامی ہی کا نتیجہ تھا کہ آزاد کردہ غلاموں کو بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جن میں حضرت بلال حبشی کی وہ ذات تھی جن کی عظمت و رفعت کے آگے حضرت عمر بھی سرنگون تھے یہی حال حضرت رافع کا تھا جو راوی حدیث نبوی تھے ۔ اسی طرح حضور کے آلے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ جنہوں نے حضور کی بہن سے نکاح کرلی تھی اسی طرح ان بیٹے حضرت اسامہ جن کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق چلے تھے ۔ ایسے ہی قنبر جس نے علی مرتضیٰ کے سایہ عاطفت میں پرورش پاکر بزرگی و عظمت حاصل کی !

صہبہ روہی • و عمار بن یاسر • سالم مولیٰ ابو حذیفہ • خطاب بن اریث وغیرہ وغیرہ یہ سب غلام ہی تھے جن کے آگے سردار ان قریش گردنیں جھکانے تھے ! اسی طرح تابعین میں حضرت عکرمہ • سعید بن جبیر • نافع بن طاوس • محمد بن سہرین حسن بصری • طاوس بن کیاں • عطا بن ابی رباح • مکحول دمشقی • محمد بن اسحاق ابوالمالیہ • ربیعہ السوائی وغیرہ یہی غلام تھے کہ علی ہذا تبع تابعین میں بھی عبداللہ بن مبارک • یحییٰ بن معین • سفیان بن عیینہ • امام محمد • حماد بن زید • لیث بن سعد • علی بن المدینی • وغیرہ جو کہ دینی علوم کے امام تھے ۔ علاوہ اسکے مسلمانوں کے دور ملکیت میں بھی غلاموں کی بہت عزت تھی ان کو بھیے بڑے بڑے عہدے اور مراتب عطا کئے گئے جانتے تھے جن کی وجہ سے آج تک ان کا نام تاریخ کے اوراق پر چمکتا نظر آتا ہے ۔ ان ہی میں سے مصر کا نامور سپہ سالار جرّ

۱۔ دین رحمت صفحہ ۷۰ معین الدین احمد ندوی ۲۔ اسلام اور رواداری

۳۔ دین رحمت صفحہ ۱۸۲ ۔ ۴۔ دین رحمت صفحہ ۱۸۲

جس نے قاہرہ کی تعمیر کی اور جامعہ ازہر کی بنیاد ڈالی ! اسی طرح سلطان محمود کے غلام ایاز نے بھی بڑی شہرت حاصل کی نئے نیز قطب الدین ایبک بھی غلام خاندان میں سے تھا جسکی یادگار میں دلی کا قطب مینار موجود ہے جو کہ مسجد قوۃ اسلام کا ایک منارہ تھا دوسرے مینار کی تباہی نہ ہوسکی کہ اس کا انتقال ہوگیا اور مسجد مکمل نہ ہوسکی صرف ایک مینار بنایا گیا تھا اس لحاظ سے نہ معلوم کتنی بڑی وہ مسجد ہوتی جسکا بیان تفصیل سے سرسید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب آثار قدیمہ میں مع اس کی تصویر وغیرہ کے کیا ہے ۔ نیز ابن طولون جس کی بنیادی ہوئی جامع مسجد آج بھی عقیدت و عبادت کا مرکز بنی ہوئی ہے ! یہ بھی غلام ہی تھا ۔ علاوہ اس کے النمر • بلبن اور ملک کافر وغیرہ نے جو کہ غلام تھے سپہ سالاری بادشاہت کا درجہ حاصل کیا اور انہوں نے غلاموں کی حیثیت کو بہت ترقی دی ۔ غرض کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں غلاموں نے نام پیدا نہ کیا ہو ۔ مزید برآں اسلام نے دیگر حقوق کے ساتھ غلاموں کو یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ اپنے آقا کو ایک مقررہ رقم دے کر جو باہم طے ہوجائے اپنی آزادی حاصل کرسکتا ہے ۔ اس کو نوعی اصطلاح میں مکانت کہتے ہیں ۔ چنانچہ سورہ نور میں یہی حکم دیا گیا ہے۔

والذین یبیسون الکتاب ما ملکت ایمانکم فکاتبو ہم ان علمتم فیہم خیراً و آ تو ہم من مال اللہ الذین آتاکم ! اور تمہارے مملوکہ لونڈی غلاموں میں سے جو مکانت کرنا چاہتے ہوں تو تم ان کو مکاتب بنادو بشرطیکہ تم ان میں کچھ بہتری دیکھو اور جو مال اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کیا ہے اس میں سے تم انہیں دبدو ۔

ان نظم تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے کس کس طرح غلامی کی برائیوں کو مٹایا اور غلاموں کو کس قدر حقوق عطا کئے جو ان کے آقاؤں سے بھی متعلق تھے اور ان کو ہر طرح کی ترقی آزادی دی ۔ چنانچہ اسلام کی تاریخ غلاموں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے ۔ مندرجہ بالا سطور میں جن غلاموں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے رہیں جن کو پڑھکر بخوبی انسداد غلامی کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے ۔ یہ صرف اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے غلاموں کو اس قدر بلند مراتب عطا کئے ورنہ آج بھی دیکھ لہجئے کہ دنیا غلامی کی لعنت میں کس بڑی طرح گرفتار ہے ۔

۱۔ مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۳۲۰

۲۔ اسلام اور رواداری حصہ اول صفحہ ۱۸۸ اور

تیس اہر جعفری ندوی ادارۃ ثقافت اسلام ۱۹۵۵ء

## "اسلام میں عورت کی حیثیت"

دور ماضی کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جبکہ کفر و شرک کا بازار گرم تھا۔ لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ہر طرف ظلم و ستم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سب ہی لوگ انسانیت کے رشتہ کو توڑ چکے تھے چنانچہ اپنی راحت اور آزادی کی خاطر اپنی اولاد کو ابدی نیند سلا دیا جاتا تھا۔ معصوم بچہ کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ عورتوں کے حقوق کی قطعی کوئی اہمیت نہ تھی ان کو طرح طرح کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ہر نشی صبح ان کے لئے آنسوؤں کا پیغام لانی اور ظلم ہونے ہونے ان کی زندگی پر تاریکی چھا جاتی۔ کوئی پریشانی، کوئی مجبوری، کوئی لاجبری ایسی نہ تھی جو ان کی زندگی سے وابستہ نہ ہو۔ عورت کی ذات کی ذاتی حیثیت ہی نہ تھی وہ مردوں کی دست نگر، سوسائٹی میں بری نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کوئی ایسا وحشیانہ سلوک نہ تھا جو عورت کے ساتھ روا نہ رکھا گیا ہو۔ ساری دلتیں اس کو برداشت کرنا پڑتی تھیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سرزمین دنیا پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکی تو آپ نے اپنی ظلمت کی گھٹاؤں کو دور فرمایا اور ساری دنیا کے سامنے ایک ایسا نصب العین پیش کیا جو انوکھا اور نیا نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی جتنے انبیائے اکرام دنیا میں آئے ان کا پیغام بھی یہی تھا مگر قد دنیا والوں نے اس پیغام کو نہ صرف بھلا دیا تھا بلکہ صفحہ ہستی سے بھی اس کے مٹانے کی کوشش کی تھی البتہ جب اسلام آیا تو اس نے دنیا کی حالت پلٹ دی اور دم توڑتی ہوئی سوسائٹی میں ایسی روح پھونکی جس سے انسانیت کو دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔

ظالموں کے لئے ظلم و ستم کے دروازے بند ہو گئے اور مظلوموں نے اپنے تمام حقوق حاصل کر لئے جن سے وہ عرصہ دراز سے محروم ہو گئے تھے۔ ان مظلوموں میں سب سے زیادہ مظلوم ہستی عورت کی تھی۔ اسلام میں عورت کی حیثیت کو تسلیم کرنے سے پہلے ایک طائرانہ نظر ان بد نصیب پر بھی قاذال لی جائے۔ جنہوں نے

عورت کو کوئی درجہ ہی نہ دیا اور اس کے حقوق کو ہری طرح سے ہامال کیا اور اس کے وجود کو ہیکسر صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی گئی اور اس کے ساتھ بہت ہی برا سلوک روا رکھا گیا ۔

یونان قدیم میں عورت کی حیثیت کا جائزہ لیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ وہاں عورت کی حالت بہت ہی ابتر تھی ان کے نزدیک عورت شہطان کی بیٹی نجاست کا مجسمہ • شر کا آلہ اور امن و سلامتی کی دشمن ا خیال کی جاتی تھی اور اس درجہ اس کی حالت خراب تھی کہ کہا جاتا تھا کہ سانپ اگر ڈس لے تو اس کا نو علاج ہو سکتا ہے لیکن عورت ایسی زہریلی ہے کہ اگر اس کا زہر چڑھ جائے تو اسکا اتارنا بہت مشکل ہے۔ کہیں اسکی آواز کو سانپ کی آواز بتایا گیا کہیں اس کو بچھو کی مانند کہا گیا کہیں بھڑکے زہر کے مانند اور کہیں اس کو جھوٹ کی بیٹی سے تشبیہ دی گئی کہیں دوزخ کی ہمنشین اور اسکی مستحق قرار دی گئی غرض کہ اس کو ہر طرح سے ذلیل و خوار کیا گیا ۔

ہم میں بھی عورت کا درجہ بہت ہست تھا مرد کو اس بات پر پورا  
اختیار تھا کہ وہ جب چاہے عورت کو گھر سے نکال دے وہ جانوروں کی طرح  
ہے جان ملکیت سمجھی جاتی تھی ۔ جزیرہ نما عرب میں بھی اس کا وجود باعث  
نگ و عار سمجھا جاتا تھا اور لڑکیاں زندہ دفن کردی جاتی تھیں ۔ پھول سے  
نازک بچیوں کا اپنا ہی باپ خاندانی عزت و ناموس کی خاطر ان کو زندہ در گور  
کردیتا تھا اور اس بات میں بڑی خوش محسوس کرتا تھا کہ کسی کو اپنا داماد نہ  
بنائیں کیونکہ یہ چیز ان کے سماج میں بہت مذموم سمجھی جاتی تھی اور لڑکیوں کی  
کفالت اور تربیت کو ایک بوجھ سمجھا جاتا تھا اور مردوں کو اختیار تھا کہ وہ جس  
تدر عورتوں سے شادی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں ۔

یہودیت میں بھی عورت کی حیثیت کم تر درجہ کی تھی۔ " ان کے یہاں لڑکیوں کا درجہ لڑکوں سے بہت ہی کم تھا بلکہ نوکر جاکر سے بھی بدتر تھا۔ بھائیوں کی موجودگی میں اسے میراث کا حق نہ ملتا تھا یہاں تک کہ باپ اپنی لڑکیوں کو بھی فروخت کر دیتے تھے؟ " یہودیوں کا کہنا ہے کہ عورت ہی کی وجہ

[illegible]

سے آدم علیہ السلام کو زمین پر آنا پڑا ان کی نگاہ میں عورت شہطان کی سواری تھی اور بچھو کی طرح سے ہے جو انسان کے ڈنگ مارنے کی فکر میں رہتا ہے۔  
ن کے ہاں عورتوں کے بارے میں یہ خیالات مذہبی شکل اختیار کرچکے تھے۔

علیٰ هذا عہدنامت میں بھی عورت کی حالت وقت بہت ناگفتہ بہ تھی نہ اس  
 و لونڈیوں سے بدتر سمجھا جاتا تھا ان پر جانوروں کی طرح حکومت کی جاتی تھی  
 زہر بہ کہا جاتا تھا کہ اس طبقہ کے لئے ہمارے پاس کوئی آرام و آسائش نہیں  
 ہے اسی وجہ سے زرا زرا میں بات پر ان کو ذبح کر دیا جاتا تھا چنانچہ بیان  
 ہا جاتا ہے کہ عہدنامت میں لڑکیوں کو زندہ جلادیا <sup>لاکھ</sup> ۱۰۰۰۰۰

ہندو معاشرہ نے بھی عورت کو بہت ذلیل و خوار کیا وہ زندگی بھر باپ  
 شوہر یا بیٹوں کے ماتحت رہتی تھی ۔ " سنی کی رسم کا رواج ظلم تھا یعنی شوہر  
 ے مرنے پر اسکو بھی قوتاً نوہر کے ساتھ ساتھ چتا کے شعلوں کے سہرہ کر دیا جاتا  
 تھا چنانچہ وہ اپنی زندگی کو اس طرح سے ختم کر دیتی تھی ۔ اور ہندو دھرم  
 میں یہ ایک عظیم الشان کارنامہ خیال کیا جاتا تھا گھر کے کاموں میں قطعی اسکو  
 خود مختاری حاصل نہ تھی ان کا خیال یہ تھا کہ شہزادوں سے تہذیب اخلاق  
 علموں سے شہرین کلامی ، قمار بازیوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی  
 چاہئے ۔ " اس کی مکاری کا عالم یہ ہے کہ اگر کسی مرد کے ساتھ ہونی ہے  
 تو جب تک وہ دولت مند رہتا ہے تو اس کے ساتھ رہتی ہے اور مفلس ہو جانے پر  
 اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے ۔ غرض کہ جتنی قومیں اپنے آپ کو متدین سمجھتی تھیں  
 وہ عورت کی حیثیت کو اچھی طرح نہ سمجھ پائیں ۔ لیکن ان تمام مذاہب کے  
 علاوہ صرف مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورت کی حیثیت اور اس  
 کی اہمیت کو خوب اچھی طرح سمجھا ہے ۔

چنانچہ اسلام اخلاقی نقطہ نظر سے عورت کو مختلف حیثیت سے دیکھتا ہے اور ہر حیثیت کے اعتبار سے جدا جدا احکام نافذ کرتا ہے مثلاً عورت ایک انسان ہے اور انسان ہونے کے لحاظ سے وہ صف خاص میں داخل کی جاتی ہے۔ "نیز عورت

۱۔	مسلم پرسنل لا اور اسلام کا	عاطلی نظام	صفحہ ۲۰۶	شمس تبریز خان دارالعلوم ندوۃ العلماء
۲۔	دین رحمت	صفحہ ۱۰۲	شاہ معین الدین احمد	ندوی سارف پریس انجمن مدرسہ اسلامیہ لاہور ۱۹۴۷ء
۳۔	" "	" ۱۰۲	" " "	" " "

ایک ایسا فرد ہے جو حیات اجتماعی کا ایک جز تصور کی جاتی ہے<sup>۱</sup> اور وہ اسی طرح انسان ہے جس طرح کہ مرد انسان ہے انسانیت کے خانے میں دونوں برابر ہیں کوئی فرق کس قسم کا نہیں۔ انسانی حقوق میں دونوں کے لئے یکساں آزادی حاصل ہے حضور اکرم صلی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عورتیں بلا شبہ حقوق انسانیت میں مردوں کے برابر اور ان کے ہم دوش ہیں اسی لحاظ سے اسلام نے عورت کے وقار کو اونچا کر کے اس کو عزت کے مقام پر پہنچا دیا اور باپ کو یہ بتایا کہ بیٹی کا وجود نہرے لئے کوئی عار کی بات نہیں ہے بلکہ اس کی تربیت اور پرورش نہج جنت کا مستحق بناتی ہے۔ نیز شوہر کو یہ بتایا کہ نیک بیوی نہرے لئے بہت بڑی نعمت ہے اور بیٹھے کو یہ بتایا کہ خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ عزت اور حسن سلوک کے مستحق نہرے مان باپ ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور اپنے والدین کی نافرمانی اور حق تلفی کو حرام فرمایا ہے"<sup>۲</sup> مزید یہ بھی ارشاد فرمایا۔ "ان الجنة تحت اقدام امہا تک"<sup>۳</sup> یعنی جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ شریعت نے لڑکی کو جب تک کہ وہ سن بلوغ کو نہ پہنچے اس وقت تک اس کو اسکے مان باپ یا اس کے سرپرستوں کے زیر نگرانی ہی رکھا ہے اور میراث والدین کا حقدار بھی اس کو ٹھہرایا ہے لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو چاہے وہ جھوٹی ہوں یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اسی طرح بیٹے جو نابالغ ہوتے تھے ان کو بھی میراث نہیں ملتی تھی صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے بنیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا چنانچہ ان کے بارے میں ارشاد خداوندی یہ ہے کہ "للرجال نصیب مما ترکہ الوالدان والا قرلون وللنساء نصیب مما ترکہ الوالدان والا ترہون مما قل منه او کثر نصیباً مفروضاً"<sup>۴</sup> یعنی مردوں کا ہے اس میں جو چھوڑ مرہن مان باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے

۱۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق صفحہ ۳۲۵۔ مولانا محمد حفظ الرحمان سہواری  
 ۲۔ ترمذی شریف باب الاحسان۔ ۳۔ سورۃ نساء رکوع (۱)  
 ۴۔ مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد و ابی دینہ  
 ۵۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق صفحہ ۳۲۸۔ مولانا محمد حفظ الرحمان

اس میں جو جوڑ مرین مان باپ اور قرابت والے خواہ تھوڑا ہو یا بہت یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے اس آیت میں حق والین کا حق اور اسکا تقرر اور اسکا تعین بالاجمال بتایا گیا آئندہ رکوع میں وارثوں کے پورے حصہ کی تفصیل آئے گی۔

علاوہ انہیں اسلام نے ازدواجی زندگی میں بھی عورت کے اقرار اور اکار کو اسی طرح کی آزادی بخشی ہے جس طرح کہ مرد کو بخشی گئی ہے چنانچہ شادی بیاہ کے معاملے میں عورت مرد دونوں کو اپنی مرضی کی نکاح کرنے کا حق حاصل ہے اسی طلاق کے معاملے میں بھی مرد اور عورت یکساں مرتبہ رکھتے ہیں۔ یعنی جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق خلا کی شکل میں عطا فرمایا گیا ہے۔ " لیکن یہ صورت اس وقت ممکن ہوگی جب کوئی مجبوری آن پڑے۔

نیز سیاسی و شہری معاملات میں بھی عورت اس طرح حقدار ہے جس طرح مرد حق دار ہوتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو اجتماعی زندگی کے تمام علمی اور اخلاقی پہلوؤں میں مرد کے برابر رکھا ہے اور وہ تمام جماعتی حقوق دیتے ہیں جو دیگر افراد کے لئے ہیں جیسے عورت کے بھائی ٹوہر اور باپ اپنی ملکیت میں تصرف کا حق رکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی اپنی ملکیت و سرمایہ کی مالک و مختار ہے اس کو اسکو اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے میں مطلق آزادی دی گئی ہے۔ عورت آقام بن کر بھی رہ سکتی ہے اور ہر چیز کی مالک بھی بن سکتی ہے اور غلاموں کو خرید کر آزاد بھی کر سکتی ہے۔

اسلام نے عورت ہی کی بدولت رفتہ رفتہ ترقی کی منزلیں طے کیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نزول وحی کے وقت دلجوئی و تسلی و تسکین بخشی۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اسلام کی جدوجہد میں حصہ لیا اور نیک مشورے حضور صلی علیہ وسلم کو دئے۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم کو ہی یہ مریم بالسلام پر فخر و ناز ہے تو مسلمان حضرت خدیجہ اور عائشہ زوجہ رسول اور حضرت بی بی فاطمہ بنت رسول پر ناز کر سکتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں انہوں صاحبزادے انتقال کر گئے تو آپ نے اپنی توجہ کا مرکز حضرت بی بی فاطمہ کو بنالیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں عورت کی کس قدر

اسلام نے عورتوں کو جو عظمت اور عزت دی ہے وہ سب پر آشکار ہے خصوصاً مذہبی شعائر میں ارکان حج کا ایک بہت بڑا رکن مقام صفا و مروہ میں دوڑنا اور سعی کرنا ہے جیسا کہ ارتداد باری ہے۔ ان الصفا والمروہ من شعائر اللہ فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما ومن تطرف خيرا فان الله تلک علیہم ! یہ تلک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی خاص نقلینوں میں سے ہیں ہیں جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ و مضائقہ نہیں ہے کہ ان دونوں کا طواف بھی کرے ۔ یعنی صفا و مروہ کی سعی بھی کرے اور جو شخص اپنی خوبی سے تطوع کے طور پر کوئی بھی بھلائی کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کا قدردان ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

صفا و مروہ کی سعی میں حضرت بی بی ہاجرہ زوجہ مطہرہ حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی حرف بحرف پوری تقلید تمام امت مسلمہ کے لئے قرار دی گئی اور خانہ کعبہ کا حج ساری عمر میں ایک بار ہر صاحب استطاعت کے لئے فرض کیا گیا وہ خانہ کعبہ جو سر زمین مکہ معظمہ میں پوری دنیائے اسلام کا مرکز ہے جسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ<sup>۱</sup> سے تعبیر فرمایا ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ کا پاک گھر خانہ کعبہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے جہنم سے نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بنایا تھا اور تمام دنیا کے لوگوں کو ہمارے حج کا اعلان کیا تھا چنانچہ قرآن کریم کے اندر سورہ حج میں خاص طور سے اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ۔ واذ یوانا لا ابراهیم مکان البیت ان لا تشربک فی تمیماً و طہراً بیٹی للطائفین والقائمین والرمک السجود واذ فی الناس بالحق بانوک رجلاً و علی کل صنام باتین من کل فج عیبی یعنی جب ٹھیک کردی ہم نے ابراہیم کو جگہ اس گھر کی تو ہم نے حکم کیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے ۔ اور لوگوں میں حج کے واسطے

۲ - سورۃ انعام - رکوع (۱۱)

۱ - سورۃ بقرہ رکوع (۱۹)

۳ - سورۃ حج رکوع (۲)



واسطے اعلان کر دینا تاکہ وہ سب تمہاری طرف ہیروں چل کر اور سوار ہو کر دہلے اونٹوں پر دور دراز راہوں سے چلے آئیں ۔ " پس جب خانہ کعبہ تعمیر ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابو قبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے لوگوں تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے لہذا تم سب حج کو آؤ چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک انسانی روح کو پہونچا دی ۔ چنانچہ خدا کی طرف سے جس کے لئے حج مقدر ہو چکا تھا اس کی روح نے لبیک کہا ۔ یہ وہی شوق کی دی ہوئی جنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پیادہ پا تکلیفیں اٹھاتے ہوئے مکہ معظمہ حاضر ہوتے ہیں اور ہزاروں آدمی کتنی دور دراز سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے وہ خود اور ان کی سواریاں و اونٹنیاں تھک جاتی اور دہلی ہو جاتی ہیں ۔ یہ گویا اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی ۔ رہنا انی اسکت من ذریعتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم رہنا لیمقیمو الصلوۃ فاجعل انشدۃ من الناس تعوی الہیم وارزقہم من الثمرات لعلہم یشکروں ! وہ کہ اے پروردگار میں نے اپنی ایک اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس اسے میدان میں بسایا ہے جہاں کہیں کھیتی نہیں ہے پروردگار ان کو محض اس لئے بسایا ہے تاکہ وہ نماز قائم رکھیں ۔ اے اللہ تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ فرمادے تاکہ یہاں آئیں جس سے ہماری عبادت ہوتی رہے اور ان کو روزی عطا فرمادے مہوون سے شاید وہ لوگ شکر ادا کریں ۔ "

حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سب دعائیں قبول فرمائیں آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی متوق و مغرب ہر طرف سے کھنچ کھنچ کر وہاں پہونچتے ہیں اور اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ معظمہ میں بہتات اور افراط ہوتی ہے جو شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہو ۔ نیز اس میں ان کی بیوی حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے عمل کی مقبولیت کی نشانی بھی ہے کہ ان کی تقلید میں تمام امت مسلمہ کے لئے حج فرض ہوا ۔ اور حج کے تمام افعال و اطل جس طرح کے وہ بجا لائی نہیں سب کے سب ضروری قرار دئے گئے ۔

عورتوں کی منجملہ عزت و حرمت کے ایک چیز بھی ہے کہ قرآن ہائیک کی ایک سورۃ جس کا نام سورۃ نساہ ہے اس میں عورتوں ہی کے خاص احکام و ضروری مسائل بتائے گئے ہیں مردوں کے نام پر کوئی سورت نازل نہیں ہوئی ۔ ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں عورتوں کا کتنا بڑا درجہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا معمول تھا کہ ہر مذہب و ملت اور ہر قوم کی آپ قدر و منزلت فرماتے تھے اس میں کسی بڑے جھوٹے کا کوئی فرق و امتیاز نہ تھا ۔ آپ اپنی بیویوں کی سہیلیوں کی بھی بے حد عزت کیا کرتے تھے اور ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارکہ بچھا دیا کرتے تھے۔ نیز اپنی بیٹیوں بالخصوص حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی نہایت عزت و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے ۔ آپ ہمیشہ فرماتے کہ عورتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور خاطر مدارات سے پیش آؤ ۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ " عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة كالضلع ان اقمنا کسرنا وان استمنعت بها استمنعت و فیہا عوج !"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائیگی اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو تو اس کے لئے ٹیڑھے پن ہی میں فائدہ اٹھا سکتے ہو۔<sup>۱</sup> بہر حال اسلام نے عورتوں کو جو جائز آزادی بخشی ہے وہ اس شرط پر موقوف ہے کہ عورتیں اپنی عفت و پاکدامنی اور اپنی عزت و ناموس کا پوری طرح خیال رکھیں ۔ آج کل کے دور کی طرح سے نہیں کہ میدان عیش و عشرت میں بے نقاب ہو کر غلامی عہد کا تذکار بن جائیں ۔ اسلام نے عورتوں کی جس حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور جو حقوق اسکو عطا کئے ہیں اور جو آزادی اس کو بخشی ہے اس نے اس کا غلط فائدہ اٹھایا جس سے انسانیت بھی شرما جاتی ہے حالانکہ عورت خود ہی شرم و حیا کا ایک پیکر ہے اس کے لئے یہ چیز لازمی و ضروری قرار دی گئی ہے ۔ لہذا البتہ وہ عورتیں جو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر کاربند ہیں اور اس کے

۱۔ مسلم شریف صفحہ ۶۵ کتاب الرضاع

۲۔ اسلام کا نظام امن صفحہ ۳۲۵ محمد ظفر الدین مفتاحی - شعبہ تصنیف و تالیف

مطابق اپنی زندگی گزار رہی ہیں وہ صحیح معنی میں عورت کہلانے کی مستحق ہیں اور وہ ایسے کام انجام دے سکتی ہیں جو باعثِ تحسین و آفرین ہیں ۔  
ایسی عورتیں اپنی روز مرہ کی عملی زندگی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہیں جو دوسروں کے لئے مشعلِ توجہ راہ بنیں ۔

### ” زنا اور اس کی حد “

نظام اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کرنے والی زنا ایک ایسی موزی اور مہلک بیماری ہے جس سے نہ صرف انسانی اخلاق ہی متاثر ہوتے ہیں بلکہ عام معاشرہ نہاد کن صورت اختیار کر لیتا ہے چنانچہ اسلام نے اس بیماری کو شروع ہی سے صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی اور لوگوں کی عصمت اور عفت پر کافی زور دیا جس کی حفاظت حکومت کے فرائض میں داخل ہے ۱۔

دراصل اس قسم کے جذبات تو انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہوتے ہیں جس کی بناء پر اکثر دو طبقوں کہ میں جنگ و جدل ہو جانا معمولی سی بات ہے ۔ بہت سے اس قسم کے تاریخی واقعات شاہد ہیں جن کی وجہ سے خون کی ندیاں بہہ گئیں ۔ اگر کوئی شخص کسی پر اس قسم کا کوئی الزام لگا دیتا تو لوگ اسی بات پر لڑتے مرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے ۔ اور بہت سے باعزت خاندان ذرا ذرا سی بات پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے لیکن اپنی عزت و حرمت پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتے ۔

مگر آج کے دور کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ عربانی نے اس درجہ ترقی کر لی ہے کہ عفت و عصمت کے نام کی کوئی چیز ہی باقی نہیں رہی جس کا انجام یہ ہوا کہ بہت سے ترقی یافتہ ممالک تو ان ناشائستہ حرکات پر فخر کر کے ان پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں ۔

۱ ۔ اسلام کا نظام امن صفحہ ۲۲۵ محمد ظہیر الدین مفتاحی ۔

مثلا آج بھی عورت شوہر کی موجودگی میں باہر کے لوگوں سے آزادانہ تعلقات قائم رکھتی ہے اور اس چیز کو قطعی برا نہیں سمجھتی۔ کسی ملک میں شرح پیدائش گرنے لگتی ہے تو اخبارات کے ذریعہ لوگوں کو للکارا جاتا ہے کہ بچے پیدا کرو اور نکلخ کے رسی قہود کی پرواہ نہ کرو۔ اس سے آزاد پسند ذہنوں کی دلی مرادیں برآتی ہیں اور وہ لوگ خوب دل کھول کر زنا کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس سے زنا جیسی بدکاری ایک معصوم شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر اسے کوئی عیب کی بات نہیں سمجھتا۔ لیکن اس کثرت زنا کی وجہ سے لوگوں کی جسمانی قوت رفتہ رفتہ زائل ہونے لگتی ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہزاروں انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ کہیں تو اس کے کو ایک ہمیشہ کے طور پر اپنا کر ہر شکلیہ سر عام زنا کاری کی جاتی ہے اور کہیں خفیہ طور پر آشنائی کر کے برہمائی کو فروغ دیا جاتا ہے۔ بہر حال انجام کار نہا ہی اور ہلاکت ہی ہے جسکی وجہ سے انسانوں کے اندر طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور معاشرہ عام طور پر گندہ اور خراب ہو جاتا ہے۔ اخلاق ذہیمہ و زہیلہ فروغ پانے لگتے ہیں۔ عفت و عصمت کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ انہ وجوہ کی بناء پر اسلام نے زنا کو حرام اور جرم عظیم قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں جگہ جگہ اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ نسی اسرائیل میں ارشاد ہے "ولا تقربر الزنا انه کان فاحشۃ و ساء سیلا ولا تغفلوا انفس النی حرم اللہ الا بالحق" اور اے لوگوں تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بلا شہید وہ بکری برہمائی کی چیز ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے۔ اور نہ کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے ناحق قتل کرو۔

اس چھوٹی سی آیت میں زنا جیسی بدکاری کی پورے طور سے وضاحت کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ خیردار تم اس لعنت کے قریب بھی نہ جانا کیونکہ اس میں گرفتار ہو کر پھر تم خدا کی نظر میں برے حد ذلیل و خوار ہو جاؤ گے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو ان سے بھی تمام برے اخلاق و اعمال سے بچنے کا آپ عہد لیتے تھے۔

۱۔ سزۃ بنی اسرائیل رکوع (۴)

۲۔ سورۃ مومنین رکوع (۳)

جیسا کہ حکم خداوندی بھی ہے۔

”یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات ثبا بمعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادہن ولا یاتین بہتان بفتورینہ بین ایدہن وارجلہن ولا یمصینک فی مصروف فبا یعہن واستغفر لہن اللہ ان اللہ غفور رحیم۔“ اے نبی جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں تو وہ فقط آپ سے اس بات پر بیعت لیں کہ وہ ہر گز اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ جوڑی کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان طرازی کریں گی اس کو انہوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے اور نہ نیک مشروع باتوں میں آپ کی خلاف ورزی کریں گی۔ پس اے نبی آپ بھی ان سے اس بات پر بیعت لیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ ہر شے اللہ تعالیٰ بڑا ہی مغفرت والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔“ علی ہذا آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے بھی بیعت لی ہے چنانچہ بخاری شریف جلد اول میں اس طرح مذکور ہے

”یا یمونی علی ان لا تشرکوا باللہ ولا شیئاً تسرقوا ولا تزنیوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا بہتان بفتورینہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تصصوا فی مصروف۔“ رواہ البخاری۔ اے لوگوں تم اس بات پر مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ کا نہ تو کسی کو شریک ٹھہراؤ گے نہ جوڑی کرو گے نہ بدکاری کرو گے نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ اپنی طرف سے کسی کو بہتان لگاؤ گے اور نہ کسی بھلی بات میں نافرمانی کرو گے۔

خدا اور رسول کے ارشادات کو پڑھنے کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں زنا جیسی بدکاری سے بچنے کی کس قدر سخت تنبیہ اور تاکید کی ہے جس سے بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور انسانی اخلاق و اعمال بھی متاثر ہوتے ہیں اور معاشرہ کا امن و امان بھی تباہ و برباد ہوتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو کر نسل انسانی کفرور ہوتی چلی جاتی ہے

۱۔ سورۃ متحنہ رکوع (۲)

۲۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الحدود

— 118 —

والذين لا يدعون من الله شيئا

مکتوبات

---

سورة فلقان وكم ء (٦)

اٰكل واحد منهما مائة جلدة <sup>ولزنا</sup> ~~مائة~~ خذكم بهما زاء فة في دين الله ان كنتم تو منون بالله  
واله يوم الآخر وليتخذ عذا بهما طائفة من المؤمنين !

"زنا کار عورت اور زنا کار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو تین سو کوڑے مارے اور  
قانون الہی کے ماتحت حکم جلانے میں تم کو ان پر ہرگز رحم نہ کھانا چاہئے  
اگر تم اللہ اور ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہو ۔ اور چاہئے ان کو سزا دئے جانے  
کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی ان کو دیکھنے کے لئے حاضر رہے۔"

ڈاکٹر سید علی اسلم کہتے ہیں کہ " نانی مرد اور عورت دونوں کو منظر  
عام پر سزا دئے جانے کی شرط اس وجہ سے رکھی گئی ہے تاکہ دوسرے لوگ عبرت  
حاصل کر سکیں اور آئندہ اس فعل بد کا کبھی کمی مرتکب نہ ہوں !

کوڑے مارنے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سزا صرف نصیحت  
کے لئے ہے جان سے مارنا مقصود نہیں یعنی اتنا نہ مارا جائے جس سے موت  
واقع ہو جائے کیونکہ ایک زنا سے شہ کی وجہ سے مجرم نہیں گردانا جا سکتا تا  
وقت کہ جرم ثابت نہ ہو جائے ۳۔ " اس سے قبل مختلف مذاہب میں مختلف سزائیں  
عورت اور مرد دونوں کو دی جاتی تھیں لیکن اسلام نے کوڑے لگائے جانے یا رحم  
کئے جانے کی خد اور سزا مقرر کی ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ زنا کے بارے  
میں پوری شہادت مل جائے ۔ مصریوں کے یہاں مرد کو لاشعین سے کوٹا جاتا تھا  
اور عورت کی ناک کاٹ لی جاتی تھی یہی سزائیں بابل اور ایران میں بھی رائج تھیں  
ہندوؤں میں عورت کو کتوں سے بھڑوا یا جاتا تھا اور مرد کو گم گم لوہے کے پلنگ  
پر لٹا کر چاروں طرف آگ لگادی جاتی تھی ۔ یونان اور روم میں ہاتھ قتل کر دیا  
جاتا یا ملی تعاون بطور جرمانہ وصول کر کے چھوڑ دیا جاتا تھا قسطنطنیہ میں مرد  
اور عورت دونوں کے لئے سزائے موت مقرر تھی ۱۔ لیکن " اسلام نے اس قسم کی  
کوئی سزا نہیں رکھی نہ جان سے ختم کیا نہ گم گم پلنگ پر لٹانا تجویز کیا نہ

۱۔ سورۃ نور رکوع (۱) ۲۴۔ اسلام کا جمہوری نظام صفحہ ۵۵۶

۲۔ اسلام کا جمہوری نظام صفحہ ۵۵۷ ۳۔ تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۴۱

۴۔ ۲۵۵  
ترجمہ ابو الدیلمی مودودی مکتبہ جامعہ اسلامیہ

سید علی اسلم زنا کی سزا

ناک کٹوائی نہ کتوں سے پھٹوایا بلکہ شہادت ملنے پر برسرِ علم تلو تلو کوٹے لگوائے یا سنگ سار کٹے جانے کا حکم جاری کیا تاکہ وہ اپنے برے اعمال کا زہرلا اور برا اثر معاشرہ میں نہ پھلائے ! لیکن یہ سزا اطم ابنِ نیمہ کے نزدیک اس وقت دی جائے جبکہ چار گواہوں کی گواہی ملجائے یا وہ خود چار دفعہ اقرار کرلے ۴

زنا ۳ سنہ ۳ ہجری میں قابلِ جرم قرار دیا گیا تھا لیکن قانونی شکل اس وقت تک نہ ہوسکی تھی اسکی وجہ سے ریاست کی پولس یا عدالت کوئی کارروائی کر سکے بلکہ اسکی حیثیت معاشرتی یا خاندانی جرم کی سی تھی ۵ لہذا خاندان والوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جس قسم کی سزا چاہیں دے سکتے ہیں اس کے بعد اس نے قانونی شکل اختیار کرلی یہ قانون زنا کی سزا کو قانون مملکت کا ایک حصہ قرار دیتا ہے ۵ اب حاکم وقت پر یہ لازم ہوتا ہے کہ جو سزا اسلام نے مقرر کردی ہے اس پر عمل کرے اور وہ ہی سزا دے اپنی طرف سے کوئی تخفیف نہ کرے اور نہ معاف کرنے کی کوشش کرے اور نہ مالی تاوان لیکر سزا میں کمی قسم لایا دے یا کمی کرے ۔

اس قسم کی تفریق کرنا مغربی ممالک کا طرز امتیاز ہے چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کا لڑکا کسی کے ہاں نوکر تھا اس لڑکے نے مالک کی لڑکی کے ساتھ زنا کیا لڑکے کا باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ عرض کیا کہ سو بکریاں اور ایک لونڈی لے کر سزا کو ختم کر دیا جائے مگر حضور نے اس کو رد فرما دیا اور لڑکے کو قانون کے مطابق سزا دی گئی ۔ البتہ دوسرے مذاہب میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ مالی تاوان لیکر سزا کو ختم کر دیا جاتا ہے لیکن مقتد ممالک امریکہ وغیرہ میں تو شدید جرم کی کوئی سزا مقرر ہی نہیں کی گئی ۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ہر سال کم از کم ہندو لاکھ حمل صاف کٹے جاتے ہیں اور ہزار ہا بچے پیدا ہوتے ہی ختم کردئے جاتے ہیں ۶ انگلستان میں بھی نویں ہزار حمل سالانہ صاف کٹے جاتے ہیں ۔ شادی شدہ عورتوں میں اس

۱۔ اسلام کا جمہوری نظام صفحہ ۵۵۸ ۲۔ سیاست شرعیہ ابنِ نیمہ

۳۔ تفہیم القرآن جلد سوم ص ۲۲۵ - ۲ - تفہیم القرآن جلد سوم ص ۲۲۵

۵۔ تفہیم القرآن جلد سوم ص ۳۲۲ ۶۔ پردہ صفحہ ۷۱ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی



اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے! فرانس میں کثرت زنا کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو کر ان سے ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں! ۱

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سزا مقرر نہ کرنے کی صورت میں زنا کی تباہ کاریاں کس قدر پھیلی ہوئی ہیں جس کی بدولت قوم کا کتنا زہر دست جانی و مالی • اخلاقی و سیاسی و تمدنی نقصان ہو رہا ہے۔ دوسرے زنا جیسی بدکاری میں نسوانی عفت و عصمت کی کس قدر لوٹ ہے! ۲ کہ زانی بدکار شخص ایک ایسا ڈاکو ہے جو صنف نازک کمزور و ناتوان ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بنا لیتا ہے اور شرم و حیا کی چٹانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے! لہذا ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے قرآن و حدیث میں اس جرم عظیم کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تاکہ یہ بیماری و لعنت پروان چڑھ کر اپنی جڑیں مضبوط و مستحکم نہ کر سکے چنانچہ قرآن کریم میں اس سزا کی طرف واضح اور صاف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ نیز حدیث نبوی میں بھی اس کی تفصیل اس طرح سے وارد ہوئی ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ "آنکھیں زنا کرتی ہیں۔ آ نکھیں زنا کرتی ہیں۔ آنکھوں کا زنا نظر کرنا اور دیکھنا ہے۔ ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں۔ ہاتھوں کا زنا دست درازی ہے۔ باؤں بھی زنا کرتے ہیں بیڑوں کا زنا اس کی طرف چلنا ہے۔ اور زبان کا زنا گفتگو کرنا ہے۔ اور دل کا زنا اس کی تمنا اور خواہش کرنا ہے۔ آخر میں صنفی اعضاء یا تو اس بات کی تصدیق کر دیتے ہیں یا تکذیب ۵

اس سے ظاہر ہوا کہ جسم کے تمام اعضاء زنا جیسے گناہ میں ملوث ہو سکتے ہیں اگر انسان تو بہ کر لے تو سزا سے بچ جائے گا ورنہ اس کا مستحق ہوگا۔ غیر شادی شدہ اشخاص میں اگر زنا میں ملوث ہوتے ہیں تو ان کو نفلو نفلو کوڑے پر سر عام لگائے جائیں گے لیکن اگر تلمیذی شدہ مرد اور عورت زنا کرتے ہیں تو ان کی سزا میں اور شدت پیدا ہو جائیگی اب سو کوڑے کے بجائے ان کو سنگسار ۶

۱۔ پردہ صفحہ ۷۵۔ مولانا ابو علی مودودی ۲۔ پردہ صفحہ ۷۵

۳۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت صفحہ ۲۸ محمد ظفر الدین مفتاحی

۴۔ " " " " ۲۸ " " " "

۵۔ بخاری شریف کتاب الحدود ۶۔ اسلام کا نظام امن صفحہ ۳۵۵

کہا جائے گا ۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی شدہ انخاص کی نفسانی خواہشات کی تسکین و تسلی کا ذریعہ موجود ہونے کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر اس پر یہ سخت سزا عائد کی جائیگی ۔ کیونکہ جب اس کی عفت و عصمت کا ذریعہ اور سبب موجود تھا تو پھر اس نے جائز طریقہ کے ہونے ہوئے ناجائز طریقہ کہیں اختیار کیا اور دوسروں پر غلط نگاہ کہیں ڈالی صرف اسی وجہ سے اپنی نفسانی خواہشات کو جا اور ہے جا ہر طرح سے تسکین دے سکے ۔ یہ چیز سراسر غلط اور قطعاً نا مناسب ہے ۔ لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے رحم یعنی سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔ بعد میں خلفائے راشدین نے بھی اپنے اپنے زمانے میں اسی سزا کو قائم رکھا ۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔

" لقد خشيت ان يطول الناس زمان حتى يقول قائل لا نجد للرجم في كتاب الله شيئاً فبخلوا ا بترك فريضة انزلها الله تعالى ۔ الا وان الرجم حق على من ربي وقد احسن اذا اقامت البيعة او كان الحمل ۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ایک زمانہ گزر جائے کہ بعد کوئی یہ آواز اٹھائے کہ ہم تو کتاب اللہ میں رجم کا حکم ہی نہیں پاتے ۔ پھر اس طرح وہ ایک ایسے فریضہ کو جھوڑ کر جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے گمراہ نہ ہو جائیں ۔ لوگوں خبردار رہو ۔ سن لو رجم اس شخص پر حق اور واجب ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے ۔ بشرطیکہ نبوت شرعی قائم ہو یا حمل ثابت ہو جائے یا اعتراف پایا جائے ۔

فی الجملہ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ صحیح بھی ہے کہ غیر شادی شدہ اور شادی شدہ کی سزا میں فرق ہونا چاہئے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شادی شدہ کے بارے میں رجم کی سزا مقرر کردی گئی تھی چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ۔

انی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل وهو فی المسجد فناداه یا رسول اللہ وسلم انی زہنت فاعرض عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنتیجی بشق وجهہ الذی اعرض قبلہ فقال انی زہنت فاعرض عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلنا شهد اربع شہادات

دعاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابک جنون قال لا فقال احصنت  
 قال نعم یا رسول اللہ صلی علیہ وسلم قال اذہبوا بہ فارجموہ " -  
 ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا - اس  
 وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ آپ کو پکار کر کہنے لگا کہ یا  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ نے  
 منہ پھیر لیا وہ شخص اس طرف چلا گیا جس طرف آپ نے چہرہ انور پھیرا  
 تھا اوس نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے  
 زنا کیا ہے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منہ پھیر لیا - جب  
 اس طرح کہہ کر اس نے چار گواہیان فراہم کر دیں تو آپ نے اسے بلا کر  
 پوچھا کیا تجھے جنون کی بیماری ہے اس نے کہا نہیں ملے آپ پھر  
 دریافت کیا کہ بتاؤ تم شادی شدہ ہو اس نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے حکم فرمایا کہ اس کو لیجا کر سنگسار کرو ملے  
 بہر حال شادی شدہ مرد اگر زنا کرے تو اس کے لئے <sup>سخت</sup> قدر حکم ہے کہ  
 اگر وہ بھاگے تو اس پر اتنے پتو برسائے کہ وہ مر جائے - آج کل کے لوگ  
 اس قسم کی سزا کو سن کر اعتراض کرتے ہیں - لیکن اگر چشم حقیقت سے  
 دیکھیں تو یہ بات بداہتہ بالکل آشکارا ہو جائے گی کہ اگر ایسی سزا  
 مقرر نہ کی جاتی تو آج مذہب اسلام کا حال بھی وہی ہوتا جو دیگر  
 مذاہب کا ہوا ہے کہ زنا کی تباہ کاریاں ان کے ہاشرے میں کس قدر  
 ابتوی پھیلائے ہوئے ہیں - آج بھی مسلم ممالک مثلاً سعودی عربیہ وغیرہ  
 میں جو اسلامی قانون کے مطابق سزائیں رائج ہیں وہاں اس قسم کی  
 بدکاریاں وغیرہ دیکھنے کو نہیں ملتیں - لیکن شرط یہی ہے کہ جرم  
 شہادت سے ثابت ہو جائے اور گواہ و مجرم عاقل و بالغ بھی ہوں تاکہ  
 مجرم کی برائی کو ~~کھلی~~ بخوبی ہر شخص سمجھ سکے - لہذا جب جرم کا

ثبوت اس طرح سے محقق ہو جائے گا تب ہی سزا کا اعلان کیا جائے گا ۔  
 آج کل اگرچہ اس قسم کی سزائیں نہیں دی جاتی ہیں ۔ لیکن اسلام نے یہ  
 سزا مقرر کر کے تمام جرائم کا قلع قمع کر دیا ہے اور ریاست کے حاکم اعلیٰ  
 کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ شریعت کے مطابق جرائم کی سزا کو  
 ریاست میں جاری کر کے اس کی فلاح و بہبود کو قائم رکھنے کی کوشش کرے  
 تاکہ اخلاقی بنیادیں استوار رہ سکیں اور اخلاق حسنہ کی تکمیل کے ساتھ  
 انسانی برادری راحت و سکون امن و چین سے زندگی گزار سکے کیونکہ بغیر  
 اس کے نہ تو انسانی برادری ایک دوسرے سے منسلک رہ سکتی ہے اور نہ  
 بغیر اس کے باہمی میل و محبت و مساوات قائم رہ سکتی ہے ۔

### لواطت ۔

لواطت ایک تہاہ کن بیماری ہے جو اخلاقی جڑوں  
 کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے "  
 مرد کا مرد کے ساتھ شہوانی تسکین ڈھونڈنا " لہ لواطت کہلاتا ہے ۔

ایسے لوگ جو اس بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں  
 اس کے اثرات ہاشرے پر مختلف طریقے سے ہوتے ہیں مثلاً جمالیاتی تصور  
 بدل جاتا ہے اور غیر فطری طریقہ کی طرف مائل ہو کر اس مرض کے بیمار  
 کی فطرت ہی بیمار ہو جاتی ہے ۔ جس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ  
 عورتیں بے راہ ہو جاتی ہیں اور تمدن زندگی میں اخلاقی بربادی اپنی  
 انتہا کو پہنچ جاتی ہے ۔ قرآن کریم نے قوم لوط کا ذکر کے بار بار اس  
 پر زور دیا ہے کہ اس کا ربد سے بچو اور خدا کے قہر سے اپنے آپ کو  
 بچاؤ اس فعل بد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے کہ ۔

---

لہ ۔ اسلام کا جمہوری نظام ص ۵۵۲ ڈاکٹر سید علی السمر افسر برادر لاہور

ولوطا اذ کمال لقوه انا تون الفا حشه ماسبقکم میھا من  
احد تن العلمین انکم لتاتون الرجال شھوہ من دون  
النساء بل انتم قوم مسرفون "

اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا پھر یاد کرھ جب اس نے اپنی قوم  
سے کہا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے  
دنیا میں کسی نے نہیں کیا - تم غورتوں کو چھوڑ کر لہ مردوں سے اپنی  
خواہش پوری کرتے ہو - حقیقت یہہ ہے کہ تم لوگ حد سے گزر گئے ہو "لہ

تفہیم القرآن میں بتایا گیا ہے کہ یہ بات ہمیں  
نہیں اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی کہ یہ ایک ایسا  
جرم ہے جس سے ہاشرے کو پاک رکھنے کی کوشش کرنا حکومت اسلامی کے  
فرائض میں سے ہے - اور یہ کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت سزا دینی چاہئے

یہ ارشاد نبوی حقیقت قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل  
ایت کی تفسیر ہے ارشاد و باری تعالیٰ ہے کہ

" فلما جاء امرنا جعلنا لیھا سافلھا وامطرنا علیھا  
حجازہ من سحیل منضود مسوہ عند ربک "

پھر جب ہمارے فیصلہ کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو مل پٹ  
کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے  
ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ ہے - لہ

لہ - الدِّعَاف ع ۱۰ -

لہ - تفہیم القرآن جلد ۲ - مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مرکزی مکتبہ اسلامی

دہلی ۶۷ - ۱۹۵۸ء

لہ - ہود ع ۷ -

یہ عذاب ایک ٹل زلزلے کی صورت میں نازل ہوا اس  
زلزلے نے ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا لہ

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ ساتھ اس برائی  
سے بھی سختی سے روکا اور اس کی نہایت سخت سزا تجویز کی حدیث  
نبوی میں بھی اس فعل بد کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔  
" ایک مرتبہ حضور نے فرمایا جو شخص اپنے جنس میلان مرد سے پورے کرتا  
ہے یعنی لواطت کرتا ہے رب العزت اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ  
دیکھے گا لہ

لوطی کی سزا کے سلسلہ میں حضور نے فرمایا کہ "  
اس کی سزا قتل ہے لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو قتل کر ڈالو  
فاعل اور مفعول دونوں کو لہ

اس حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو شخص  
لواطت کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے خواہ محسن ہو یا غیر محسن لہ  
اس غیر فطری فعل کی سزا میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے ۔ اسلامی  
ریاست کا یہ فرض ہے کہ ہر اس برائی کا سدباب کرے جس سے ہمارے ہر  
برا اثر پڑتا ہو ۔ چونکہ لواطت بھی ایک ایسا فعل بد ہے جس کے ارتکاب  
سے ہمارے ہر نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے نہ صرف اس  
سے بچنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس کی عبرتناک سزا مقرر کی ہے ۔ یہاں

لہ - تفہیم القرآن جلد ۲ - مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرکزی مکتبہ اسلامی  
دہلی - ۱۹۵۸ء  
کہ - ترمذی شریف جلد ۱ - ص ۱۲۸ دارالفرقان دہلی -  
کہ - ترمذی شریف جلد ۱ ص ۱۲۹ دارالفرقان دہلی -

کہ - اسلام کا نظام عفت و عصمت ص ۲۸۶ - محمد طغیر الدین ندوہ

المصنفین دہلی - ۱۳۷۳ھ  
۱۹۵۳ء

یہہ ذکر شاید بے جا نہیں کہ اسلامی فلاحی ریاست اور نام نہاد مغربی فلاحی ریاستوں میں یہ فرق ہے کہ اسلام کی بنیاد معاشرہ کی اخلاقی درستگی ہے اور مغرب میں اخلاق کا کوئی واضح تصور نہیں چنانچہ انگلستان میں لواطت قانوناً جائز ہے ۔

### " شراب نوشی "

شراب نوشی بھی اخلاقی نظام کو تباہ و برباد کرنے والی ایک موزی بیماری ہے جس سے بچنے کے لئے اسلامی ریاست برابر کوشاں رہتی ہے کہ شراب کے استعمال سے کیا کیا نقصانات پیدا ہوتے ہیں ۔ لہذا اس پر توجہ دینا نہایت ضروری امر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عقل و فہم کی جو دولت انسان کو بخشی ہے وہ بہت ہی اہمیت رکھتی ہے ۔ اسی کی رہنمائی سے انسان ساری دنیا پر حکمرانی کرتا ہے وہ اگر اس لازوال دولت سے محروم ہو جائے تو پھر اس کی ساری خوبیاں ہی بیکار ہیں ۔ عقل ہی کی بدولت انسان کے اندر علمی صلاحیت و لیاقت پیدا ہوتی ہے ۔ لہذا جن چیزوں کے استعمال سے عقل و شعور کی بنیادیں زائل ہو جائیں اسلام نے ان سے بچنے کے لئے سخت تاکید کی ہے نشہ آور چیزیں جتنی بھی ہیں وہ سب عقل کو بہت جلد بے کار کر دیتی ہیں ۔ مثلاً گانجا تازی ۔ افیم و شراب وغیرہ سب سے انسان کا شعور تباہ و برباد ہو جاتا ہے ۔ نشہ اور چیزوں کا ایک بڑا خاصہ یہہ بھی ہے کہ وہ انسان کی نفسانی خواہشوں کو اس درجہ ابھار دیتا ہے کہ وہ انسانیت سے گزر کر حیوانیت پر اتو اتا ہے ۔ اور ایسی ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے کہ نسل انسانی کو بھی اسے دیکھ کر شرم آنے لگتی ہے چنانچہ تمام نشہ آور چیزوں سے بچنے کے لئے شریعت نے بڑی سختی سے روکا ہے ۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے ۔  
 " یا ایہا الذین امنوا انما الحمر والبعیر والا نصاب

هوالا زلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون  
انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء في  
الحر واليسر ويصدقكم عن ذكر الله وعن الصلوة طفهل  
انتم منتهون

"اے ایمان والو بے شک شراب اور جوا اور بت اور فال نکالنے کے تیر  
یہ تو محض گندے اور شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے قطعی بچتے رہو۔  
تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوتے سے  
تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو ذکر الہی اور نماز سے روک  
دے۔ پس تم اب بھی باز آتے ہو کہ نہیں" لہ

اس ایت کریمہ میں شراب کی حرمت کا یہ آخری  
فیصلہ ہے جو سورہ مائدہ میں نازل ہوا ہے جس سے صاف طور ملتا ہے۔ پر  
شراب کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے لیکن اس سے قبل دو بار شراب کی مذمت  
بتدریج بیان کی جا چکی ہے۔ اولاً سورہ بقرہ میں اور ثانیاً سورہ نساء  
میں ان دونوں مقامات میں شراب کی صرف برائی ظاہر کی گئی ہے جس سے  
صاف ممانعت معلوم نہیں ہوتی جس کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے۔

دراصل اسلام سے پہلے شراب اہل عرب کی گھٹی  
میں پڑی ہوئی تھی لوگ اس کا استعمال بڑے ذوق و شوق سے کرتے تھے  
اور حد سے زیادہ اس کے خوگر اور عادی ہو چکے تھے۔ شراب کا پینا  
اور پلانا عرب کے اچھے خاصے گھرانوں میں بھی لطف اور تفریح کا ذریعہ  
سمجھا جاتا تھا کہ اس لئے ان کی پہلی ہی بیان اپنے شوہروں کو اور

لہ سورہ مائدہ - رکوع (۱۲)۔

کہ - سیرت النبی جلد ششم ص ۷۱۲ - سید سلیمان ندوی -

دارالعارف اعظم گڑھ - ۱۳۶۰ھ

۹۱۴۹



ان کے چھوٹے اپنے بزرگوں کو خود اپنے ہاتھوں سے شراب پلاتے تھے لہ  
چنانچہ پورا ہاشرہ اس قدر گندہ اور خراب ہو چکا تھا کہ اچھے اور برے  
میں تمیز کرنا ممکن نہ تھا ۔

مگر جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے شراب کی  
مذمت کر کے اس کی خرابیاں بیان کرنا شروع کیں تاکہ لوگ اس سے متنفر ہو  
جائیں ۔ لیکن شریعت حقہ نے ایسا نہیں کیا کہ شراب کو ایک دم ممنوع قرار  
دیا ہو بلکہ بتدریج لوگوں کے دلوں میں شراب کی نفرت پیدا کی گئی کیونکہ  
لوگ شراب کے رنگ میں اس قدر رنگے ہوئے تھے کہ ایک دم اس کا چھوڑ  
دینا ان کی طاقت سے باہر تھا ۔ اسی لئے شریعت نے شراب کے بارے میں  
دفعہ کوئی حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ بتدریج اس بری عادت کو چھڑایا  
گیا اور مسلسل شراب کی برائیاں اور خرابیاں بیان کی جاتی رہیں تاکہ رفتہ  
رفتہ اس کی نفرت دلوں میں بیٹھ جائے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے  
پہلے یہ ایت کریمہ نازل ہوئی ۔

" یسئلونک عن الخمر والمیسر ط قل فیہما اثم

کبیرو منا فع للناس او اثمہما اکبر من نفعہ نفعہما "

اے نبی لوگ آپ سے جوئے اور شراب کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ان  
سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں کے اندر گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے واسطے  
کچھ فائدے بھی نہیں ۔ لیکن ان دونوں گناہ ان کے فائدے سے زیادہ  
بڑا ہے ۔

اس ایت کے نزول کے بعد کچھ لوگوں نے تو شراب بالکل  
توک کر دی اور کچھ لوگ جو کہ بہت زیادہ عادی تھے انہوں نے یہ سمجھ  
کر توک نہیں کی کہ یہ کوئی سخت حکم نہیں ہے اس لئے شراب نوشی کا

لہ ۔ صحیح بخاری جلد سوم کتاب الاشربہ ۔

کے ۔ سورہ بقرہ ( رکوع ) ۲۷

مشغلہ کچھ چلتا رہا - لیکن ضرورت اس امر کی داعی تھی کہ یہ خواب عادت بالکل چھوٹ جائے - چنانچہ اس کے بعد یہہ ایت کریمہ نازل ہوئی جس میں نماز جیسی عادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس چیز سے منع کیا گیا کہ شراب اور نشہ کی حالت میں تم لوگ نماز کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ نشہ کی حالت میں تمہاری عادت راٹگان ہو جائے گی - لہذا دوسرے مرتبہ میں یہ حکم صادر ہوا -

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ  
سَكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ“ -

اے مسلمانو تم ایسی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب کہ تم شراب کے نشہ میں مست ہو یہاں تک کہ تم جان اور سمجھ سکو کہ کیا کر رہے ہو

جب شراب کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا تو لوگ اس سے ہوشیار ہو گئے لیکن پھر بھی کچھ لوگوں نے شراب کا مشغلہ جاری رکھا اور نماز کے اوقات کے علاوہ اپنے شراب پینے کا وقت مقرر کر لیا بہت سے صحابہ کرام تو یہی دعا کرتے رہے کہ اے اللہ ایسی گندی اور ناپاک چیز کا بین اور صاف حکم نازل فرما دے - لہذا - اخیر میں تیسری بار صراحت کے ساتھ شراب کی حرمت کا حکم سورہ مائدہ میں ۳ھ کے موقعہ پر نازل ہوا - جس میں سختی کے ساتھ شراب کی ممانعت کر دی گئی - نیز اس بات کی تاکید کر دی گئی کہ لوگ شراب سے بالکل اپنا دامن بجائے رکھیں یہہ وہی آیت ہے جو سورہ مائدہ میں ہے -

" یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والا زلام

رجس من عمل الشیطن فاجتنبوه لعلکم تفلحون " انما

یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر و

المیسر وصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ طفہل انتم منتہون " "

اے ایمان والو یقیناً شراب اور جوا اور بت اور فال نکالنے کے تیرے تو محض گندے اور شیطانی کام ہیں سو تم ان سے قطعی بچتے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے اندر دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو ذکر الہی اور نماز سے روک دے۔ پس تم اب بھی باز اترے ہو کہ نہیں ملے

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے ہی سب لوگوں نے ایک

دم شراب نوشی توک کر دی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس شخص نے جس حالت میں شراب کی بندش کا حکم سنا اس نے فوراً اسی وقت اس کی تعمیل کر ڈالی اور شراب کا جام اگر منہ کے قریب بھی پہنچ چکا تھا تو اس کو جھٹ پھینک دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شراب لگی کوچون میں پانی کی طرح بہنے لگی اور بعض لوگوں نے تو پکار کر بھی کہا کہ اے اللہ اب ہم اس سے باز آئے اور ہم نے توبہ کر لی۔

قرآن پاک کے علاوہ احادیث نبوی سے بھی شراب کی

حرمت کا پتہ چلتا ہے چنانچہ آپ نے بھی شراب جیسی ناپاک چیز سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ لہذا اس سلسلہ میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ حضرت ابو طلحہ و ایوب اور چند دوسرے صحابہ کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص اترے اور انہوں نے کہا کہ شراب حرام کر دی گئی یہ سنتے ہی سب کی زبان سے نکلا کہ اے انس ان مشکون کی شراب بہادو۔ لہذا انہوں نے

نہ تو اس خبر کی کچھ پوچھ گچھ کی اور نہ شراب ہی ملے  
اس حدیث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت شراب کی حرمت کے بارے  
میں اعلان ہوا۔ اسی وقت شراب کے مٹکون کو بہا دیا گیا۔ جو شراب کہ  
حرمت سے پہلے لوگوں کے منہ کا ذائقہ بنی ہوئی تھی اب وہ گلی کوچوں  
میں پانی کی طرح بہنے لگی اور سب اس سے نفرت کرنے لگے۔

اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث  
ہیں جن سے شراب کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت عائشہ کی ایک  
روایت میں اس قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

"عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم عن التبع فقال کل شراب اسکرہ فہو حرام۔"  
ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
سے تبع یعنی شہد کی شراب) کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضور نے  
ارشاد فرمایا کہ جس شراب میں نشہ ہو وہ حرام ہے۔ ایک دوسری  
حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے اس طرح وارد ہوا ہے۔

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم قال کل مسکر خمر و کل خمر حرام۔"  
حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ  
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور  
ہر نشہ اور چیز حرام ہے۔

ان تمام احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نشہ  
اور چیز حرام ہے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے

- 
- ۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب الاشربہ۔
  - ۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاشربہ۔
  - ۳۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاشربہ۔

کہ جو کثیر تعداد میں شراب پیتا ہے وہ حرام ہے اور جو تھوڑی سی پی لے وہ حرام نہیں ہے لیکن حقیقتہ ایسا نہیں بلکہ قلیل و کثیر حرمت کے اعتبار سے برابر ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے۔

"عن جابر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز نشہ اور ہو اس کا کثیر اور قلیل سب حرام ہے۔ یعنی جس چیز کا کثیر حصہ نشہ اور ہو وہ بھی حرام ہے اور اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے۔

اسی بات کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب - محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "حجتہ اللہ البالغہ" میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں -

چونکہ تھوڑی سی شراب کا استعمال بھی کثرت میں نوشی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے سیاست امت کے لئے واجب تھا کہ اس کو مدار تحریم قرار دیا ہے۔

یعنی فی الجملہ اس کے نشہ اور ہونے کو حرام کی بنیاد قرار دے کر شراب کی ہر مقدار کو حرام کر دیا گیا چاہے وہ تھوڑی ہو یا زیادہ چاہے فی الحال اس میں نشہ کا وجود باوجود قلیل ہونے کے نہ پایا جاتا ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ شراب میں اگر نشہ پیدا کرنے کی صفت پیدا ہو گئی ہے تو وہ حرام ہو جائے گی عام اذن کے اس

---

لہ - ترمذی شریف - کتاب الاشربہ -

کہ - حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۲۶۴ -

کی تھوڑی مقدار پینے والے میں نشہ پیدا کرے یا نہ کرے ۔

اس اقتباس سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کسی چیز میں نشہ پیدا کرنے کی صفت موجود ہے تو وہ حرام ہو جائے گی خواہ وہ ہلکی مقدار ہی میں کیوں نہ ہو ۔ اور اس کو حرام اس لئے قرار دیا گیا تاکہ امت مسلمہ کو اس کے مفاسد سے بچایا جا سکے اگر اس کا استعمال قلیل مقدار میں جاری رہتا تو سیاسی اعتبار سے ریاست کا انتظام بھی درست نہ ہوتا اور معاشرہ طرح طرح کی برائیوں سے گھر جاتا ۔ اس لئے شراب نوشی سے بچنے کی برابر تلقین کی جاتی رہی ہے ۔ لیکن اس کے باوجود بھی جو لوگ شراب ترک نہیں کرتے بلکہ برابر اس کا استعمال کرتے رہتے ہیں ان کے لئے طرح طرح کے دردناک عذاب کی دہدین وارد ہوئی ہیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل احادیث میں موجود ہے ۔

"مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یمنی شخص کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو چیز نشہ کرے وہ حرام ہے اور اللہ تعالیٰ نے عہد کیا ہے کہ جو شخص نشہ اور چیز پئے گا اس کو آخرت میں دوزخیوں کا پسینہ اور بہتا ہوا خون و پیپ بلایا جائے گا "۔

اس حدیث میں کس قدر دردناک عذاب کا ذکر ہے کہ ایسے لوگوں کو خون اور پیپ جو کہ بہت ہی گندی اور متنفین چیز ہے شرابیوں کو پلائی جائے گی اور وہ ان دوزخیوں کا گندہ خون و پیپ اور پسینہ ہو گا جو پہلے سے اپنے گناہوں کی سزا بھگتتے کے لئے دوزخ میں پڑے ہوں گے ۔

ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ سخت غذاب الہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کافی تکلیف دہ ہو گا ۔

" عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل من شرب الخمر فی الدنیا حرمھا فی الآخرہ "

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت میں شراب طہور سے محروم رہے گا لہٰذا ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح وارد ہوا ہے ۔

" عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من شرب الخمر فی الدنیا کم یشربھا فی الآخرہ اھلا ان یتوب "

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت میں شراب طہور نہ پی سکے گا مگر یہ کہ جب اس نے دنیا میں توبہ کر لی ہو سکے

اس حدیث میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کسی شخص نے ساری عمر شراب پی لیکن مرنے سے پہلے اس نے توبہ کر لی تو اس کی یہ توبہ قبول کر لی جائے گی اور آخرت کی شراب طہور سے وہ محروم نہ

لہٰذا صحیح مسلم - کتاب الاشربہ - کہہ - صحیح مسلم - کتاب الاشربہ - کہہ - آخرت کی شراب سے مراد وہی شراب طہور ہے جسکی صفت قرآن کریم میں طہور بیان - اس کے الفاظ یہ ہیں شرابا طہوراہ نیز سورہ دھر میں بھی اس طرح اشارہ کیا گیا ہے - یشربون من کاس کان مزاجھا کافراہ اس میں انواع واقسام کے انعامات جو جنت میں نیک و دیندار لوگوں کو حاصل ہوں گے وہ بھی داخل ہیں ۔

رہے گا۔ اس لئے کہ توبہ کر لینے سے ہر قسم کے گناہ مہاف ہو جائے ہیں  
چاہے وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے جس طرح شراب کا پینا اور  
پلانا حرام فرما دیا ہے اسی طرح اس کی تجارت کرنا بھی منع ہے۔ یعنی  
شراب کی خرید و فروخت بھی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ  
عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر  
تشریف لائے اور یہ ارشاد فرمایا یا حرمت التجار فی الخمر "یعنی شراب کی  
تجارت کو بھی حرام کر دیا گیا ہے۔"

اس کے علاوہ ترمذی شریف میں حضرت انس بن  
مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
شراب کے سلسلہ میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(۱) دوسرے کے لئے شراب نچوڑنے والے پر (۲) اپنے لئے شراب نچوڑنے والے  
پر (۳) شراب بیچنے والے پر (۴) شراب پینے والے پر (۵) شراب کے اٹھانے  
والے پر (۶) جس کی طرف شراب اٹھا کر لے جائی جائے اس کے اوپر۔  
(۷) شراب کی قیمت کھانے والے پر (۸) شراب کے خریدنے والے پر (۹) شراب  
کے پلانے والے پر (۱۰) جس کے واسطے شراب خریدی جائے اس پر۔

غرض کہ ان تمام احادیث کا لب لباب یہ ہے کہ  
شرابی ادنیٰ اور کاروبار شراب سے متعلق دنیا و آخرت میں دونوں ذلیل و خوار  
ہے نیز شراب سے شرابی کی زندگی کو ایسا گھن لگ جاتا ہے جس سے  
انشائیہ انسانی معاشرہ بھی متاثر ہو کر طرح طرح کی بد امنی اور فتنہ و  
فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ لہذا ریاست کے حاکم اعلیٰ کے لئے یہ چیز

۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب الاشربہ

۲۔ ترمذی شریف مترجم جلد اول ابواب البیوع ص ۲۵۹



بہت ضروری ہے کہ وہ اس بری لعنت کا جلد سے جلد خاتمہ کر کے ریاست کے امن و امان کو برقرار رکھے اور اخلاقی نظام کی بنیادوں کو استوار کرے۔ اس طرح اگر اسلامی قانون پر اچھی طرح عمل کیا جائے تو لوگوں کی معاشی و سماجی حالت بھی بخوبی درست ہو جائے گی اور ریاست کے سب لوگ امن چین کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں گے۔

### جوری

جس طرح اور برائیاں معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں اور اخلاقی نظام پر برا اثر ڈالتی ہیں اسی طرح جوری بھی ایک ایسی لعنت ہے جو معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور جس سے انسانی برادری کا امن و امان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جوری جکاری سے ہر شخص پر چین و پریشان رہنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کس طرح وہ اپنے مال کی حفاظت کرے کیونکہ ہر شخص اپنا مال جائز طور پر اپنی قوت بازو سے حاصل کرتا ہے اور جب وہ اتنی انسانی سے اس کی دستوں سے نکل جاتا ہے تو اس کو بڑی تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ریاست کے لئے لازم ہے کہ ایسا جامع قانون نافذ کرے جس سے جوری کا بالکل یہ اسداد ہو سکے۔ رہا یہ سوال کہ کس قسم کی جوری اور کتنی مقدار کی جوری کا اطلاق کیا جائے گا۔

چنانچہ سیرت النبی جلد ششم میں سید سلیمان ندوی

نے اس کی بڑی جامع تعریف کی ہے۔

"کسی کی رکھی ہوئی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر

چھپا کر لے لینے کی سب سے کمینہ حرکت کا نام جوری ہے"۔

لہذا اسی جوری کی خاطر ہر شخص اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنا

مال پوشیدہ طریقہ سے رکھے تاکہ اس کا مال محفوظ رہے اور چوری نہ ہو

سکے۔ لیکن جوری اب معاشرہ کا جزو بن گئی ہے۔ اور ظہور اسلام سے

قبل یہ جوڑی تو لوگوں کا ذریعہ معاش بنی ہوئی تھی۔ بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں اس دور دورہ تھا کوئی ملک بھی جوڑی سے محفوظ نہ تھا۔ اور اہل عرب کی تو یہ حالت تھی کہ وہاں کے جو لوگ طاقتور ہوتے تھے وہ بڑے بڑے مالداروں کے گھروں پر ڈاکا ڈالتے تھے اور مال و دولت کے ساتھ ساتھ ان کی جانیں بھی تلف کر دیتے تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ کمزور ہوتے تھے وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے مال کی جوڑی کرتے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے اور عرب یہاں تک بدنام ہو چکا تھا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کے مال و اسباب کی بھی جوڑی کر لیا کرتے تھے لہٰذا اس طرح پورا عرب ہاشرہ تباہ و برباد ہو کر رہ گیا تھا۔

لیکن جیسے ہی اسلام ظہور پذیر ہوا اس نے تمام برائیوں کے ساتھ جوڑی جیسی برائی اور لعنت کو بھی صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی۔ اور قانون الہی کے ماتحت ایسی دردناک سزائیں دیں جن سے لوگوں کو بڑی عبرت حاصل ہوئی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اس مذہم حرکت و خصلت سے اپنا دامن بچانا نہایت ہی ضروری ہے۔ ورنہ دنیا و آخرت دونوں جگہ بہت ذلیل و خوار ہو کر رہنا پڑے گا۔

اسی وجہ سے قرآن کریم نے جوڑی و ڈکیتی اور لوٹ مار کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کی دردناک سزا کا حکم جاری کیا ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد باری یہ ہے۔

"انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله وسمعون في الارض منه فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض ط ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله ط والله عزيز حكيم فمن تاب من بعد ظلمه واصلاح فان الله يتوب عليه ط ان الله غفور رحيم"

لہ۔ تاریخ اخلاق اسلامی حصہ اول ص ۱۸ عبد السلام ندوی جید معارف اعظم گڑھ  
 ۱۳۵۸ھ  
 ۱۹۳۹ء

یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں مخالف جانب سے یا جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ ان کی رسوائی سے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ نیز چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت جب چوری کریں تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو بطور سزا کہ ان کے اس کردار کے عوض جو ان دونوں نے اپنے عمل سے کیا۔ یہ سزا خداوند تعالیٰ کی جانب سے عبرت کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ پھر جس نے اپنے قصور اور ظلم کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا برے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

ان آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوری اور ڈکیتی کی کتنی بڑی سزا مقرر کی ہے کہ اس کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹ کر جان و اعضاء سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی روزی کماتا ہے اور اپنا ماور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ لہذا تمام سزاؤں کے مد نظر ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ چوری ڈکیتی فتنہ و فساد جیسے برے اعمال سے پرہیز کرے اور ان اعمال سے باز آجائے اسی میں اس کی بہتوی ہے۔

ریاست کے حاکم اعلیٰ کو چاہئے کہ شریعت کے اس قانون کے مطابق جب چوری کا ثبوت مل جائے تو وہ

اس کی پوری تحقیق کر کے چور پر حد جاری کرے اور اس جرم میں اس کی کسی قسم کی اعانت نہ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے سماج کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ اس کے علاوہ شرعی حد جاری کرنا ایک قسم کی عبادت بھی ہے۔ جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں داخل ہے۔ اس اعتبار سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کرنا بندوں کے حق میں بڑی نعمت و رحمت کا سبب ہے لہ

لہذا ایسی صورت میں ریاست کے حاکم اعلیٰ کا فرض منصبی ہے کہ وہ شرعی حدود قائم کرنے میں کسی طرح دیر نہ کرے اور نہ حد جاری کرنے میں کسی قسم کی رعایت برتنے۔ اس کا نتیجہ یہہ ہو گا کہ سماج میں نیکی کا دور دورہ ہو گا اور ملک میں بد امنی نہ پھیل سکے گی۔ اور سب لوگ راحت و سکون کے ساتھ امن چین کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ لیکن آج کل جدید ذہنیت کے لوگ یہہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ کا کاٹنا جانا بڑا ظلم ہے اور یہہ بہت ہی سخت سزا ہے۔ لیکن اگر چشم حقیقت سے دیکھا جائے تو یہہ بات ان جدید ذہنوں پر اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ ہاتھ کاٹنے جانے سے لوگوں کو ایک ایسی تہنید ہو گی کہ دوسروں کو اس سے بڑی عبرت حاصل ہو۔ پھر اس طرح سے اگر ایک یا دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے تو لا محالہ تیسرا شخص چوری کرنے سے باز آ جائے گا اور یہہ ڈر محسوس کرے گا کہ کہیں وہ بھی اس سزا میں گرفتار نہ ہو جائے۔ لہذا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو بھی شرعی حدود مقرر کی ہیں وہ سب اپنی جگہ پر بالکل صحیح و درست ہیں اس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔ کیونکہ اس شرعی قانون کے نفاذ سے تمام مخلوق بڑے آرام و چین سے اور بڑی بے فکری کے ساتھ زندگی گزاریں گی نیز شرعی حدود کے قیام سے دنیا و آخرت دونوں جگہ سب کو فلاح و بہبود حاصل ہوگی۔

---

لہ۔ سیاست شرعیہ ص ۲۰۲۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ و

گودھرویؒ کہہتی۔ کراچی۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ۔

"جوری کا یہہ علاج بمنزلہ اس طبیب کے ہے جو مریض کو کوہہ اور کڑی دیتا ہے یا بمنزلہ اس عضو کے ہے جو سٹڑ رہا ہو اور جراح اسے کاٹ کر مریض کی جان بچا دیتا ہے ۔ یا بمنزلہ پچھنے لگانے کے ہے کہ فاسد خون نکالنے سے مریض کو آرام مل جاتا ہے ۔ یا بمنزلہ اس انسان کے ہے جسے کڑی دوا پینے کے لئے مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے ۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ مریض کو شفاء اور تندرستی حاصل ہو اور اسے راحت و آرام میسر آجائے ۔"

یہی حال شرعی حدود جاری کرنے اور اس کے نفاذ کرنے کا بھی ہے ۔ اور حدود شرعیہ مشروع اس لئے کی گئی ہیں تاکہ محدود کو دنیا و عقبی میں راحت و آرام میسر آئے ۔

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر کسی برائی کا قلع قمع کرنا ہے تو اس پر پابندی لگانا ضروری امر ہے ۔ خواہ وہ قانونی کارروائی ہو یا حدود شرعیہ کا نفاذ ہو ۔ جب تک اس پر عمل نہیں کیا جائے گا جرم برقرار رہے گا اور ہمارے درست نہ ہو گا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بڑا عالم الغیب ہے اس نے جوری جیسی لعنت کو ختم کرنے کے لئے ہاتھ کٹائے جانے کی حد یعنی سزا کو مشروع و مقرر فرمایا ۔

البتہ سوال یہہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسا اور کتنا مال جوری ہونے پر چور کا ہاتھ قطع کیا جائے گا تو اس کا نصاب و مقدار کم از کم دس درہم ہے اس سے کم مقدار کی جوری پر حد نہیں جاری

۱۔ سیاست شرعیہ ص ۲۰۳ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسماعیل گودھروی کمپنی کراچی ۔

۲۔ دس درہم ساڑھے سات ماشے چاندی کے برابر ہوتا ہے ۔

۳۔ اسلام کا نظام امن ص ۳۲۳ ۔ محمد ظفر الدین مفتاحی ۔ جید مفتاح العلوم

مئو اعظم گڑھ ۔ ۱۳۸۵ھ  
۶۱۹۶۶

ہو گی ۔ اسی طرح ہر مال کے جوری ہونے پر حد شرعی کا نفاذ نہیں ہو گا بلکہ وہ جو کسی محفوظ مقام پر رکھا ہوا ہو پھر اس مال کی جوری کر لی جائے تو ضرور ہاتھ کاٹ دیا جائے گا ۔ اور جو مال کسی مالک کی حفاظت میں نہ ہو مثلاً جنگل وغیرہ میں یوں ہی بغیر نگرانی پڑا ہوا ہو تو اس کی جوری پر حد جاری نہیں ہو گی ۔ اسی طرح اگر پھل دار درخت ہوں اور ان پر پھل پھول رہے ہوں اور کوئی شخص بغیر اجازت ان کو توڑ لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ تنبیہ کے طور پر معمولی سی سزا دے دی جائے گی ۔ پھلون کی جوری کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے ۔

" پھلون میں اور پکی کھجوروں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ۔ اسی طرح اچکون اور جیب کتوں کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ۔ "

جوری کی مذمت کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے ۔

" السارق لا يسرق حين يسرق وهو مومن  
ولا ينتهب نهبه يرفع الناس اليه فيها  
ابصار هم وهو مومن "

جوری کرنے والا جوری نہیں کرتا اللہ اس حال میں کہ وہ مومن ہے اور نہ اچکا اچکنے وقت جبکہ لوگ اس کی طرف انکھ اٹھاتے ہیں اس حال میں کہ وہ مومن ہے یعنی مومن کی شان سے یہ دونوں کام بعید ہیں ۔

۱۔ بخاری شریف ۔ کتاب الحدود ۔

۲۔ بخاری شریف ۔ کتاب الحدود ۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر بندہ جب تک مومن رہے گا اس وقت تک وہ جوڑی یا دوسرا کوئی برا کام نہیں کرے گا کیونکہ وہ مومن بندہ ہے اس کے دل میں ضرور خوف خدا موجود ہو گا کہ اگر وہ کسی برے کام کا مرتکب ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے وہ ضرور برے کام کی سزا دے گا۔ اس کے برعکس وہ بندہ جو برائیوں کا مجسمہ ہے اسے برے کام کرنے میں قطعاً جھجک نہ ہوگی بلکہ وہ اس میں بڑا فخر محسوس کریگا۔ چنانچہ ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا دروازہ کھول دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوڑی کی برائی مختلف انداز سے بیان فرمائی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوڑی بدترین گناہ اور ایسا برا فعل ہے کہ جس کے ارتکاب سے انسان ہانہ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہانہ کاٹنے کا حکم دیتے تھے تو اکثر اپ رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ کتنا مال جوڑی ہو جانے پر ہانہ کاٹا جائے گا تو اس کی وضاحت ان احادیث سے ہوتی ہے۔

"عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم کان یقطع فی ریح دینار فضا عدا"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم جوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی جوڑی میں جوڑ کا ہڈ تھ کاٹتے تھے لہٰذا یعنی ہر وہ چیز جس کی قیمت جوتھائی دینار کے برابر ہو یا اس سے زیادہ بیٹھے تو وہ قطعاً بد کا باعث ہوتی تھی۔

۱۔ بحوالہ اسلام کا نظام امن - ص ۳۲۸ - محمد ظفر الدین مفتاحی

جید مفتاح العلوم مؤ اعظم گڑھ - ۱۳۸۵ھ

۱۹۶۶ء

مثلا کوئی کپڑا یا کوئی ڈھال یا کوئی برتن یا سونا یا چاندی وغیرہ اگر یہ سب چیزیں مذکورہ بالا مقدار پر پوری اتوتین تو جرانے والے کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا تھا اور اگر اس سے کم قیمت کی ہوتیں تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ لیکن مسلم شریف کی ایک روایت میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ "انہ قطع سارقا فی مجن قیمتہ ثلاثہ دراهم"۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ ایک (مجن) یعنی ڈھال کی چوری میں کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی لہٰذا اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے تین درہم قیمتی چیز میں بھی قطع ید کا حکم فرمایا ہے۔ الغرض احادیث اس معاملہ میں مختلف ہیں کوئی خاص مقدار چوری کے بارے میں متعین نظر نہیں آتی۔ کیونکہ کسی حدیث میں دس درہم مقدار بتائی گئی ہے اور کسی میں چوتھائی دینار کا ذکر ہے۔ نیز ایک اور حدیث میں تین درہم بیان کئے گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ احادیث میں مختلف مقداریں پائی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے الگ الگ اماموں کے اقوال بھی ان احادیث کے مطابق پائے جاتے ہیں۔ جن کی پوری تفصیل "اسلام کا نظام امن" کتاب میں ملتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا نصاب چوتھائی دینار ہے جو تین درہم کے برابر ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم سرقہ کا نصاب دس درہم ہے۔ اس مقدار سے کم پر ان کے مذہب میں قطع ید نہیں ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ کا قول اس لئے اصح معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نصاب دس درہم مقدار میں تین

۱۔ سیاست شرعیہ ص - ۲۰۳ - شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسماعیل گودھروی

کمپنی - کراچی -

ایضاً

ایضاً

ایضاً

۳۰۳

۱۔



اور چوتھائی دینار وغیرہ سب شامل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ربع دینار کی قیمت اس وقت تین درہم کے برابر ہوا کرتی تھی اور دینار کی قیمت بارہ درہم ملے۔

قرآن و حدیث دونوں میں چور کی عبرت ناک سزا کا ذکر تفصیل سے موجود ہے نیز چوری تقریباً ہر مذہب میں بہت بری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس کی سزا ہر مذہب میں مختلف ہوا کرتی تھی۔ کسی مذہب میں چور کو قتل کر دیا جاتا تھا اور کسی مذہب میں چوری کو پیشہ بنا لیا جاتا تھا اس طرح ہر مذہب پر کہ چوری شدہ مال کو جب واپس لیا جاتا تھا تو تعاون کے طور پر مالک سے کچھ پیسہ وصول کر لیا جاتا تھا اور اس پیسے کو چور اور افسروں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا جس سے روز افزون چوری کو فروغ اور ترقی حاصل ہوتی تھی۔ بعض مذاہب میں چور کو تین سال کی قید یا مشقت کی سزا جھیلنی پڑتی تھی لیکن مذہب اسلام نے چور کی جو سزا مقرر کی ہے وہ بہت ہی مناسب اور موزون و عبرتناک ہے جس سے نہ صرف چوری کا خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی جڑیں تک نیست و نابود ہو جاتی ہیں کیونکہ اس عبرت انگیز سزا کے ماتحت انسان کو اپنے خاص اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اگر کوئی ایک بار چوری کر لے تو اس کا ایک ہاتھ اور دوسرا چوری کر لے تو ایک پاؤں کاٹ دیا جائے گا جس سے وہ بالکل اہاج ہو جائے گا۔ لہذا ایسی عبرتناک سزا کے مد نظر ہر شخص چوری سے بچنے اور دور رہنے کی کوشش کریگا۔

اس اسلاف سزا کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے جیسے جسم انسانی کے کسی عضو کے سڑ جانے کے باعث ڈاکٹر اس کو کاٹنے اور علیحدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ دوسرا عضو اس سے متاثر نہ ہو سکے۔ اس طرح چوری جیسی برائی کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قطع ید کی عبرت ناک سزا مقرر کی ہے تاکہ اس کا برا اثر متعدی ہو کر انسانی معاشرہ کو خراب نہ کرے اور لوگوں کا امن و سکون برقرار رہے۔ اس سے نہ صرف

ریاست کی فلاح و بہبود قائم رہے گی بلکہ اخلاقی نظام کی تمام بنیادیں بھی استوار ہو جائیں گی ۔

### " رجم "

اخلاقی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والی بہت سی برائیاں ہیں جن کے ارتکاب سب سے نہ صرف اخلاقیات پر برا اثر پڑتا ہے بلکہ ان سے سماجی حالت بھی ابتر ہو جاتی ہے ۔

لہذا جو شخص ان برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کے واسطے اسلام نے بعض حدود اور سزائیں جاری کی ہیں ۔ مثلاً جہوری کی سزا ہاتھ قلم کر دینا اور شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے لگانا اور زنا کی سزا ۱۰۰ درے لگانا یا رجم یعنی سنگسار کرنا مقرر کی ہے ۔

زنا کے ارتکاب کی دو شکلیں ہیں ۔ اول بیہہ کہ اگر کسی ایسے شخص نے زنا کیا جو آزاد عاقل بالغ اور غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ ہو اور وہ اس فعل کا مرتکب اپنی خوشی سے ہوا ہو تو اس کی سزا اسلام نے ۱۰۰ کوڑے مقرر کی ہے جو بدن کے تمام مختلف حصوں اور اعضاء پر لگائیے جائیں گے البتہ چہرہ اور ان اعضاء کو محفوظ رکھا جائے جن پر ضرب لگانے سے انسان مر جاتا ہے ۔

دوسری شکل بیہہ ہے کہ اگر ایسا شخص زنا کا مرتکب ہوا جو آزاد اور محصن یعنی شادی شدہ ہے اور نکاح کرنے کے بعد اپنی

۱۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت ۔ ص ۲۷۶ مولانا محمد ظفر الدین

۱۳۷۳ھ  
۱۹۵۲ء

ندوہ الحنفین دہلی

ایضاً

ایضاً

ایضاً

۲۷۶

۲۔

سیاست شرعیہ

ایضاً

ایضاً

ایضاً

۲۷۶

۳۔

۱۳۷۳ھ

۱۹۵۲ء

بیوی سے جماع کر چکا ہے تو اس کی سزا رجم کرنا ہے۔ یعنی ایسے مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رجم کے بارے میں اور اس کی تائید میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو کہ محسن یعنی شادی شدہ تھا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے اور اس نے چار بار اپنے اوپر اس بات کی شہادت دی یہہ سن کر ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا کہ اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے وہاں ایک شخص آیا اور اس نے پکار کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے یہ سن کر آپ نے منہ پھیر لیا لیکن اس نے اپنی بات چار بار دہرائی اس کے بعد آپ نے اس کو بلایا اور کہا کہ کیا تو پاگل ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ کیا تو شادی شدہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں شادی شدہ ہوں تب آپ نے حکم فرمایا کہ اس کو لیجاؤ اور سنگسار کر دو کہ۔

یہ دونوں حدیثیں شادی شدہ کے حق میں بطور دلیل پیش کی گئیں نیز حدیث بالا میں لفظ "پاگل" پر اس لئے زور دیا

۱۔ سیاست شرعیہ

۲۔ صحیح البخاری باب رجم المحسن۔

۳۔ صحیح البخاری باب لا یرجم المجنون و المجنونه

گیا ہے کہ انسان زنا جیسے برے فعل کا اس وقت مرتکب ہو سکتا ہے جب وہ اپنا عقلی شعور کھو بیٹھے۔ البتہ صحیح الدماغ آدمی جس کو سزا کا بھی پوری طرح علم ہے اور وہ ایسی برائی کے ارتکاب کرنے سے خوف اور ڈر بھی محسوس کرتا ہے لہذا ایسا شخص جب زنا کا مرتکب ہو گا تو اس کو ضرور رجم کی سزا دی جائے گی۔ چنانچہ جب حضورؐ کے استفسار پر اس شخص نے انکار کیا کہ وہ پاگل نہیں ہے تو حضورؐ نے اس کو رجم کرنے کا حکم فرما دیا۔

الغرض جب بھی کوئی شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقبال کرتا تو آپؐ پہلے پہل اس کی بات پر قطعی دھیان نہ دیتے اور اس کو ٹالنے کی کوشش فرماتے۔ لیکن جب وہ اپنی بات پر اٹل رہتا اور یہہ کہتا کہ میں اپنے ہوش و حواس کے ساتھ ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے تب حضورؐ اس کے رجم کئے جانے کو ضروری سمجھتے۔ بیشنو احادیث میں واقعات اسی طرح وارد ہوئے ہیں۔

نیز یہہ چیزیں بھی ضروری اور قابل ذکر ہے کہ رجم کی سزا میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اس بناء پر غیر مسلم کو بھی رجم کیا جائے گا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک رجم کے لئے اسلام کی شرط ہے۔ اگر کافر زنا کرے گا تو اس کے صرف کڑے لگائے جائیں گے رجم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ یہہ بات قول فیصل کا درجہ نہیں رکھتی کیونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسجد نبوی کے سامنے دو زانی یہودیوں کو رجم فرمایا تھا اور اسلام میں یہہ سب سے پہلا رجم تھا۔

۱۔ احکام سلطانیہ یعنی اسلاف نظام حکومت ص ۲۶۹ مفتی انتظام اللہ

شہابی محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی۔

۲۔ سیاست شرعیہ۔ ابن تیمیہ گونہروی کمپنی کراچی۔ ص ۲۰۹

۳۔ احکام سلطانیہ یعنی نظام حکومت۔ ص ۲۶۹ مفتی انتظام اللہ شہابی محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی۔ ۴۔ سیاست شرعیہ ابن تیمیہ گونہروی ص ۲۰۹

رجم کرنے کا طریقہ اور اس کی صورت یہ ہوتی تھلی ہے کہ برسر عام کھلے میدان میں مجرم کو جہان قاضی اور گواہ سب لوگ موجود ہوتے ہیں لے جایا جاتا ہے پھر اس پر پتھر اور اینٹیں وغیرہ برسائی جاتی ہیں اور اس کو اس قدر مارا جاتا ہے کہ وہ بالکل جان سے ختم ہو جائے اور زانیہ عورت کے رجم کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میدان میں ایک گڑھا کھود کر عورت کا نصف بدن اس میں گاڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس کی پردہ دری نہ ہو اور وہ بھاگ بھی نہ سکے۔

اسی طرح آزاد شخص اور غلام کی سزا میں فرق رکھا گیا ہے۔ یعنی غلام کو زنا کے جرم میں رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے صرف پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

حاصل یہہ کہ اسلام نے مختلف حدیں اور سزائیں جاری کر کے اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد کو نہایت مضبوط و مستحکم کر دیا ہے۔ دراصل کوئی ریاست اس وقت تک ترقی پذیر نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے باشندے تمام اخلاق و عادات و اطوار کے اعتبار سے بہتر و اعلیٰ نہ ہو جائیں۔

### " ایفائے عہد "

فطرہ انسان اجتماعی زندگی کا خوگر ہے اس لئے وہ معاشرے میں گھل مل کر زندگی گزارنے اور بسر کرنے پر مجبور ہے اور اس

---

۱۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت ص ۲۷۸ محمد ظفر الدین ندوہ الحنفین دہلی  
 ۱۳۷۳ھ  
 ۱۹۵۴ء

۲۔ احکام سلطانیہ یعنی اسلامی نظام حکومت ص ۲۶۹ مترجم مفتی انصاری  
 اللہ شہابی محمد سعید اینڈ سنز تاجر کتب کراچی۔

۳۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت ص ۲۷۸ محمد ظفر الدین ندوہ الحنفین دہلی

کی خصلت کچھ ایسی ہے کہ وہ تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا جب وہ سماج میں رہتا ہے تو اس میں قول و قرار بھی ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا انسانی فرض میں داخل ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے وعدہ کی پابندی کا پاس و لحاظ نہیں کرنا تو گویا یہ اس کی اپنی اخلاقی کمزوری ہے۔ جس کا اخلاق کمزور ہو گا وہ کبھی بھی ایک اچھا شہری نہیں بن سکتا۔ اچھا شہری بننے کے لئے ضروری ہے کہ جو بات دوسروں سے کہے خود بھی اس کو پورا کرے۔ یہ حکم صرف فرد واحد یا کسی خاص قوم یا کسی خاص جماعت یا کسی خاص سلطنت ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس حکم میں پوری قوم اور تمام ملت اور جمیع نوع انسانی داخل ہے۔ اسی لئے اسلاف قانون نے صلح و جنگ دونوں حالتوں میں ایفائے عہد کی سختی سے تاکید کی ہے۔ اسلام کے اخلاقی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ انسان کو سخت سے سخت حالات کے تحت بھی اپنے عہد کی پابندی کرنی چاہئے ایفائے عہد سے خواہ کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے اس کو برداشت کرنا ضروری ہے۔ لیکن آج کل بہت سی بڑی بڑی سلطنتیں اپنے فائدے کے لئے اپنی ترقی کے لئے اپنی خوشحالی کے لئے جھوٹ۔ فریب۔ بے ایمانی۔ بد عہدی سے کام لیتی ہیں۔ ان کے نزدیک اس قسم کی برائی کوئی برائی نہیں ہوتی۔ لیکن اسلام اس معاملہ میں فرد اور جماعت۔ رعیت اور حکومت۔ قوم اور ملت میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتا وہ جھوٹ فریب اور بد عہدی وغیرہ کو ہر حال میں غلط اور ناجائز قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ ایفائے عہد پر بہت زور دیا گیا ہے نیز اللہ تعالیٰ خود اپنے بارے میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ وعدہ خلافی کو پسند نہیں کرتا فرماتا۔ جیسا کہ آل عمران میں

۱۔ الجہاد فی الاسلام ص - ۱۹۸ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ترجمان القرآن پاکستان ۱۹۳۰ء  
۵۹۲۸

۲۔ الجہاد فی الاسلام ص ۱۹۹۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ترجمان

القرآن لاہور پاکستان - ۱۹۳۰ء  
۵۹۲۸

ارشاد ہے - " ان الله لا يخلف الوعد<sup>۱</sup> وعده<sup>۲</sup> ط<sup>۳</sup> ولكن اكثر الناس لا يعلمون ومن اوفى بعهده من الله ط ولن يخلف الله وعده<sup>۴</sup> -

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے - (اللہ اپنے وعدہ کے خلاف کچھ نہیں کرتا) لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے - اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے - "اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرے گا"۔

ان آیات کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہے اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے اور جو وعدہ کیا ہے ضرور وہ اس کو پورا کریگا اور حفاظت قرآن کا وعدہ تو پورا ہو چکا ہے - انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون - بے شک ہم نے ہی قرآن پاک کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۵

آج ایک مدت دراز گزر جانے کے باوجود کلام الہی اس طرح محفوظ ہے جس طرح نازل ہوا تھا - نہ اس میں کسی قسم کی تحریف و تغیر ہوئی نہ تبدیلی کیونکہ اسکی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اور وہ برابر پوری ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی - نیز عہد و پیمان کے بارے میں یہ ارشاد گراں وارد ہوا ہے -

یا ایہا الذین امنوا فوفوا بالعقود ط

"اے ایمان والو تم اپس میں جو معاملہ کرو اس کو پورا کرو" اس آیت میں سب ہی کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات اور عہد و پیمان کو اچھی طرح پورا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے وعدہ کا اتنا پکا ہے کہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا اور وعدہ خلافی اس کو قطعاً ناپسند ہے -

لہذا بندوں کو بھی ضروری ہے کہ وہ ایفاء عہد کی پوری پابندی کریں - اس کی بہترین مثال سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب

۱- سورہ ال عمران - رکوع (۱)

۲- سورہ روم (۱)

۳- سورہ توبہ رکوع (۱۴)

۴- سورہ حج - رکوع (۶) - ۵- سورہ حجر - رکوع (۱)

سیرت النبی جلد ششم میں دی ہے -

"سمندر اپنا رخ پھیر دے، اور پہاڑ اپنی جگہ سے  
ٹل جائے، مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہ ہو کہ  
منہ سے جو کہے وہ اس کو پورا نہ کرے اور کسی  
سے جو قول و قرار کرے اس کا پابند نہ رہے" -

لفظ عہد کی پابندی انسان پر عقلا و شرعا قانونا اور اخلاقا  
ہر طرح فرض ہے۔ مسلمان ان تمام خصوصیات کا حامل ہے اس میں بیک  
وقت تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں خواہ وہ اخلاقی ہوں یا معاشرتی -  
قانونی ہوں یا شرعی - اخلاقی اس وجہ سے کہ انسان اخلاقی طور پر مجبور  
ہوتا ہے کہ ایفائے عہد کرے شرعی اس وجہ سے کہ خدا اور رسول کا  
حکم ہے اس لئے اس کا بجا لانا بھی ضروری ہے - قانونی اس وجہ سے کہ  
اگر انسان عہد کر کے اس کو پورا نہ کرے تو حاکم وقت کو یہ حق حاصل  
ہے کہ اس سے باز پرس کرے - اور سزا دے - علاوہ ازیں ارشاد خداوندی  
یہہ بھی ہے -

"واقوا بعہد اللہ اذا عاہدتم ولا تنقضوا الیمان

بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا ط -

اور جب تم آپس میں قول و قرار کرو تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کے نزدیک  
ایک عہد ہو گیا تو تم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرو اور ایسا  
نہ کرو کہ قسمیں پکی پکی کر کے انہیں توڑ ڈالو حالانکہ تم اللہ کو اپنے

۱۔ سیرت النبی جلد ششم - ص ۲۶۷ - سید سلیمان ندوی دارالمعارف

اعظم گڑھ - ۱۳۶۰ھ

۱۴۱ھ

۲۔ ایضا سیرت النبی ص ۲۶۷

۳۔ سورہ نحل ع ۱



اور ضامن بنایا ہے ۔

اس میں تین قسم کے معاہدوں کی وضاحت کی گئی ہے ۔

(۱) ۔ وہ عہد جو انسان نے خدا سے باندھا ہو یہ توسب اہم اور ضروری ہے

(۲) ۔ وہ عہد جو ایک انسان یا گروہ نے دوسرے انسان یا گروہ سے باندھا

ہو اور اس پر اللہ کی قسم کھا کر اپنے قول کی پختگی کا یقین

دلایا ہو ۔

(۳) ۔ وہ عہد جو اللہ کا نام لئے بغیر کیا گیا ہو ۔

سب پہلے انسان کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس عہد

کو پورا کرے جو خدا اور اس کے درمیان ہوا ہے جس کو "عہد اللہ" سے

تعبیر کیا گیا گویا یہ عہد ایک فطری معاہدہ ہے جس کا پورا کرنا انسانی

انسانی زندگی کے لئے لازم ہے ۔ اگر کوئی شخص اس کی پابندی نہیں کرتا

تو گویا وہ قرآن کریم کے حکم کے خلاف بغاوت کرتا ہے ایسے لوگوں پر اللہ

تعالیٰ کی سخت ملامت ہے ۔ باقی تمام معاہدوں کی پابندی بھی ضروری ہے

جو انسان آپس میں کیا کرتا ہے ۔ لیکن آج کل لوگ عہد شکنی پر عمل پیرا

ہو کر داد تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے مفاد کے چکر

میں سرگردان پھرتے ہیں چنانچہ ان کو جہان اپنا فائدہ نظر آتا ہے اس

کو حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے عہد کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے ۔ جگہ

سیاسی میدان ہو یا اقتصادی چاہے مذہبی کشمکش ہو یا اخلاقی بحران

ہر جگہ اپنا ہی فائدہ مد نظر رہتا ہے اس بناء پر اگر کوئی لیڈر کسی

لیڈر سے کسی بات پر معاہدہ کر لیتا ہے پھر اس کو کسی دوسری طرف

اپنا مقصد اور مطلب اگر حل ہوتا نظر آتا ہے تو وہ عہد شکنی کر کے اس

۱۔ سورہ نحل رکوع (۱۲) ۱۔ غنیم القرآن جلد دوم ص ۵۶۷ مولانا

ابوالاعلیٰ مودودی مکتبہ جماعت اسلامی ہند ۱۹۵۹ء

۲۔ اسلام اور اس کا آئین حکومت ص ۷۷ غلام محمد۔ دہلی ۱۹۶۹ء

۳۔ سیرت النبی جلد ششم ص ۲۶۹ سید سلیمان ندوی دارالافتار اعظم گڑھ

معاہدہ کو ختم کر دیتا ہے۔ شدہ شدہ یہ بد عہدی اس قدر عام ہو جاتی ہے کہ پھر سماج بھی اس کو اچھی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔ لیکن ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی مہنوز اور قابل ملامت ہیں۔ بلکہ وہ اس قسم کے لوگوں سے شدید مواخذہ فرمائے گا۔ خلاصہ یہہ کہ اس بد عہدی سے ہر معاہدہ کرنے والے شخص یا معاہدہ کرنے والی قوم کے اخلاق و احسان کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ان اخلاق ذمہ سے لوگوں کو کس قدر نقصان پہنچا رہے ہیں اور پوری قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں جس سے پورا معاشرہ نہایت گندہ اور خراب ہو رہا ہے۔ علیٰ ہذا یہی حال دیگر معاملات کا بھی ہے مثلاً کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ ہے اس کی حفاظت کرنا بہت ہی اہم اور ضروری چیز ہے۔ نیز اسی طرح وزن کی جانے والی چیزوں اور ناپ کر کے دی جانے والی چیزوں میں کوئی زیادتی کرنا ایک قسم کی بد عہدی اور بد معاملگی میں داخل ہے اس لئے ان چیزوں سے بھی منع کیا گیا ہے کہ ناپ تول میں کوئی کمی یا زیادتی نہ کی جائے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

”والذین ہم لا ماناتہم وعہد ہم راعون ہ  
والذین ہم علی صلواتہم یحافظون ہ اولیک  
ہم الوارثون ہ الذین یرثون الفردوس ہم  
فیہا خالدون ہ

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہدوں کا پاس کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی سب لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں جو ہمیشہ ہمیش اس میں رہنے والے ہوں گے۔

---

۱۔ تفسیر القرآن جلد دوم ۵۶۷ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ ۶۷۔ ۱۹۵۸ء

۲۔ سورہ مومنون رکوع (۱)۔

اس آیت میں مومنین کی جملہ صفات حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے اس چیز کو واضح کیا گیا ہے کہ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرنا بھی مومنین کی خاص صفات میں سے ہے جن کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان سب کو آخرت میں جنت الفردوس کا دائمی قیام مرحمت فرمائے گا ۔  
نیز عہد کی پابندی کے بارے میں یہہ ارشاد ہے ۔

" و اوفوا بالعہد ط ان العہد کان مسئولا "

اور عہد کو پورا کیا کرو ۔ یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس کی جائے گی لہٰذا کسی امانت اپنے پاس رکھنا بھی ایک قسم کی عہد کی پابندی ہے لہٰذا اسی طرح ناپ و تول کی نسبت بھی ارشاد خداوندی یہہ ہے ۔

" و اوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ط

ذالک خیر و احسن تاویلا "

اور جب ناپ و تول کرو تو وزن اور پیمانہ کو پورا پورا دیا کرو اور توازن و صحیح رکھا کرو ۔ اس طرح سے معاملہ کرنا بہت بہتر اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے لہٰذا ۔

جو لوگ ایفائے عہد نہیں کرتے ان کے لئے قرآن کریم میں واضح اشارے اور سخت وعیدیں موجود ہیں جیسا کہ سورہ نحل میں بیان کیا گیا ہے ۔

" ولا تکلوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوه  
انکنا ط ۔

اور تم اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ جس نے اپنا ہی کانا ہوا سوٹ محنت سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا لہٰذا

لہ ۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ( ۳ )

کے ۔ سیرت النبی جلد ششم ص ۶۸ سید سلیمان ندوی اعظم گڑھ ۔ ۱۳۹۵ھ  
۵۱۹ھ

کے ۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ( ۳ )

کے ۔ سورہ نحل رکوع ( ۱۲ )

اس کا مطلب یہہ ہوا کہ پہلے وعدہ کیا اس کے بعد اس پر عمل نہ کیا اور بد عہدی کر کے اس کو توڑ دیا ایسی صورت میں لوگوں کا یقین اٹھ جاتا ہے اور بہرہ رسا نہیں رہتا کیونکہ یہ تو ہمیشہ اسی طرح کی حرکت کرتے ہیں ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قرآن کریم میں بد عہدون کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے ۔

" ان الذین یشترون بعہد اللہ و ایمانہم ثمنًا قليلًا  
اولیک لا خلاق لہم فی الآخرہ ولا یکلہم اللہ  
ولا ینظر الیہم یوم القیامتہ ولا یزکیہم ولہم عذاب  
الیمہ "

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف کوئی توجہ فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزگی بخشے گا بلکہ ان کے واسطے وہاں دردناک عذاب ہو گا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں بھی ایفائے عہد کی تاکید بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جس کی مثال اس واقعہ میں نظر آتی ہے جو الجہاد فی الاسلام کے حوالہ سے پیش کی جا رہی ہے ۔

" جنگ بدر میں جب کفار کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی اور مسلمان اپنی تعداد بڑھانے کے لئے ایک ایک آدمی کے محتاج تھے ۔ حذیفہ بن الیمان اور ان کے والد حبیل بن جابر لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں کفار نے ان کو روک لیا اور کہا کہ

تم ضرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تو مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں اس پر کفار نے ان سے یہ عہد لے کر چھوڑ دیا کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات کفار کے ہنچہ سے چھوٹ کر بدر کے میدان میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور حضور سے یہ پورا واقعہ دہرایا۔ آپ نے ان کو یہ حکم دیا کہ تم مدینہ چلے جاؤ ہم عہد کو پورا کر لین گے اور ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

اس طرح ابو جندل اور ابو بصیر صحابی کے واقعات بھی ہیں جو مکہ معظمہ سے بھاگ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آئے تھے۔ لیکن چونکہ صلح حدیبیہ میں جو شرائط طے ہوئی تھیں اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ مسلمانوں کے پاس جلا جائے گا تو اس کو واپس کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرائط اور معاہدہ کے تحت دونوں کو ظالموں کے سپرد کر کے مکہ واپس کر دیا اور معاہدہ کے خلاف عمل کرنا پسند نہ فرمایا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم و حدیث شریف نے ایفائے عہد کا جو مہیار قائم کیا ہے وہ کس درجہ بلند ہے۔ چنانچہ اسلام نے معاشرہ کی اصلاح اور اسکو مثالی و فلاحی بنانے کے لئے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا ہے جس سے کسی طرح کی کمزوری کے ابھرنے کا امکان ہو۔

فلاحی ریاست کا دیگر نظاموں سے موازنہ اور اسلامی نظام کا امتیاز —

دنیا میں مملکت کے جتنے بھی نظام ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو انداز ہوتا ہے کہ انکی بنیاد تصورات پر ہے اور ان پر اسطرح زور دیا کہ انکی حقیقت نظروں سے اوجھل ہوگئی کوئی امن و صلح کا تقیب بن کر آیا تو اس نے امن پسندی کے بارے میں اتنا غلو کی کہ کسی صورت میں تلوار اٹھانے اور جنگ کرنے کی اجازت ہی نہ دی (۱) کس نظام نے ذات پات کی تفریق پر زور دیا - کہیں سرمایہ کو اتنا آزاد چھوڑ دیا کہ اس کے بظالم سے ایک طبقہ جینج اٹھا - اور کہیں سرمایہ کو افراد سے جھین کر ریاست کے سپرد کر دیا جسکی وجہ سے افراد کی معاشی آزادی سلب ہوگئی ان کی حیثیت صرف ملازمین کی سی ہوگئی کہ وہ کام کریں اور معاوضہ حاصل کریں نظام خواہ سرمایہ دارانہ ہو اشتراکیت ہو - اشتعالیت ہو - جمہوریت ہو یا ملوکیت یہ سب غیر متوازن افکار و خیالات کا شکار ہیں ان میں سے کوئی بھی نظام ایسا نہیں جو اسلامی نظام کے لئے بطور مثال پیش کیا جاسکے (۲) اور نہ کسی خاص نظریہ کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ حقیقت کے کسی ایک پہلو کو پیش کرتا اور مخالف پہلووں سے بالکل صرف نظر کر لیتا ہے (۳) اور پھر یہ سب خالص دنیاوی ریاست کی قسمیں اور انسانی فرمانروائی کی مختلف صورتیں ہیں ان کو اسلامی ریاست اور خلافت الہیہ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جسکی بنیاد ہی انسانی حکومت کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اثبات ہے (۴) اسلام اپنی مثال آپ ہے اور خود ہی اپنے مخصوص نظریہ

(۱) ہیکل مارکس اور نظام اسلام ص ۱۰۴ محد مظہر الدین مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام ۱۹۲۵ء

(۲) اسلامی نظریہ سیاست ص ۲۳ ولانا حیدر زمان صدیقی مکتبہ دین و دانش ۱۹۲۷ء

(۳) ہیکل مارکس اور نظام ص ۱۰۴ محد مظہر الدین مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام

(۴) اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاح عالم ولانا محد اسحاق سندیلوی - مکتبہ ابراہیمہ ۱۹۲۶ء

سیاست کا شارح ہے - اسلئے ہم اجمالی طور پر ان دیگر نظاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلامی ریاست کا ان سے موازنہ کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ وہ کیا خرابیاں ہیں جنکی بنا پر ہم آئکو مسترد کرتے ہیں اور اسلام کی کیا کیا خوبیاں ہیں جو ان نظاموں سے اسکو میسر کرتی ہیں - سب سے پہلے سرمایہ دارانہ نظام پر روشنی ڈالیں -

سرمایہ دارانہ نظام - یہ ایک معاشی نظام ہے \* اسکی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا تنہا مالک ہے - اسکی کمائی میں کسی کا کوئی حق نہیں اسکو پورا اختیار ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور وہ حق رکھتا ہے کہ جس قدر وسائل ثروت ہر اسکو قابو حاصل ہو ان پر اپنا تسلط قائم کرلے اور اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ حاصل کرے بغیر انکو صرف کرنے سے انکار کر دے (۱) دولت کا ارتکاز و اکٹناز خود کو دوام و استحکام بخشتا ہے (۲) یہ نظریہ خود غرضانہ پہلو کو پورے طرح اپنے اندر سموئے ہوئے ہے کیونکہ اس میں ہر شخص اپنے مفاد کی فکر میں رہتا ہے دولت اس کے گھر کی لونڈی ہوتی ہے جس طرح چاہے اسکا استعمال اپنی ذات پر کرتا ہے اخلاقی اور معاشی اعتبار سے بھی یہ نظریہ ہست ہے کیونکہ اسکا نقطہ نظر سادہ پرستانہ اور خالص منفعت پرستانہ ہے (۳) اسکا مقصد ہی یہ ہے کہ ذاتی نفع کی طرف زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اجتماعی کفالت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹی مالدار طبقے اور غریب طبقے میں منقسم ہو جاتی ہے مالدار اپنی آسائشوں میں اس درجہ مشغول ہو جاتا ہے کہ اسکو اپنے ماحول کی خبر نہیں

(۱) سود ص ۹ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مکتبہ جماعت اسلامی ۱۹۴۸

(۲) اسلام کا نظریہ حیات ص ۴۶۴ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - ادارہ ثقافت اسلامیہ

۱۹۵۷

(۳) چراغ راہ سوشلزم نمبر ۱۵۸ سوشلزم یا اسلام - خورشید احمد - ۱۹۶۷

رہتی وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ جتنا بھی ہو سکے دولت کے انبار لگالے لیکن دوسری طرف وہ لاچار اور بے بس طبقہ ہے جو محنت کرتا اور اپنا پیٹ بھرتا ہے محنت و مزدوری کر کے ان سرمایہ داروں کے آگے ڈھیر لگتا ہے کیونکہ سرمایہ دار انہیں سے کام لیکر دولت حاصل کرتا اور اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے اور مزدوروں کو اتنی اجرت ہی نہیں دیتا جس سے وہ اپنی کفالت آسانی سے کرسکیں - سرمایہ دار قبیلے کے اتار چڑھاؤ کا بھی انتظار کرتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن غریب فائدہ کسی - نادار مزدور جیسی زندگی کا دار و مدار روزوہ کی اجرت ہے ایک دن بھی اتار چڑھاؤ کے پھروسہ پر نہیں بیٹھ سکتا اسلئے وہ کم سے کم اجرت پر اپنی محنت سرمایہ دار کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اسطرح رفتہ رفتہ سرمایہ دار کے پاس دولت جمع ہو جاتی ہے اور بے کس لاچار مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے -

یہ نظام اس بات پر زور دیتا ہے کہ روپیہ سے روپیہ پیدا کرنا چاہئے خواہ وہ تجارتی لین دین کے ذریعہ سے ہو یا سود کے ذریعہ سے (۱) سرمایہ داری ان دونوں میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں کرتی اسلئے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں ایک کے بغیر دوسرا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا اگر سود نہ ہو تو نظام سرمایہ داری کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں اور اسکی مٹائی بھی زوال پذیر ہو جائیگی - لیکن نظام اسلاف اس سے مختلف ہے اسکی خفیف سی جھلک بھی اس نظام میں نظر نہیں آئیگی ~~اس سے~~ اسکی تنصیف بھی ~~ہی~~ ~~جسکی~~ -

### اشتراکیت

اشتراکیت جسکا زور و شور اور چرچا ساری دنیا میں ہو رہا ہے سرمایہ دارانہ نظام کے رڈ عمل کا نام ہے (۲) اسکی تعریف عام طور پر اسطرح کی جاتی ہے کہ "اشتراکیت

(۱) سود ص ۱۰ مولانا ابوالعلی مودودی - مکتبہ جماعت اسلامی ۱۹۴۸

(۲) اسلام اور اشتراکیت ص ۱۶ مسعود عالم ندوی مکتبہ چراغِ راہ کراچی ۱۹۴۸



اسی نظام جماعت کو کہتے ہیں جسکے ماتحت شخصی یا ذاتی ملکیت کو جملہ ذرائع پیداوار دولت میں دخل نہیں ہوتا یا کم از کم وہ اس نصب العین کی طرح حرکت کرتا ہے " (۱) دوسرے الفاظ میں اسکی جامع تعریف یہ ہو سکتی ہے - اشتراکیت صرف ذاتی محنت کی کمائی کو جائز سمجھتا ہے لیکن جائداد کی آمدنی کی قائل نہیں (۲) اشتراکیت کا تصور تو اس بنیاد پر قائم ہے کہ تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں اسلئے افراد کو فرداً فرداً ان پر مالکانہ قبضہ کرنے اور اپنے حسب منشاء تصرف کرنے اور انکے منافع سے تنہا مستمع ہونے کا حق نہیں - اشخاص کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو سوسائٹی کے مشترک مفاد کے لئے وہ انجام دین کے سوسائٹی انکے لئے ضروریات زندگی فراہم کرے گی اور وہ اسکے بدلہ میں کام کریں گے (۳) یہاں اسکی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسکا نظریہ خالص مادہ پرستانہ ہے کیونکہ اشتراکیت خدا کی منکر اور انبیائے کرام کی منکر ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس مادہ پرستی کی جھلک نظر آتی ہے - یہ روح کے حقائق سے انکار کرتی ہے اور فلسفہ مذہب کی منکر ہے (۴) یہ نچر کے پیچھے کسی قوت کی قائل نہیں اور نہ پورے نظام میں اسکا کوئی پرتو قبول کر سکتی ہے (۵)

(۱) سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اسکی قسمیں ص ۴ سید مفتی الدین شمس - ندوۃ المصنفین

(۲) سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اسکی قسمیں ص ۵ سید مفتی الدین شمس ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۳۰

(۳) سود ص ۱۱ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مکتبہ جماعت اسلامی ۱۹۲۸ء

(۴) اسلام کا نظام حکومت ص ۵۷۳ حامد الانصاری قازی - ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۳ء

(۵) چراغ راہ سوشلزم نمبر ص ۱۷۸ - جلد ۱۵ شمارہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۷ء ادارہ معارف

اسلامی

اشتراکیت مزدوروں غریبوں کے حق میں نعرہ بلند کرتی ہوئی اٹھی اور اٹھارویں

صدی کے آخر ہی سے اس نے مزدوروں کی حمایت شروع کر دی (۱) اور ساتھ ساتھ اس نظریہ

کے ماتحت کارل مارکس نے ایک جدید اقتصادی نظام قائم کیا جس کا دعویٰ یہ ہے کہ "وہ

مقام عامہ کا داعی اور مزدوروں کسانوں اور پست و مظلوم طبقہ کا حامی ہے" (۲)

یعنی اسی لئے اشتراکیت تمام دنیا کے مزدوروں اور غریبوں کے لئے دنیا کو مسخر کرنا چاہتی

ہے (۳) نہ صرف یہ کہ مزدوروں کی حمایت کرتی ہے بلکہ سرمایہ کی مساوی تقسیم کا حکم

دیتی ہے اور اس حکم پر تلوار کی قوت سے عمل کرانی ہے (۴) چونکہ ان مزدوروں کی

خوشحالی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتی ہے اسوجہ سے یہ ان لوگوں کا سرمایہ ضبط

کر لیتی ہے جو سرمایہ اندوازی کرتے ہیں اور ان لوگوں میں تقسیم کر دیتی ہے جو خالی ہاتھ

ہیں جن کے پاس اپنے گریسر کے لئے کچھ بھی نہیں -

چونکہ یہ اشتراکیت ملکیت کے خلاف ہے اسوجہ سے کوئی نہ تو روپیہ جمع کر سکتا

ہے اور نہ ہی اس کو بطور خود کاروبار میں لگا سکتا ہے دی - ڈی مہاجن نے اپنی کتاب پرنسپل

آف پولیٹکل سائنس میں اس کی بڑی جامع و طامع تعریف کی ہے - اشتراکیت زمین کی پیداوار میں

ذاتی ملکیت کی مخالف ہے کیونکہ زمین کی پیداوار قدرت کا دیا ہوا ایک عطیہ ہے کوئی بھی

فرد ذاتی طور پر اپنے مقصد کے لئے اس کی تجارت نہیں کر سکتا - (۵)

ذاتی ملکیت کے سلسلے میں بطور بالا میں چند الفاظ سپرد قلم کئے جا چکے

ہیں جن سے اشتراکیت کے نظریہ پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ یہ صرف ذاتی ملکیت کے خلاف

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۲۲ حفظ الرحمن سہواری - تدوین المصنفین دہلی

۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

(۲) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۲۲

(۳) اسلام کا نظام حکومت ص ۵۴۲ مولانا حامد الانصاری غازی - تدوین المصنفین دہلی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

(۴) ایضاً ص ۵۴۲

(۵)

آواز بلند کرتی ہے اور مزدور غریب طبقہ کو ابھارتی ہے اور انکی ہمہ افزائی کرتی ہے۔

اشتراکیت نے یہ سب کچھ کیا لیکن وہ اپنے تجربہ میں بری طرح ناکامیاب

رہی کیونکہ انسانیت کی رہنمائی اس نے حقیقی طور پر نہیں کی اس نے انصاف کا نعرہ ضرور

بلند کیا لیکن اس نے ہر قدم پر انصاف کا خون کیا اور انسان کے دکھوں میں اضافہ

کیا۔ سب سے بڑی اور بنیادی خرابی اسکی یہی ہے کہ وہ مذہب و خدا کی منکر اور

انہیائے کرام کے مشن کی منکر ہے۔ دوسرے یہ کہ اشتراکیت سرمایہ داری کی ترقی یافتہ

شکل ہے سرمایہ داری میں چھوٹے چھوٹے طبقوں کے مفادات اجتماعی صورت اختیار کرکے

فرد کی انفرادیت سلب کرتے ہیں اور اشتراکیت یہی کام وسیع پیمانہ پر انجام دیتی ہے۔

کہ معاشرے کی ترقی کا راز اس میں مضمر ہے کہ اجتماعی مفاد پر زور دیا جائے اور کسی فرد

کے کوئی ذاتی اور مستقل حقوق نہیں اشتراکیت اپنے قوت کے بل بوتے پر محنت کشوں کی

مشقت سے زیادہ فائدہ اٹھاتی ہے اور جو زائد پیدا کرتے ہیں اسکو خود اپنے قبضہ میں

لے لیتی ہے اگر سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار پرے ہیں مزدوروں کی محنت سے فائدہ

اٹھا کر سرمایہ حاصل کرتا ہے تو اشتراکیت اسکو اور بھی وسیع پیمانے پر کرتی ہے

اس میں نہ صرف یہ کہ انکی محنت سے فائدہ اٹھا کر قدر وائد کا بہت سا حصہ حکومت

اپنے قبضہ میں کر لیتی ہے بلکہ ان سے جبری محنت بھی کرائی جاتی ہے اور وہ سارے

مظالم ڈھاتی ہے جس سے لفظ انسانیت کھو گیا۔ کانپ کانپ جاتی ہے۔ "سرمایہ دارانہ

نظام میں دولت مند لوگوں کا عرصہ حیات تنگ کرتے ہیں اور انکا خون چوستے ہیں مگر

اشتراکیت میں یہ چھوٹے چھوٹے سانپ مل کر ایک خوفناک اژدھے کی صورت اختیار

کر لیتے ہیں جو عوام کا لہو پیتا ہے اور دم مارنے کا بھی موقع نہیں دیتا \* (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اشتراکیت کا مزاج ہی ایک شدید ترین

ڈکٹیٹر شپ کا منتفی ہے (۱)

اشتہالیت — اشتہالیت سماجی نظام کا ایک ایسا نظریہ ہے جسکی / رو سے تمام

ملکیت معاشرہ میں تفویض ہونی چاہئے اور محنت کی تنظیم مواد عام کی خاطر انجام

پانی چاہئے - (۲)

کارل مارکس نے فرانس کے اشتراکی خیالات سے متاثر ہو کر \* ۱۸۴۸ء

میں اشتہالی منشور کی شکل میں اپنے نظریات کی وضاحت کی \* اس طرح سے اشتراکیت

کی ایک قسم اشتہالیت کا آغاز ہوا جس سے مستعد مالک متاثر ہوتے رہے لیکن اس نے

سب سے زیادہ ترقی روس میں کی - اشتہالیت ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتی ہے

جس میں طبقاتی امتیاز نہ ہو جہاں وسائل پیدائش انفرادی قبضہ میں نہ ہوں -

دولت کی غیر مساوی تقسیم کی مخالف اور اقتصادی مساوات کی حاوی ہے سرمایہ دارانہ

نظام میں دولت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اشتہالیت اسکو معاشی برائے انسانی

نصیر کرتی ہے چنانچہ اس نے سرمایہ داری کے خلاف آواز اٹھائی اور وسائل معاش

کو انفرادی قبضہ سے نکال کر قوی ملکیت میں دیدہ ہے ان تمام عناصر کو ختم کیا جو سرمایہ

داری کے قیام و تقویت کا باعث ہوتے ہیں اس نظام میں فرد کی انفرادیت سماج میں کم

ہو کر رہ جاتی ہے -

(۱) چراغ راہ سوشلزم نمبر جلد اول ص ۳۰ دسمبر ۱۹۶۴ء جلد ۲۱ شماره ۱۰

(۲) اسلام کا جمہوری نظام ص ۳۶۸ شاہد حسین زاقی ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان

جمہوریت — موجودہ زمانے میں جمہوری نظام حکومت کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوگئی ہے جمہوریت سے مراد ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں قوت و اقتدار ملک کے عوام کے ذریعہ اکثریتی پارٹی سے حاصل ہوتا ہے۔ حکومت کو کس جھوٹے سے جھوٹے اور بڑے سے بڑے ادارے میں وراثت و جانشینی کے تمام تصورات کو قطعاً دخل نہ ہو۔

”جمہوری طرز حکومت طریقہ انتخاب پر مبنی ہے“ ملک کے عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ ملک کی جماعتوں میں سے جس قوم کو بہتر خیال کرتے ہوں اسکو اپنے ووٹوں سے حکومت کی گدی پر بٹھا دیں۔ گویا اصل قوت کے مالک عوام ہیں اپنی مرضی سے اسکو استعمال کریں۔

اس نظام حکومت میں تمام باشندوں کو اقتصادی معاشرتی اور شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں اور شہری <sup>کو</sup> ~~مسلم~~ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ”جمہوریت“ کہی ملوکیت سے متصادم ہوتی اور کہی عدیت و اعیانیت سے کہی شہنشاہیت سے برسر پیکار ہوتی اور کہی آزیت سے ”ہر کشمکش کا مقابلہ کیا اور اپنی تنظیم و استحکام کے ساتھ آگے بڑھی اور عالمگیر قبولیت حاصل کرلی۔

- 
- (۱) اسلامی نظریہ سیاسیات ص ۳۲ مولانا حیدر زمان صدیقی - مکتبہ دین و دانش پشہ ۱۹۴۷ء  
 (۲) اسلام کا جمہوری نظام مقدمہ ص ۳۴ شاہد حسن رزاقی - ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۱۹۵۷ء

جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اس مقالہ میں بیان کیا گیا ہے اسلامی فدر ریاست کی اساس و بنیاد اقتدار اعلیٰ (خدا) کے صحیح تصور پر مبنی ہے۔ اور اسکی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک اقتدار اعلیٰ کسی فرد یا جماعت کو حاصل نہیں۔ بلکہ مسلمان اور زیادہ وسیع معنوں میں ہر انسان کی انفرادی اور سماجی زندگی کی توہیت قانون الہی کی روشنی میں ہونی چاہئے۔ اسلام میں کسی ایسی مملکت کا تصور نہیں ہے جہاں فرد کو اپنی انفرادیت کے استحکام کے مواقع حاصل نہ ہوں۔ اس کے علاوہ فرد کی اہمیت صرف ربط ملت سے ہے گویا وہ تمام افراد جو خدا کے اقتدار اعلیٰ کو بے چون چرا تسلیم کرتے ہوں اور قانون الہی کی روشنی میں ایسی سماجی زندگی بسر کرتے ہوں جس میں الہامداد باہمی۔ مساوات اور اخوت کے عناصر پر زندگی کی تعمیر ہوتی ہو۔ حکمرانی کی مخصوص طبقہ گروہ یا پارٹی میں محصور نہ ہو۔

اس کے برخلاف جب ہم مملکت کے دوسرے نظریات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے تین واضح نظریات اترے ہیں۔ (۱)۔ جمہوری مملکت جس کے دو مظاہر پارلیمانی اور صدارتی حکومتیں ہیں۔

پارلیمانی حکومت انگلستان۔ ہندوستان اور پاکستان میں قائم ہیں ان ملکوں میں اقتدار اعلیٰ مجلس قانون ساز (پارلیمنٹ) کو حاصل ہے۔ جس کی تشکیل ~~مجلس~~ ان نمائندوں سے ہوتی ہے جو مختلف علاقوں سے منتخب ہو کر اترے ہیں اور عنان حکومت اس پارٹی کے ہاتھ میں ہوتی ہے جس کو اکثریت حاصل ہو۔ جس کے دو لازمی نتائج ہیں۔

(۱) دولت کی قوت پر منتخب ہونے والے اراکین متعینہ قوم کی ضمیر کی آواز نہیں ہوتے ان کے پیش نظر اپنی پارٹی کا مفاد ہوتا ہے۔

(۲) حکمران جماعت جس کا ایک مخصوص سیاسی نظریہ ہوتا ہے وہ ائین حکمرانی اسی کی روشنی میں مرتب کرتی ہے۔

(۲) احکام الہی کی روشنی میں قوانین مرتب نہیں کئے جاتے اور نہ ان کی کوئی اخلاقی بنیاد ہوتی ہے جس کی واضح اور روشن مثال ان ممالک میں — خاندانی منصوبہ بندی ہے — جب کہ رزاق مطلق کا مستحکم وعدہ ہے کہ ہر بندہ کے رزق کے ہم ذمہ دار ہیں — اسی طرح اراضی کے قانون وراثت کی رو سے بیوی کی اراضی اس کے مرنے کے بعد شوہر کو ملے گی — انگلستان میں لواطت کا نونا جائز ہے —

اشتمالی اور اشتراکی حکومتوں میں شہری کی کوئی حیثیت نہیں اس کی ہستی سماج میں گم ہو کر رہ گئی ہے اقتدار اعلیٰ ان ممالک میں بھی حکمران جماعت کو حاصل ہے — خدا کے تصور کی نظریہ اشتمالیت اور اشتراکیت میں کوئی گنجائش نہیں — قانون کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں — محنت کش اگر مقررہ اوقات سے زائد محنت کر کے زیادہ مزدوری حاصل کرتا ہے تو وہ مملکت کی ملکیت ہوتی ہے —

ان تمام حکومتوں میں فلاح کا تصور صرف روٹی کپڑا مکان اور زیادہ سے زیادہ محنت<sup>مست</sup> علاج کی سہولتوں میں مضمحل ہے — جب کہ اسلامی غلامی حکومت میں سب سے پہلے اقتدار اعلیٰ خدا کی ذات کو تسلیم کیا جاتا ہے اور کوئی وہ قانون جس کی اخلاقی بنیاد نہ ہو اسلامی غلامی ریاست میں نافذ نہیں ہو سکتا — اسلامی نظریہ فلاح اور دیگر ریاستوں کے غلامی نقطہ نظر میں اقتدار اعلیٰ کے تصور اور قوانین کے اخلاقی اور غیر اخلاقی اساس و بنیاد کا فرق ہے —

## کتابیات

- ابو بکر صدیق اکبر  
اجتہادی مسائل  
الجہاد فی الاسلام  
احکام سلطانہ یحییٰ اسلامی  
نظام حکومت -  
احیاء العلوم  
احکام شرعیہ میں حالات و  
زمانے کی ریاضت  
اصول الیسر  
اخلاق اور فلسفہ اخلاق  
الادب المفرد  
الرق فی الاسلام اسلام میں  
علامی کی حقیقت  
اسلام کا نظام امن  
اسلامی حکومت کس طرح قائم  
ہوئی۔  
اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاں  
عالم -  
اسلامی نظریہ سیاست  
اسلام کا نظریہ سیاسی  
اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر  
اسلامی دستور کی تدوین  
اسلام کا سیاسی و معاشی نظام
- محمد حسین ہیکل مترجم  
مولنا شاہ محمد جعفر پهلواری  
ابوالاعلیٰ مودودی  
ابوالحسن مادی انتظام اللہ  
شہابی مترجم  
امام عزالی رحمہ اللہ علیہ  
محمد تقی امینی  
حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف  
محمد حفیظ الرحمن سہواروی  
مترجم بسید عبدالقدوس  
ہاشمی ندوی فاضل دیوبند  
محمد طاہر الدین مفتاحی  
سید ابوالاعلیٰ مودودی  
محمد اسحاق سندھلوی  
وحید الزمان صدیقی مقدمہ  
سید سلیمان ندوی  
سید عبداللطیف  
ابوالاعلیٰ مودودی  
" محمد مختار عباسی
- مکتبہ جدید لاہور - ۱۰۶۱ء  
ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان  
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۳۰ء  
محمد سعید ایند سنز تاجران کتب  
مصر ۱۳۰۸ھ / ۱۹۳۹ء  
سندھ سائر اکیڈمی لاہور ۱۹۶۹ء  
کتاب آرام باں کراچی  
رفیق ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۶۹ھ /  
۱۹۵۰ء  
حضرت امام بخاری رحمہ اللہ علیہ  
ندوہ المصنفین دہلی  
مفتاح العلوم اعظم گڑھ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء  
مکتبہ نشاۃانیہ حیدرآباد ۱۹۴۶ء  
کتاب منزل لاہور ۱۹۵۵ء  
کتاب منزل لاہور ۱۹۵۷ء  
طبعہ ترجمان القرآن پبلیکیشنز  
طبعہ اسماعیلیہ حیدرآباد دکن  
جامعہ اسلامیہ پاکستان ۱۹۶۱ء  
ناشران کتب کراچی ۱۹۵۳ء



- اسلام کا معاشیات و نظام وحید الزمان صدیقی
- اسلام اور اسکا آئین حکومت علام محمد جمال پرنسٹن پریس دہلی ۱۹۶۶ء
- اسلامی معاشیات مولانا مناظر احسن کیلانی شی شوکت علی ایند سنز کراچی، حیدرآباد
- اسلامی حکومت کے نقشہ و نگار مولانا مظہر اندین مفتاحی ادارہ تصنیف و تالیف مفتاح العلم سر اعظم کراچی
- اسلام کا معاشی نظریہ محمد مظہر اندین صدیقی ادارہ ثقافت اسلامین لاہور
- اسلام کا نظام حیات
- اسلام کا معاشی و سیاسی نظام محمد مختار عباسی کراچی ۱۹۵۹ء
- اسلام کا نظام محاصل محمد نجات اللہ صدیقی مترجم مکتبہ چراغ راہ
- اسلام کا جمہوری نظام داکٹر سید علی اسلم امین برادر، انارکلی لاہور
- اسلام کا معاشی نظام داکٹر نجات اللہ صدیقی مکتبہ جماعت اسلامی دہلی ۱۹۷۱ء
- اسلامی عبادات و اخلاقی تعلیمات سعید احمد اکبرآبادی کانفرنس بٹ دیو علوگرہ ۱۹۶۵ء
- اسلام اور تپہاگریسی عبدالحمید صدیقی مکتبہ چراغ راہ لاہور جنوری ۱۹۵۵ء
- X اسلام میں علامی کی حقیقت پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی اکبرآبادی مذکورہ تصنیفیں دہلی ۱۹۸۹ء
- اسلامی قانون فوجداری میراحمد وکیل ریاست حیدرآباد مطبوعہ معارف پریس، اعظم گرہ ۱۹۲۹ء
- اسلام کا نظام سیاست و عدالت یعقوب الرحمن نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن ۱۹۴۶ء
- اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام مولانا ابوالفضل آزاد مولانا ابوالفضل آزاد
- اسلام کا اقتصادی نظام محمد حفیظ الرحمن سہواری بار اول ۱۹۴۹ء مروجہ یورپ کے مقابلہ میں لاہور -
- اسلام کے معاشی نظریے محمد یوسف الدین استاد و مذہب، اشاعت ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء مکتبہ ابراہیمہ حیدرآباد
- اسلامی ریاست سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلام پبلیکیشنز لاہور کراچی ۱۹۶۲ء
- اسلام اور رواداری رئیس احمد جعفری ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء
- اسلام کا نظام حکومت حامد اللہ انصاری غازی رفیق ندوہ المصنفین، دہلی
- اسلام میں علامی کی حقیقت پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی
- اسلام اور اشتراکیت محمد خدیم محمد جمال پرنسٹن پریس دہلی ۱۹۴۲ء
- اسلام کا نظریہ اخلاق محمد ظہیر الدین صدیقی ادارہ ثقافت اسلامین لاہور
- اسلام کا نظریہ سیاسی مولانا ابوالفضل آزاد مطبوعہ معارف پریس، اعظم گرہ ۱۹۲۹ء
- اسلامی سیاست مولانا ابوالفضل آزاد مطبوعہ معارف پریس، اعظم گرہ ۱۹۲۹ء

مولانا علام محمد مہر مترجم جلد

اسلام اور قانون جنگ و صلح

مولانا مظہر الدین صدیقی

اسلام اور عورت

محمد مظہر الدین مفتاحی

اسلام کا نظام امن

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول و دوم

محمد اسحاق سندھلوی

اسلام کا سیاسی نظام

محمد مظہر الدین صدیقی

اسلام کا نظریہ تاریخ

سید عبدالطیف

اسلامی تہذیب

مولانا محمد مفتی شفیع

اسلام کا نظام آراضی

خواجہ عقیل عباد اللہ اختر

اسلام میں حریت و فسولات و اخوت

مولانا محمد منظور نعمانی

اسلام کیا ہے

مولانا امین احسن اصلاحی

اسلامی ریاست کارکون کی

ذمہ داریاں

مولانا امین احسن اصلاحی

اسلامی ریاست ذمیوں کے حقوق

امین احسن اصلاحی

اسلامی ریاست اطاعت کے

مولانا ابوبکر مات محمد علی الزوف

شرائط اور حدود

اسلام اور موجودہ مدنی سائل

اسلامی ریاست، شہریت کے

حقوق و فرائض

سید ریاست علی ندوی

اسلامی نظام تعلیم

مترجم محمد نجات اللہ صدیقی

اسلام کا نظام عدل

مترجم علی عبدالرزاق

اسلام اور اصول حکومت

شاہ معین الدین ندوی

اسلام اور عربی تمدن

مظہر الدین صدیقی

اسلام میں حیثیت نسوان

احسن اصلاحی

اسلامی قانون کو تدوین

ابوسلیم محمد حفیظ اللہ

اشتراکیت اور اسلام

مولانا حاجی شاہ محمد اکبر

اشرف التواریخ

مسعود عالم ندوی

اشتراکیت اور اسلام

امام غزالی

اصیاء السلام مبادلہ

بار اول ۱۹۵۹ء طابع ناشر ایم معین الدین

فرام پبلیشرز ۱۹۶۵ء

شیعہ تالیف و تصنیف مفتاح العلوم

مٹو اعظم گڑھ ۱۹۶۱ء

اسلام پبلیشرز ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۱ء

حیدر آباد دکن ۱۹۶۲ء

ادارہ معارف کراچی، ۱۳۶۷ھ

ادارہ ثقافت اسلامین لاہور ۱۹۵۵ء

الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۱ء

جماعت اسلامی لاہور ۱۹۵۰ء

جماعت اسلامی لاہور ۱۹۵۰ء

"

جامعہ علیہ ربی ۱۹۵۹ء

"

معارف اعظم گڑھ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

مکتبہ جماعت اسلامی دہلی ۱۹۶۰ء

الجديد لاہور ۱۹۵۲ء

دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء

مکتبہ لاہور ۱۹۵۳ء

مکتبہ المنر لائبرپور ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

محمد علی رود علیگرہ ۱۹۵۷ء

مطبع آکرہ ۱۳۸۱ھ

مکتبہ چراغ راہ کراچی

۱۳۰۶ھ  
۱۹۳۹ء

اصول فقہ اسلام	مترجم مولوی مسعود علی	کریم سنز کراچی ۱۹۳۰ء
افکار سیاسی	نسیدین	اسلامی کالج کراچی ۱۹۴۲ء
افکار ابن خلدون	مولانا محمد حنیف ندوی	ادارہ ثقافت اسلامی لاہور ۱۳۸۲ھ / ۱۹۵۲ء
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	سید ابوالحسن ندوی	ندوہ العلماء لکھنؤ ۱۹۶۶ء
امامت و سیاست	رئیس احمد جعفری ندوی	علام علی ایند سنز لاہور ۱۳۴۲ھ
ارکان اربع	مولانا سید ابوالحسن ندوی	دارالعلوم ندوہ العلماء
اسلام کا نظام عدل	مترجم محمد نجات اللہ صدیقی	مکتبہ جماعت اسلامی دہلی ۱۹۶۰ء
بلوغ العرام	حافظ احمد ابن علی ابن محمد ابوالفضل	تجارت کتب کراچی ۷۷۳ھ / ۸۵۳
بیان القرآن	مولانا تھانوی	مطبع دہلی
بہار شریعت جلد ہفتم	محمد امجد علی	کشمیری بازار لاہور
پولیٹیکل سائنس یعنی سیاسیات حصہ اول	ٹی ایس مرولا	سرچیت بک ہاؤس نئی سرک دہلی ۱۹۶۳ء
پردہ	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	ترجمان القرآن ۱۳۵۹ھ
تاریخ جمہوریت	شاہد حسن رزاقی	ادارہ ثقافت اسلام لاہور صبح اول ۱۹۵۷ء
تاریخ ادب عربی	احمد حسن زریاق	ترجمہ عبد الرحمن طاہر شوری
تمدن اسلام حصہ اول	عبدالسلام ندوی	ترجمہ محمد علی ابن مسعود لاہور ۱۹۵۰ء
تاریخ اخلاق اسلامی	پروفیسر ادولف ہولم	حصہ اول در مطبع معارف شہر اعظم گڑھ ۱۳۵۱ھ
تاریخ یونان قدیم حصہ اول	ترجمہ مولوی ہارون خان شروانی	جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۴۶ھ، ۱۹۲۷ء
تاریخ روما	ای ایف پیلم ایم اے ایف	جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

سید ابوالفضل ایم اے عثمانیہ  
سب رس کتاب گھر وفعت منزل  
حیدرآباد دکن

مولوی سید علی بلگرامی در مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۷۲ء

پروفیسر فیلیپ حتی مترجم ۱۹۷۲ء انجمن ترقی اسلام کراچی

مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری

تمدن عرب

تاریخ ملت عربی

تاریخ الامت حصہ دوم

خلافت راشدہ

تاریخ الامت سہ حصہ اول

سیرت الرسول

تاریخ اسلام حصہ اول

دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۳۵۸ھ /  
۱۹۳۹ء

سید سلیمان ندوی

تاریخ اسلامی حصہ چہارم

محمد خلیل الرحمن

خلافت بنو عباسی

تاریخ اسلامی حصہ سوم

خلافت بنو امیہ

تاریخ اسلامی خلافت راشدہ

کوآپریٹو پریس لاہور ۱۹۳۳ء

تاریخ اسلام حصہ دوم بنی امیہ، شاہ معین الدین احمد ندوی، معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۸۸ھ /  
۱۹۶۸ء

بندر رود کراچی جون ۱۹۶۱ء

تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات، عبداللہ منان

رفیق ندوہ المصنفین ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء

ترجمان السنہ حصہ اول و دوم مولانا بدر عالم

قیود آباد ایند سنز ۱۳۳۷ھ

حسین ابن مبارک

تجريد البخاری

مطابع کراچی ۱۳۸۰ھ

ابوالصلح

ترمذی شریف

مکتبہ جماعت اسلامی ہند ۱۹۵۸-۷۰

تفسیر القرآن جلد اول و دوم سوم سید ابوالاعلیٰ مودودی  
چہارم پنجم ششم

سمتہ اکیڈمی دہلی ۱۹۶۴ء

ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن

مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ

تہذیب و تمدن اسلامی حصہ اول رشید اختر ندوی

لاہور ۱۹۵۵ء

ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

تقی امینی

تہذیب کی جدید شکل

امین احسن اصلاحی

توضیحات

عثمان پریس بدایون ۱۹۶۳ء

جدید دنیا اسلام

مولنا شاہ ولی اللہ محمد  
محدث دہلوی

حجۃ البالغہ حصہ اول و دوم

آفتاب برقی پریس امرتسر ۱۹۳۲ء

مولنا اکبر ثلہ

حجۃ الاسلام حصہ اول

مطبع آگرہ

مفتی محمد نور اللہ

حقائق الاسلام

پاک اکیڈمی ۱۴۱ کراچی ۱۹۶۲ء /  
۱۳۸

قاضی ثناء اللہ پاپی

حقوق الاسلام

ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

خورشید احمد فاروق

حضرت عمر کے سرکاری خطوط

شہاکر داس ایند سنز

داکٹر مولوی حافظ نذیر احمد

الحقوق الفرائض حصہ اول

۱۴۸۰ھ / ۱۹۶۵ء

خورشید احمد فاروق

حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط

الحقوق الفرائض حصہ دوم

انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۳ء

داکٹر حلیفہ عبدالحکیم

داستان دانش

بزم اشاعت اردو بازار لاہور ۱۹۶۵ء

مولنا حبیب الرحمن

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

اصح المطایح سے لکھنؤ میں مطبوع  
ہوئی

مولنا محمد عبدالحکیم

دلائل خلافت و شواہد

کتب خانہ انصاریہ جالندھر

مولنا سید محمود علی

دین و آئین

در مطبع معارف اعظم گڑھ

شاہ معین الدین احمد ندوی

دین رحمت

مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامین لاہور

مولنا جعفر شاہ ندوی پھلوری

الدین یسر

انجمن پبلیکیشنز بدایون علی گڑھ ۱۹۷۵ء

ڈاکٹر محمد غلام محمد

دنیا کی حکومتیں

ریاض الصالحین	مولانا عبدالرحمن صدیقی	محمد سعید ایند سنز تاجران کتب کراچی
ریاست افلاطون	مترجم ڈاکٹر حسین	سادیثہ اکاڈمی نئی دہلی
رسول اکرم کی سیاسی زہدگی راہ عمل الرحیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، جلیل احسن ندوی مدیر محمد سرور ،	ناشر سالم کمپنی دیوبند ، جولائی ۱۹۶۳ء ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد دکن ۱۹۶۴ء
سبیل الجنان	سلطان جہان بیگم	
سیاست شرعیہ	امام الدین تیمیہ	کلام کمپنی ناشران و تاجران کتب مولوی مسافر خانہ کراچی
سیرہ النبی اول ، دوم ، سوم چہارم ، پنجم ، ششم -	سید سلیمان ندوی	معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۶۰ھ / ۱۹۵۹ء
سیاسیات	محمد اجمل خان	یونانی دواخانہ پریس الہ آباد ۱۹۵۹ء
سرمایہ زندگی	محمد احتشام الحسن	شیخ احمد اشرف تاجر کتب مکتبہ تحفظ اسلام ، رام نگر ، بنارس
سیرت حضرت ابوبکر صدیق	ابو محمد امام الدین	
سیاسی وثقہ جات	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء
شوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اسکی قسمیں -	سید مفتی الدین شمس	ندوہ المصنفین ۱۹۱۱ء
سیر عمر ابن عبدالعزیز	مولانا عبدالسلام ندوی	مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء
سود	سید ابوالاعلیٰ مودودی	مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان ۱۹۴۸ء
سفن ابوداؤد ، حصہ اول دوم ، سوم -		مطبع کراچی

الحلال بك ایجنسی ۱۹۵۰ء	ابوالکلام آزاد	حقیقت زکواہ
ندوہ المصنفین ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء	خورشید احمد فاروق	حضرت عثمان کے سرکاری خطوط
دارالاسم جمالیپور ہائیکورٹ ۱۳۶۲ھ/۱۹۶۵ء	ابوالاعلیٰ مودودی	خلافت و ملوکیت
پٹھان کورٹ	قاضی زین العابدین میرٹھی	خلافت راشدہ حصہ دوم
مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۱ھ	سید سلیمان ندوی	خلافت اور ہندوستان
کراچی ۱۹۶۲ء	داکٹر امیر حسن صدیقی	خلافت و سلطنت
کتب لال کوان دہلی	پرندیزالحق میرٹھی	خطبات حیات
شیخ غلام علی ایند سنز ، کشمیری بازار کواچی -	سید مرتضیٰ حسن شیب	خطیب قرآن آخر الزمان
دائم المصنفین اعظم گڑھ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء	شاہ معین الدین احمد ندوی	جلد چہارم خلفائے راشدین
اردو بازار کواچی ۱۹۳۹ء	عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری	شمائل کبری
ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء	پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی	صدیق اکبر
مطبع سعیدی کواچی		صحیح بخاری، اول، دوم، سوم
بیروت ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء	ابن سعد	طبقات ابن سعد
مکتبہ جماعت اسلامی دہلی ۱۹۴۳ء	پروفیسر داکٹر محی الدین الوائی	عرب دنیا

علوم القرآن	مرزا سلطان احمد	دارلشفاء لکھنؤ ۱۳۸۵ھ
عورت اور اسلامی تعلیم	مالک رام	یونائٹڈ انڈیا لکھنؤ ۱۹۶۵ء
علم الفقه جلد چہارم	مولانا عبدالشکور فاروقی	کتب خانہ دیوبند ۱۹۵۵ء
عورت اسلامی معاشرہ میں	سید جلال الدین	مکتبہ برہان دہلی ۱۹۵۲ء
عہد نبوی میں نظام حکمرانی	محمد حمید اللہ	مکتبہ ابراہیمہ دکن ۱۹۵۱ء
عورت انسانیت کے آئینہ میں	عبدالرحمان خان	شوالہ خان ایند سنز لاہور ۱۹۷۵ء
غلامان اسلام	مولانا سعید احمد اکبرآبادی	ندوہ المصنفین دہلی ۱۳۸۳/۱۹۶۳ء
الفاروق حصہ اول، دوئم	مولانا شبلی نعمانی	معارف پریس آعظم گڑھ
فتاوی عالمگیر اردو	مفتی جمیل الرحمن	ابوالمعانی دیوبند ۱۹۵۱ء
فقہ الاسلام	حسین احمد حطیب	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۴۲ء
فقہ عمر	مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۸ء
فلسفہ شریعت اسلام	داکٹر صبحی محمد صافی	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء
قرون وسطی کے مسلمانوں کے سیاسی نظریئے	نعیم صدیقی	مکتبہ چراغ راہ کراچی ۱۹۵۰ء
قومی ملکیت		



- کارل مارکس اور اسکی تعلیمات شیر جنک  
 کتاب الاموال قصہ اور امام ابو عبید القاسم ابن سلام  
 کتاب الاخلاق مفتی انتظام اللہ شہابی  
 کتاب الخراج قاضی ابو یوسف
- مسلمان عورت کی آزادی پروفیسر محمد سرور  
 مشارق الانوار مولانا محمد عبدالحلیم  
 مبادی سیاسیات ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی  
 مصر قدیم کو پہلو شہنشاہی سید انیس احمد  
 مسئلہ تعداد ازدواج شاہ محمد جعفر ندوی پھلوی  
 مسلمانوں کے سیاسی افکار پروفیسر رشید احمد صدیقی  
 مسئلہ ملکیت زمین سید ابوالاعلیٰ مودودی  
 مسئلہ خلافت ابوالکلام آزاد  
 مسلمان عالم حصہ اول سید سلیمان ندوی کشمیری  
 مسلمانوں کا نظام مملکت مولوی محمد علیم اللہ صدیقی  
 مسئلہ زمین اور اسلام شیخ محمد احمد  
 مغرب کی بیداری کا اسلامی محمد سفیان علوی  
 پس منظر شبلو نعمانی  
 مقالات شبلو جلد اول  
 مملکت کا اسلامی تصور ڈاکٹر محمد عبداللہ عربی
- کتاب منزل لاہور ۱۹۴۸ء  
 ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد  
 ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۹ء  
 تاجران کتب کراچی ۱۹۶۰ء  
 مصر ۱۳۵۲ھ
- سند اکادمی لاہور ۱۹۴۸ء  
 نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ  
 ایجوکیشنل بک ہاؤس ۱۹۷۱ء  
 نظامی پریس بدایون ۱۹۳۵ء  
 ادارہ ثقافت اسلامین لاہور ۱۹۵۹ء  
 ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء  
 اسلام پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۶۵ء  
 مکتبہ احباب لاہور ۱۹۷۳ء  
 لاہور ۱۹۴۵ء  
 ندوۃ المصنفین لاہور ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء  
 ادارہ ثقافت اسلامین لاہور ۱۹۵۱ء  
 مکتبہ دین و ادب لکھنؤ ۱۳۸۰ھ  
 ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۸ء

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

معاشیات اسلام

سلطان جہاں بیگم

مقصد ازدواج

اسلامک پبلیکشنز ۱۹۶۹ء

مطبع سلطان پور ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء

تاجران کتب کراچی

مسند امام اعظم ابوحنیفہ

علام علی ایند سنز

سید نائب حسین

مشکوٰۃ شریف عربی اردو

مشکوٰۃ شریف ، اول ، دوم ،

سید سید بک کٹی (راوی)

شاہ فرید الحق

سوئم  
لغری سیاسیات  
موطا امام مالک

مطبع عثمانیہ حیدرآباد ۱۳۰۶ھ

منشی نور کشور

ہدایہ ، جلد چہارم

مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام ۱۹۴۵ء

ہیگل اور مارکس

طبقات دین بعد محمد

دین سر

بیردت ۱۳۷۴  
۱۹۵۷ء

## مسائل

الرحیم ماہنامہ جلد دوم

" جلد اول

ترجمان القرآن جلد اول

" دوم

فاران

اسلام اور عصر جدید جلد سوم

الفرقان جلد ۴

ثقافت جلد دو

الاسلام

شعبہ نشر و اشاعت ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد  
۱۳۸۴ھ  
۱۹۶۴ء  
"ذی الحرم" ۱۳۸۳ھ مطابق مئی ۱۹۶۳ء

دفتہ رسائل ترجمان القرآن مجرم ۱۳۷۰ھ م دسمبر ۱۹۵۰ء

" صفر ۱۳۷۱ھ م دسمبر ۱۹۵۱ء

کراچی دسمبر ۱۹۴۵ء م ۱۳۸۳ھ

جائزہ نئی دہلی جولائی ۱۹۷۱ء

دفتہ الفرقان لکھنؤ ۱۳۸۸ھ م مئی ۱۹۶۹ء

حمایت اسلام دہلی جون ۱۹۵۶ء

دہلی مئی ۱۹۶۶ء

## English Books.

1. Videya Dhar Mahajan Principal of political science page 27  
Chand Co.
2. Dr. Hameed ulloh. "The Muslim Conduct of State" P. 101